بسم اللہ الرحمن الرحیم

عقائد و ایمان

مرتب

الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ

بلقیس اظہر

جماعت عائشہؓ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عقائدوایمان

مرتب:
الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ
بلقیس اظہر
جماعت عائشہؓ

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر
1	عقیدہ اور عقیدت	3
2	اللہ پر ایمان (عقیدہ اسلام کا پہلا رکن)	4
3	فرشتوں پر ایمان (اسلامی عقیدے کا دوسرا رکن)	8
4	غیبی مخلوق (جنات، شیاطین)	13
5	اللہ تعالٰی کی کتابوں پر ایمان (اسلامی عقیدے کا تیسرا رکن)	18
6	اللہ تعالٰی کے رسولوں پر ایمان (اسلامی عقیدے کا چوتھا رکن)	21
7	آخرت کے دن پر ایمان (اسلامی عقیدے کا پانچواں رکن)	26
8	قضا اور قدر پر ایمان (اسلامی عقیدے کا چھٹا رکن)	31
9	عقیدہ ختم نبوت پر ایمان	36
10	اسلام اور ایمان (حصہ اول)	37
11	اسلام اور ایمان (حصہ دوم)	39
12	ایمانیات	43
13	ا یمان کا دارومدار (ایمان کا دارومدار نبوت پر ہے)	48
14	ایمان کامل حاصل کرنے کا طریقہ	62
15	روح ایمان اور جان ایمان	65
16	ایمان کی سب سے بڑی خوبی (اخلاق)	73
17	کمال ایمان (اخلاقیات)	79
18	ایمان کی بنیاد	83
19	ایمان کی آزمائش	87
20	شعبہ الایمان	92
21	ایمان کی استقامت (حدیث قدسی)	102
22	ایمان کا ایک شعبہ (حیاء)	103

عقیدہ اور عقیدت

عقیدہ

قطعی عقیدہ قرآن اور حدیث کی قطعی نصوص صریح سے ثابت ہوتا ہے۔اس کا منکر کافر ہوتا ہے یعنی اس کے انکار کو صریح کفر کہیں گے۔

عقیدت

قرآنی آیات اور احادیث نبوی (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) کی معمولی ارشادات اور ضعیف روایات سے بھی ثابت ہو جاتی ہے اور اس کے انکار کو صریح کفر نہیں کہا جاتا ہے۔نجات کا مدار عقائد میں ہے اور یاد رکھیں کہ اگر عقائد ٹھیک نہ ہوں تو صرف اچھے اعمال پر نجات ممکن نہیں ہے۔

عقیدہ کیا ہے؟

سادہ لفظوں میں عقیدہ ان فیصلوں کا نام ہے جنہیں انسان اپنی عقل سے سوچ کر کانوں سے سن کر اور قوانین الٰہی کے ذریعے پرکھ کر صادر کرتا ہے۔یہ فیصلے دوٹوک اور بے لاگ ہوتے ہیں۔عقل ونقل کی کسوٹی پر قطعی پورے اترتے ہیں۔اس قسم کا سب سے اولین فیصلہ بندہ اپنے بنانے والے کے بارے میں کرتا ہے۔وہ دل سے مانتا اور زبان سے اقرار کرتا ہے کہ وہ ایک ذات واحد ہے کہ جس نے اس کو وجود بخشا۔وہی اس کا خالق و مالک اور روزی دینے والا ہے۔وہ علیم وخبیر بڑی حکمت اور قدرت والا ہے۔صاحب ایمان یہ بھی سمجھتا ہے کہ اس کا رب بے نیاز ہے۔اور یہ کہ باری تعالیٰ اس کا مالک ومولا ہے۔اس کے سوا کوئی پروردگار نہیں نہ ہی الوہیت کی شان اور ربوبیت کی صفت کسی اور کے اندر پیدا ہوسکتی ہے

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے کسی نے پوچھا'' خدا کی معرفت کی دلیل کیا ہے''؟ آپ نے فرمایا'' دین کے اندر جو کوئی اٹکل کے تیر چلائے ،حق وصداقت سے دور اور شک وشبہ میں مبتلا ہو۔وہ گمراہ ہوجاتا ہے۔ہمارا طریقہ کار یہ ہے کہ خدا نے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اور جیسا بتایا ہے ہم اس کو سن کر اسی کے مطابق مانتے ہیں۔اس میں شک نہیں کہ باری تعالیٰ کے وجود کے لیے عقلی اور شعور کے دلائل تحریر کرتے ہوئے ایک مسلمان کا دل بار بار یہ کہتا ہو کہ کیا باری تعالیٰ کا وجود بھی کوئی مسئلہ ہے؟ جسے ثابت کرنیکی ضرورت ہے؟۔کیا کوئی اس کا انکار کرسکتا ہے؟اور کیا مسلمان ایسی زندگی کا تصور کرسکتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات نہ ہو؟'' کبھی نہیں۔۔۔کبھی نہیں۔

توحید کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کو عبادت اور اطاعت میں یکتا تسلیم کرنا توحید ہے۔

توحید کی تین قسمیں ہیں

1۔توحید ربوبیت 2۔توحید الوہیت 3۔توحید اسماء وصفات

1۔توحید ربوبیت

اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ خالق اور رازق ہے۔زندگی دینے والا، مارنے والا،اس دنیا کو چلانے والا ہر قسم کا نفع اور نقصان پہنچانے والا وہی ہے۔

2۔توحید الوہیت

عبادت میں صرف اللہ تعالیٰ کو معبود تسلیم کرنا

3۔توحید اسماء وصفات

اللہ تعالیٰ کے وہ تمام اسماء حسنیٰ اور صفات اعلیٰ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن پاک اور اس کے رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث مبارکہ میں ذکر فرمایا۔انہیں تسلیم کرنا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی نہیں۔وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

****

اللہ پر ایمان (عقیدہ اسلام کا پہلا رکن)

عقل سلیم کا راستہ سب سے آسان اور سیدھا ہے۔جس کے ذریعے ہم اپنے رب کو پہچان سکتے ہیں۔اس کی الوہیت اور ربوبیت کو تسلیم کر سکتے ہیں اور اس کے کل احکام کی پابندی کر سکتے ہیں۔حق تعالیٰ کو اس کے اسما اور صفات کے ساتھ ماننا سب سے اہم فریضہ ہے۔اس کی وحی پر عمل پیرا ہونا، اس کی اطاعت وعبادت کرنا اور اس کی بھیجی ہوئی شریعت کی مکمل پیروی کرنا۔اسلام لانے کے بعد لازمی چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے حصول کے مختلف درجے ہیں۔حق پرست چاہیں تو ذاتی مجاہدے اور محنت سے ان مراحل کو طے کر کے کمال کے مرتبے کو پہنچ سکتے ہیں۔جس قدر معرفت الٰہی نصیب ہوگی اسے درجے کا تقویٰ اور تقرب، خوف وخشیت، عقیدت ومحبت اور جذبہ بندگی بندے کے دل میں پیدا ہوگا۔ایک عارف کا معقولہ ہے کہ چیزوں نے ہمیں اللہ تک نہیں پہنچایا بلکہ اللہ نے ہمیں چیزوں تک پہنچایا اور ان کا صحیح علم دیا ہے۔

پہلا درجہ :- سائنس دانوں کے سامنے کائنات کھلی کتاب کی مانند ہوتی ہے لیکن چونکہ قرآن کریم اور اس کے پیغمبر رسول پاک خاتم النبیین ﷺ اور ان کی تعلیمات سے ادنیٰ واقفیت بھی ان کو میسر نہیں ہوتی اس لیے انہیں کامل ایمان نصیب نہیں ہوتا۔جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابتدائی معرفت کا ادنیٰ درجہ حاصل ہو جانے کے باوجود یہ لوگ ایک طرح سے اندھیرے میں رہتے ہیں۔

دوسرا درجہ :- اللہ تعالیٰ کی معرفت کے دوسرے درجے میں۔وہ روایتی اور خاندانی مسلمان شامل ہیں جن کے کان بچپن ہی سے اللہ کے وجود اور اس کے اسما وصفات سے آشنا ہوتے ہیں لیکن چونکہ یہ ایمان انہیں بلا کسی محنت اور تلاش وجستجو کے حاصل ہوتا ہے اس لیے اس طبقے کا ایمان متوسط درجے پر ہوتا ہے اور خدا کی معرفت بھی انہیں کم نصیب ہوتی ہے۔

تیسرا درجہ :- اس درجہ میں وہ مومنین صادقین اور علمائے اُمت شامل ہیں جنہیں شریعت مطہرہ اور دستور الٰہی کا علم اور اس کا فہم نصیب ہوتا ہے۔جس کا سرچشمہ براہ راست اللہ کی کتاب اور اس کے نبیوں کی تعلیمات ہوتی ہیں۔تمام اولیاء اللہ، عارفین اور صالحین اس گروہ میں شامل ہوتے ہیں۔نیز ذات باری تعالیٰ کے وجود اور اس کی معرفت کا یقین مختلف عقلی اور نقلی دلائل سے انہیں حاصل ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہ طبقہ اللہ کی معرفت کے اونچے درجے پر فائز ہوتا ہے اور عام مسلمانوں کے مقابلے میں علما کا یہ گروہ محبت، بندگی اور خشیت کے جذبے سے سرشار ہوتا ہے۔چنانچہ اس گروہ کے متعلق باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا

ترجمہ: ''اور خدا سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو اس کی عظمت کا علم رکھتے ہیں (سورہ فاطر۔آیت نمبر 28)

چوتھا درجہ :- یہ نورانی اور مقدس ترین گروہ انبیاء اور مرسلین کا گروہ ہے۔جو اہم امتیاز اور زبردست معجزات کے حامل ہوتے ہیں۔یہی وہ بابرکت گروہ ہے جو معرفت کے سب سے اونچے اور بلند مرتبے پر فائز ہوتا ہے۔جن کی ہمسری اور برابری کا کوئی دوسرا گروہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔حق تعالیٰ کی محبت اس کی اطاعت اور بندگی کا جذبہ سب سے زیادہ ان لوگوں میں پایا جاتا ہے۔چنانچہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا

ترجمہ: ''خدا کی قسم میں تم میں سے سب سے زیادہ خدا کو پہچانتا ہوں اور اس سے ڈرتا ہوں''۔(بخاری ومسلم)

اس کے علاوہ حق تعالیٰ کو پہچاننے کے طریقے قرآن پاک میں بیسیوں ذکر کئے گئے ہیں۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کچھ نشانیاں انسان کے اندر بتائی گئیں ہیں اور کچھ کائنات میں۔جو ان کو پہچان لیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا ایک واقعہ ہے۔ان کے زمانے میں مہدی جو اموی خلیفہ تھا اس کے دربار میں ایک دہریا آ گیا۔جو اللہ کی ذات کا انکار کر رہا تھا۔اس نے کہا کہ ''میں نہیں مانتا کہ خدا موجود ہے یہ کائنات خود بخود چل رہی ہے۔لوگ پیدا ہو رہے ہیں اور مر رہے ہیں۔یہ ایک طبعی کارخانہ ہے اس کو بنانے والا کوئی نہیں ہے اور وہ یہ بھی دعویٰ کر رہا تھا کہ ہے کوئی مسلمانوں کا بڑا عالم جو میرے سے بحث کرے۔لوگ ایک غلطی میں مبتلا ہیں اور اپنی طاقتوں کو خواہ مخواہ ایک غیبی طاقت کے تابع کرتے ہیں''۔اموی خلیفہ مہدی نے امام ابوحنیفہؒ کے پاس آدمی بھیجا اور انہیں بلوایا۔رات کا وقت تھا رات ہی کو خلیفہ کا دربار منعقد ہوتا تھا۔چنانچہ وہ آدمی پہنچا۔بغداد میں ایک بہت بڑا دریا ہے جسے دجلہ کہتے ہیں۔اس کے ایک جانب شاہی محلات ہیں اور دوسری جانب شہر ہے۔تو امام ابوحنیفہؒ شہر میں رہتے تھے اس لیے دریا پار کر کے آنا پڑتا تھا۔قاصد نے امام ابوحنیفہؒ کو تمام ماجرا کہہ سنایا۔امام صاحب نے کہا" اچھا آپ جا کر کہہ دیں میں آ رہا ہوں"۔اس قاصد نے واپس آ کر امام صاحب کا پیغام پہنچا دیا۔دربار لگا ہوا ہے لیکن امام صاحب نہیں پہنچے۔اب دہریا طرح طرح کی باتیں بنانے لگا۔رات کے بارہ بج گئے اور امام صاحب نہ آئے۔جب رات کا ایک بجا تو امام صاحب پہنچے خلیفہ وقت تعظیم کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔تمام دربار کھڑا ہو

گیا۔خلیفہ وقت نے کہا" امام صاحب آپ نے اتنی دیر کیوں کردی"؟ فرمایا" ایک حادثہ ہو گیا۔ ایک عجیب واقعہ پیش آیا سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا قصہ تھا؟۔قصہ یہ ہوا کہ جب میں دریا کے کنارے پر پہنچا تو اندھیری رات تھی نہ کوئی ملاح نہ کشتی نہ آنے کا کوئی سامان۔ میں حیران تھا کہ دریا کو کس طرح عبور کروں؟ اچانک میں نے دیکھا کہ دریا کے اندر سے خودبخود لکڑی کے تختے نکلنے شروع ہوئے اور لگا تار ایک کے بعد ایک نکلتے رہے۔ میں حیران تھا کہ یہ تختے کہاں سے آرہے ہیں؟ کہ اس سے زیادہ عجیب واقعہ ہوا وہ یہ کہ تختے خود بخود جڑنے شروع ہوئے اور جڑتے جڑتے کشتی بن گئی اور بہترین قسم کی کشتی بن گئی۔ابھی میں حیرت میں تھا کہ یہ کشتی خودبخود میری طرف آنے لگی اور کنارے پر آکر لگ گئی۔ گویا مجھے سوار کرنا چاہتی ہے۔ میں بیٹھ گیا وہ خودبخود چلنے لگی اور یہ شاہی محلات کی طرف چلنے لگی میں حیران تھا یا اللہ پانی کے بہاؤ کے خلاف یہ خودبخود کیسے بھاگی جارہی ہے؟۔ یہاں تک کہ شاہی محل کے قریب کنارے پر پہنچ گیا اور پھر کنارے پر کھڑی ہوگئی تاکہ میں اتر جاؤں۔تو میں اتر گیا۔ پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے یہ کشتی خودبخود غائب ہوگئی میں گھنٹہ بھر کھڑا سوچتا رہا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا''۔ دہریے نے یہ سب کچھ سنا اور کہا'' امام صاحب میں نے تو یہ سنا تھا کہ آپ بہت بڑے عالم ہیں۔ بڑے ہی دانش مند اور فاضل لیکن آپ تو بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں بھلا یہ ممکن ہے کہ خودبخود تختے نکل آئیں، خودبخود میخیں تختوں کو جوڑ دیں۔خودبخود کشتی بن جائے اور آپ اس پر سوار ہوجائیں اور وہ بغیر کسی ملاح کے پانی کے بہاؤ کے بغیر خودبخود چلے اور آپ کو یہاں اتار کر غائب ہوجائے۔ یہ کوئی عقل میں آنے والی بات ہے؟۔ یہ کیسی بات آپ کررہے ہیں؟ کہ کوئی کشتی بنانے والا نہیں اور کشتی بن گئی"؟ امام صاحب نے کہا''اچھا یہ نادانی کی بات ہے؟'' کہا''ہاں بے شک بےوقوفی کی بات ہے''۔امام صاحب نے کہا" ایک کشتی بغیر بنانے والے کے بن نہیں سکتی تو یہ اتنا بڑا جہاں جس کی چھت آسمان ہے، جس کا فرش زمین ہے جس کی فضا میں لاکھوں جاندار ہیں۔ یہ خودبخود بن گئی۔ یہ سورج، چاند، تارے، یہ خودبخود چل رہے ہیں کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ ایک معمولی کشتی بغیر بنانے والے کے نہیں بن سکتی اور اتنی بڑی کائنات خودبخود بن گئی۔تو عقل تمہاری بچوں جیسی ہے یا میری؟ میں نادان ہوں یا تم نادان ہو"؟ مناظرہ ختم ہوگیا۔

قرآن پاک نے واقعات اور مشاہدات سے وجود باری تعالیٰ کو ثابت کیا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے کسی نے پوچھا" آپ مسلمان ہیں"؟ انہوں نے کہا" جی"۔ کہا" مسلمان کسے کہتے ہیں"؟ آپ نے کہا" جو اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کا قائل ہو"۔ اس نے کہا" آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ اللہ ایک ہے؟ اور یہ کائنات اس نے بنائی ہے؟۔ آپ نے اللہ کو کیسے جانا اور پہچانا"؟۔آپ نے جواب دیا''میں نے دنیا میں ایک محل دیکھا وہ چاندی کا بنا ہوا تھا۔اس میں نہ کہیں درز تھا نہ سوراخ، نہ روشندان کچھ بھی نہ تھا۔اس محل کے اندر ایک سونے کا محل تھا۔اس میں بھی کوئی در و دیوار، کھڑکی نہ تھی۔ان دونوں میں نہ کوئی چیز اندر جاسکتی تھی اور نہ ان سے کچھ باہر آسکتا تھا۔حتیٰ کہ ہوا کا گزر تک نہ تھا۔ایک محل باہر اور دوسرا اس کے اندر۔ میں حیرانی سے اس محل کو دیکھ رہا تھا۔ کہ اچانک اس محل کی دیوار ٹوٹی اور اس میں سے ایک جاندار نکلا اور نکلتے ہی اس نے کام کرنا شروع کردیا۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ جاندار تجربہ کار ہے۔ میں نے سمجھا کہ نہ کوئی اس محل میں داخل ہوا ہے اور نہ باہر سے کوئی چیز اس کے اندر گئی۔تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ محل کے اندر اس کا کوئی بنانے والا ہے۔جس نے اس جاندار کو تیار کرکے باہر نکالا۔اس طرح میں خدا کی ذات کو سمجھا کہ وہ ہے"۔لوگوں نے کہا" وہ محل کہاں ہے"؟ کہا" وہ انڈا ہے۔نہ کوئی چیز باہر سے اندر جاتی ہے نہ کوئی بنانے والا اندر جاتا ہے۔مرغی لے کر انڈے کو بیٹھ گئی اور 19 دن کے بعد دونوں محلوں کی دیوار ٹوٹی اور بچہ نکل آیا اور نکلتے ہی دانہ چگنے لگا۔گویا یہ ترقی یافتہ پیدا ہوا۔محل کے اندر اسے کس نے پڑھایا؟ کس نے تعلیم دی؟ یہ اسے اس نے تعلیم دی جس نے فرمایا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر چیز کے مطابق اس کے قلب میں ہدایت ڈال دی کہ تو یہ کام کر۔جس نے دل میں راہنمائی کی وہی اللہ کی ذات ہے۔

اپنے جسم کے اندر روح کو ہم بلا دلیل مانتے ہیں۔ پھر رب کی ذات کو نہ ماننے کی کیا وجہ؟ کائنات کے ذرے ذرے میں اس کا جلوہ موجود ہے"۔

قرآن پاک سورۃ الحدید، آیت نمبر 4 میں اس نے فرمایا:

وھو معکم اینما کنتم

ترجمہ: ''تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے"۔

تم ایک جگہ تین ہو تو چوتھا خدا موجود ہے اور اگر پانچ ہو تو چھٹا خدا موجود ہے۔

انسان اور کل کائنات کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی عظیم المرتبت بادشاہ نے ایک عالی شان اور بے نظیر محل تعمیر کیا۔ ہر قسم کی خوبصورتی اور رعنائی کا اسے نمونہ بنایا۔راحت و آرام کے تمام اسباب جو کہیں ہو سکتے تھے سب اس میں فراہم کرنے کے بعد اس کو ایک مثالی اور لاثانی محل کی حیثیت سے کھڑا کیا۔ پھر اپنی رعایا میں سے ایک بے نظیر حقیر اور ناتواں نظر آنے والی ایک رعیت کو محض اپنے لطف کرم سے اپنا مہمان بنایا اور اسے یہ شرف بخشا کہ وہ آئے اور اس محل میں رہے خود کو اور اپنی نسلوں کو اس میں آباد کرے اور ہر قسم کے اسباب راحت سے فیض اٹھائے۔

مہمان نے بصروچشم اس میزبانی کو قبول کیا اور محل کو آباد کیا۔لیکن ''عیش وراحت'' جس کا خاصہ ہے کہ دل کو یادالٰہی اور دماغ کو خوف خدا سے آزاد کردیتی ہے۔ یہ

مہمان بھی اس مرض کا شکار ہو گیا (عیش راحت کا) اور بجائے اس کے کہ مالک حقیقی کا احسان مانے اس کی نعمتوں کی قدر کرے اس نے اس کی ناقدری کی اور اپنے محسن کو بھول کر اس بے نظیر محل (کائنات) کی نسبت ایسوں کی طرف کرنی شروع کر دی جو ادنیٰ چیزوں کے خالق بھی نہیں ہو سکتے تھے۔

اس تمثیل میں بادشاہ سے مراد باری تعالیٰ ہے، محل سے مراد دنیا اور مہمان سے مراد حضرت انسان ہے۔ جو انکار اور الحاد کا مرتکب ہو کر اللہ اور مذہب سے بیزار اور گمراہ اور اپنے رب کی نافرمانی کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔ جبکہ قرآن پاک اسے آواز دیتا ہے۔ (سورہ الجاثیہ، آیت نمبر 12-13)

ترجمہ: ''وہ اللہ ہے جس نے دریا کو تمہارے کام میں لگایا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اس کے فضل سے روزی تلاش کرو اور شکر گزار بن جاؤ اور اس طرح جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے حکم سے تمہارے کام میں لگا دیا۔ جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لیے ان تمام چیزوں میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آسمانوں میں زمین میں غور کرنے اور مذہب کی راہنمائی سے کائنات اور خالق کائنات کا تصور اجاگر ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے تعارف کے لیے ذیل کے مختلف انداز کو اختیار کیا ہے۔

1۔ کہیں کافر اور مومن کا امتیاز کئے بغیر تمام انسانوں کو مخاطب کیا ہے اور اپنی ذات کا مکمل تعارف کرنے کے بعد بندوں کو ضروری احکامات سے نوازا ہے۔۔

2۔ کہیں پیغمبروں کو مخاطب کیا گیا ہے لیکن عمومی طور پر ساری امت بھی وحی الٰہی اور احکام خداوندی کی مخاطب ہے۔

3۔ کہیں وحی کا انداز قصے اور حکایات کا سا ہے اور مخاطب کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ حق تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش سے ہی پیغمبروں کا ایک سلسلہ جاری فرمایا ان پر کتابیں نازل فرمائی۔ اور ضرورت پڑنے پر انہیں ایسے معجزات سے نوازا جن سے انسانی عقلیں دنگ رہ گئیں اور ان کی نظیر لانے سے زمانہ قاصر رہا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے عام خطاب کے ساتھ ساتھ براہ راست انسانی عقل کو ان دو نکتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔

1۔ خلق و تکوین اور نظام ربوبیت کا تمام تر دار و مدار صرف باری تعالیٰ کی ذات پر ہے۔ اس لیے اس کے سوا کل کائنات اور دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔

2۔ دوسرا نکتہ باری تعالیٰ کی نوازش اور مہربانی کا ہے۔

سورہ بقرہ، آیت نمبر 22 ,21 ,20 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اے لوگو اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ وہ پروردگار ایسا ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسا کر تمہارے کھانے کے لیے طرح طرح کے میوے پیدا کئے۔ پس کسی کو اللہ کا ہمسر اور شریک نہ بناؤ، حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اس جیسا کوئی نہیں)''۔

سورہ النساء، آیت نمبر 1 ص میں ارشاد الٰہی ہے:

ترجمہ: ''لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی پہلے) پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیئے)

سورہ فاطر، آیت نمبر 3

ترجمہ: ''لوگو اللہ کے تم پر جو احسانات ہیں۔ انہیں یاد کرو کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے؟ جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دے سکے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کہاں الٹے جا رہے ہو؟

پیغمبران سے خطاب:-

سورہ بقرہ، آیت نمبر 35

ترجمہ: ''اے آدم تم اور تمہاری بیوی دونوں بہشت میں رہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ پیو لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے''۔

سورہ ھود، آیت نمبر 48

ترجمہ: ''اے نوحؑ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ تم اور تمہارے ساتھ کی جماعت کشتی میں اتر جاؤ۔''

سورہ بقرہ، آیت نمبر 125

ترجمہ: ''اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کی طرف حکم بھیجا کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے ولوں کے لیے اس گھر کو پاک وصاف رکھو''۔

سورہ النساء، آیت نمبر 163

ترجمہ: ''اور جس طرح ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ کی طرف وحی بھیجی''۔

سورہ جاثیہ، آیت نمبر 18-19

ترجمہ: ''پھر اے پیغمبر ہم نے تم کو دین کے کھلے راستے پر قائم کر دیا پس تم اسی پر چلتے رہو اور ان لوگوں کی خواہشوں پر نہ چلو جو کچھ نہیں جانتے بیشک یہ لوگ اللہ کے مقابلے میں تمہارے کچھ کام نہ آئیں گے''۔

سورہ شوریٰ، آیت نمبر 11

ترجمہ: ''اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ دیکھتا سنتا ہے''

سورہ اخلاص

ترجمہ: ''(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر ہے''۔

ہر صاحب ایمان بندہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ دیکھتا اور سنتا ہے۔ دوست و دشمن رکھتا ہے، تخلیق کرتا ہے، عرش پر قرار پاتا ہے۔ آسمان دنیا پر نازل ہوتا ہے، نبیوں سے کلام کرتا ہے، خالق اور مخلوق کے اوصاف بالکل الگ الگ ہیں۔ ان میں ادنیٰ مشابہت بھی محال ہے''۔ بندہ مومن حق تعالیٰ کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتا ہے جو قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ اس لیے کافر، مشرکین کے شرک اور ملحدین کی بے دینی سے ہم بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے وہم وگمان، اندازے اور قیاس سے بالاتر ہے۔ اس لیے آیئے ہم سب ندامت، شرمندگی، حیا اور درماندگی کی پونجی لے کر اللہ کے حضور حاضر ہوتے ہیں اور اس سے دعا کرتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ

''اے اللہ تجھ سے بڑھ کر واضح حقیقت کوئی نہیں ہے۔ کل موجودات صرف تیرے وجود کا صدقہ ہیں تو اپنی دلیل آپ ہے۔ تیرے وجود کے لیے ہمیں مزید کسی ثبوت کی حاجت نہیں ہم تیری بندگی میں کوتاہی اور تیری معرفت میں سستی کا اعتراف کرتے ہیں۔ پس ہماری تمام تر غلطیوں اور قصوروں کو معاف فرمادے (آمین)۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے ثمرات

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے ثمرات بیان نہیں کئے جاسکتے

1۔ محبت الٰہی سے اطاعت بڑھتی ہے اور اطاعت سے ایمان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

2۔ نیک اعمال سے رغبت بڑھتی رہتی ہے اور برے اعمال سے دوری ہوتی رہتی ہے۔

3۔ نفسانی راحت اور سکون قلب میسر آجاتا ہے۔

ایمان باللہ کے عناصر

1۔ زبان سے اقرار
2۔ دل سے تصدیق
3۔ اعضاء سے کام لینا۔ یعنی فرائض اور واجبات کو ادا کرنا اور
4۔ اخلاق حسنہ کو اپنے اندر پیدا کرنا

بندے کے ایمان کا درخت اِس کی حفاظت اور تحفظ کا متقاضی ہَے۔ ایمان کے درخت کی پرورش ضروری ہے۔ ایمان کے درخت کی متواتر آبیاری کرتے رہنا چاہیے۔ اِسے کھاد دیتے رہنا چاہیے۔ تاکہ اِس کے پھَل اور میوے برقرار ہیں۔ اگر یہ میوے اور پھل گر گئے تو ایمان کا درخت ویران ہَو جائے گا۔ ایمان کے اِس درخت کی آبیاری اعمال صالح سے ہَوتی ہَے۔ اور اِس کی کھاد اعمال میں اخلاص کا ہَونا ہَے۔ حَسد ایمان کو کمزور کردیتا ہَے۔

****

فرشتوں پر ایمان (اسلامی عقیدے کا دوسرا رکن)

کائنات کی دو قسمیں ہیں:

1۔ غیبی　　2۔ ظاہری

غیبی:- وہ خلائق جو نظروں سے اوجھل ہیں اور عقل وشعور ان کو اس طرح مانتی ہو جیسے وہ ان کی نظروں کے سامنے موجود ہیں جیسے کل کائنات ارضی وسماوی۔

ظاہری:- غیبی کی ضد ہے یعنی وہ خلائق جو انسانی نظروں کے سامنے اس کے مشاہدے میں ہوں یا آنکھ، ناک، کان یا دیگر حواس سے اس کا احساس ممکن ہو۔

ملائکہ کی (فرشتوں کی) تخلیق:- ملائکہ کا واحد ملک ہے لفظ ملک اُلُوک سے ماخوذ ہے یعنی پیغام پہنچانا اور ملائکہ اس کی جمع ہے۔

مادہ تخلیق:- فرشتے باری تعالیٰ کی سب سے طاقتور اور معصوم مخلوق ہے۔ان کی تعداد صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو نور سے بنایا اور پھر ان کو اپنی قدرت اور ارادے سے کائنات کے انصرام وانتظام کے لیے مقرر فرمادیا۔ان کا کام صرف اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری وحکم کی تعمیل ہے۔ان میں نافرمانی اور سرکشی کا مادہ پایا ہی نہیں جاتا۔ان میں سے بعض کا کام یہ ہے کہ وہ رات دن ذکر اذکار اور تسبیح وغیرہ کرتے رہتے ہیں۔یہ یاد الٰہی میں لگے رہتے ہیں۔نہ تو وہ عبادت کرنے سے اکتاتے ہیں اور نہ ہی ان میں اس عبادت کے کرنے سے کوئی تکبر یا گھمنڈ وغیرہ پیدا ہوتا ہے۔فرشتوں کے مادہ تخلیق سے متعلق حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے۔''فرشتے نور سے، جنات آگ سے اور حضرت آدمؑ کو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے'' (کھنکھناتی ہوئی) (جوسڑے ہوئے گارے سے تیار ہوئی تھی، مٹی سے) بنایا گیا"۔(صحیح مسلم)

ترجمہ:"یقیناً ہم نے انسان کو کالی اور سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا فرمایا ہے"۔(سورہ الحجر، آیت نمبر 26)

فرشتوں کے مراتب:- بنی نوع انسان کی طرح فرشتوں میں بھی فرق مراتب پایا جاتا ہے۔بعض فرشتوں کو دوسروں کی نسبت اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہے۔بعض فرشتوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اللہ کے عرش یعنی عرش الٰہی کو تھامے ہوئے ہیں۔

سورہ الحاقہ، آیت نمبر 17 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:''اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے''۔

بعض مقرب ترین فرشتے ہیں جن کے نام یہ ہیں: حضرت جبرائیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام، حضرت اسرافیل علیہ السلام، حضرت عزرائیل علیہ السلام، ان میں سب سے زیادہ برگزیدہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں جن کا لقب (روح القدس) ہے۔

فرشتوں کے کام:- قدرت کے اس بہت بڑے کارخانے میں (جس میں چاند، سورج، زمین، آسمان اور پہاڑ مشین کے پرزوں کی طرح کام کررہے ہیں)۔بے شمار فرشتے مختلف ڈیوٹیوں پر لگے ہوئے ہیں۔کتاب وسنت کی روشنی میں بعض بڑے فرشتوں کے نام اور ان کے اہم کام ذکر کئے گئے ہیں۔

1۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام:- آپ کو روح القدس (پاکیزہ روح) بھی کہا جاتا ہے۔باری تعالیٰ نے ان کی قوت اور امانت کی تعریف فرمائی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ:

ترجمہ:''بے شک یہ قرآن ایک باعزت فرشتے کا (لایا ہوا) کلام ہے (وہ) قوت والا اور عرش والے کے پاس بڑے مرتبے والا ہے۔وہاں وہ سردار (اور) امانت دار ہے" -(سورۃ التکویر آیت 12-19)

نبی اور رسول اور اللہ تعالیٰ کے دیگر برگزیدہ بندوں کا اللہ تعالیٰ سے جو تعلق ہے، حضرت جبرائیل اس میں واسطہ ہوتے ہیں اور آسمانی سفارت کو بندوں تک بِلا کم وکاست پہنچانے کا عظیم المرتبت فریضہ انجام دیتے ہیں۔

چنانچہ سورہ شعراء آیت نمبر 192 تا 194 میں ہے:''اور (اے پیغمبر) یہ قرآن پروردگار عالم کا نازل کیا ہوا ہے اس کو تمہارے دل پر روح الامین نے صاف عربی زبان میں نازل کیا ہے۔تاکہ تم ڈرانے والوں میں سے ہوجاؤ''۔

واقعہ معراج کی روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی تاریخ کے اس عظیم ترین سفر میں جو مکہ مکرمہ میں مسجد الحرام سے شروع ہوا، پھر بیت المقدس اور جس کی آخری منزل ملا اعلیٰ میں سدرۃ المنتہیٰ تھی اس سفر کے تمام حصہ میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی رفاقت کا شرف جس فرشتے کو حاصل ہوا وہ یہی حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔

2۔ حضرت میکائیل علیہ السلام:- بارش اور روزی پہنچانے کا کام آپ کے سپرد ہے۔

3۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام:- موت، یعنی روح قبض کرنے کا کام ان کے سپرد ہے

4۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام:- یہ قیامت کا صور پھونکیں گے

5۔فرشتہ موت یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام کے معاونین :- ان کی دو قسمیں ہیں: (1) فرشتہ رحمت (2) فرشتہ عذاب

یہ دونوں قسم کے فرشتے ،فرشتہ موت کے خصوصی معاونین ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :(سورہ انعام۔آیت نمبر 61)

ترجمہ:''یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے''۔

6۔حاملین عرش :- یہ تعداد میں چار ہیں۔قیامت کے دن ان میں مزید 4 کا اضافہ ہو جائے گا۔اور ان کی تعداد آٹھ ہو جائے گی۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے(سورہ الحاقہ۔آیت نمبر 17) ترجمہ:''اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے"۔

7۔رضوان جنت :- یہ جنت کے دربان ہیں،حور وغلماں اور جنت کے جملہ خدام فرشتوں کی نگرانی بھی انہیں کے ذمہ ہے۔

8۔خدام جنت :- ان کی گنتی اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں- چنانچہ قرآن پاک میں سورۃ الدعد۔آیت نمبر 24-23 میں ارشاد ہے :

ترجمہ:''اور رحمت کے فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے (اور کہیں گے)تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا تو کیا ہی اچھا آخرت کا گھر ہے''۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ ایک جنتی کو 80 ہزار خدام ملیں گے وہ سب جنتیوں کی خدمت کریں گے۔

9۔فرشتہ دوزخ:- دوزخ کے انتظام کے لیے جو فرشتے مقرر ہیں ان پر 19 داروغہ یا سردار ہیں باری تعالیٰ کے حکم سے یہ دوزخیوں کو عذاب دینے پر مقرر ہیں۔

ترجمہ:''میں عنقریب انہیں دوزخ میں داخل کروں گا (اور تجھے معلوم بھی ہے کہ دوزخ کیا چیز ہے؟) وہ آگ ہے جو نہ باقی رکھے گی نہ چھوڑے گی اور بدن کو جھلسا کر سیاہ کر دے گی اس پر 19 فرشتے مقرر ہیں ہم نے دوزخ کے نگہبان فرشتے بھی بنائے ہیں اور ان کی گنتی کافروں کے آزمائش کے لیے مقرر کی ہے"۔(سورہ مدثر،آیت نمبر 26 تا 31)

جہنم کے 19 داروغوں میں سے سب سے بڑے داروغہ کا نام مالک ہے۔

قرآن پاک میں سورہ زُخرف آیت نمبر 78,77 میں دوزخیوں کی باہم چیخ پکار نقل کرتے ہوئے باری تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ:''اور وہ (دوزخ کے داروغہ کو) پکاریں گے کہ اے مالک، تیرا پروردگار ہم کو موت دے کر ہمارا کام تمام کردے وہ جواب دے گا بے شک (اب) تم اس میں ہمیشہ رہو گے (لوگو) ہم نے دین حق تمہارے پاس پہنچایا لیکن تم میں سے اکثر اس دین حق سے نفرت کرتے تھے''۔

10۔کراماً کاتبین :- ان برگزیدہ فرشتوں کا کام یہ ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے یہ اس کو لکھتے رہتے ہیں۔دائیں کاندھے پر نیکی کا اور بائیں کاندھے پر بدی کا اندراج کرنے والے فرشتے مقرر ہیں اور وہ ہر آدمی کے اعمال کی مسلسل نگہبانی کرتے رہتے ہیں اور ان کو لکھ لیتے ہیں۔(سورہ انفطار آیت نمبر 10 تا 12)

ترجمہ:''حالانکہ تم پر نگہبان فرشتے مقرر ہیں جو باعزت ہیں اور تمہارے اعمال کو لکھنے والے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتے ہیں"۔

صحیح بخاری میں وارد ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:''جب کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو تو سامنے نہ تھوکے کیونکہ وہ جب تک اپنی نماز کی جگہ میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کرتا رہتا ہے اور دائیں طرف بھی نہ تھوکے کیونکہ اس طرف فرشتہ ہوتا ہے،ہاں بائیں طرف یا قدم کے نیچے تھوک لے اور اسے مٹی میں چھپا دے''۔(صحیح بخاری)

11۔ پہرے دار فرشتے :- اس سے وہ فرشتے مراد ہیں جو اپنی اپنی ڈیوٹی پر دن رات انسانوں کی اور ان کے اعمال کی حفاظت ونگرانی کے لیے مقرر ہیں اور بحکم الٰہی ان کو بہت سی آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھتے ہیں۔چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :(سورہ رعد۔آیت نمبر 11)

ترجمہ:''ہر شخص کے آگے اور پیچھے اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں''۔

یعنی''اللہ نے ہر انسان کے ساتھ کچھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور جب حکم الٰہی ہوتا ہے حفاظت سے ہاتھ اٹھا لیتے ہیں''۔(ابن کثیر 503/2)

حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں''اللہ تعالیٰ کے یہ فرشتے سوتے جاگتے،اٹھتے،بیٹھتے،شریر انسانوں،کیڑے مکوڑوں سے انسانوں کی حفاظت کرتے ہیں''(ابن کثیر 503/2)

12۔ فرشتہ تقدیر:- حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں''خدا تعالیٰ نے رحم پر جس فرشتے کو مقرر کر رکھا ہے وہ عرض کرتا ہے۔پروردگار نطفہ (بناؤں)؟ پروردگار بستہ خون (بناؤں)؟ پروردگار لوتھڑا بناؤں؟ اس کے بعد جب باری تعالیٰ اس کی بناوٹ کرنا چاہتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے کہ باری تعالیٰ یہ لڑکا ہے یا لڑکی؟ یہ نیک بخت ہے یا بدبخت؟ رزق کیا ہے؟ عمر کیا؟ اس طرح سب باتیں ماں کے پیٹ کے اندر لکھ دی جاتی ہیں''-(اللولو والمرجان 208/3)

13۔ پہاڑوں کا نگران:- اس فرشتے کے ذمہ پہاڑوں کی نگرانی سپرد ہے۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''پہاڑوں کے فرشتے نے حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور کہا اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ اگر ارشاد ہو تو پہاڑوں کی چوٹیوں کو

ملا کر ان گستاخوں کو چکنا چور کر دوں''۔(اللولوو المرجان 228/2)

14۔گشت کرنے والے فرشتے:۔بعض فرشتوں کا کام یہ ہے کہ وہ زمین میں گشت کیا کرتے ہیں اور جو کوئی بھی دنیا کے کسی گوشے میں درود وسلام پڑھتا ہے اس کا یہ پڑھنا دربار رسالت تک پہنچا دیتے ہیں۔ چنانچہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''خداوند عالم کے کچھ فرشتے زمین میں گشت کیا کرتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں''۔(ابن عباسؓ ،نسائی،بحوالہ فضل الصلوٰۃ علی النبی (خاتم النبیین ﷺ)صفحہ 36)

15۔دعا کرنے والے فرشتے:۔ کچھ فرشتوں کی ڈیوٹی یہ ہے کہ ایک مومن جب کسی دوسرے مومن کے لیے اس کی غیر موجودگی میں دعا کرتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے کہ''الٰہی قبول فرما اور دعا کرنے والے کو بھی وہی مرحمت فرما''۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''مسلمانوں کی دعا اپنے بھائی کے لیے اس کے پس پشت قبول ہوتی ہے جب کوئی مسلمان اپنے بھائی کے لیے دعائے خیر کرتا ہے تو موکل فرشتہ جو اس کے سر کے پاس کھڑا ہوتا ہے آمین کہتا ہے اور کہتا ہے تیرے لیے بھی اتنا ہی ہے''۔(مسلم 86/8)

16۔روح لے کر چڑھنے والے فرشتے:۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''مومن کی روح جب نکلتی ہے تو دو فرشتے اس کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں۔آسمان والے کہتے ہیں کیسی پاک روح ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے۔خدا تجھ پر اور اس بدن پر رحمت کرے جس کو تو آباد رکھتی تھی اس کے بعد پروردگار کے سامنے اس کو لے جایا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کو آخیر وقت تک کے لیے سدرۃ المنتہیٰ میں لے جاؤ اور کافر کی روح جس وقت نکلتی ہے اور آسمان کی طرف جاتی ہے تو آسمان والے کہتے ہیں یہ کیسی خبیث روح زمین کی طرف سے آئی ہے اور حکم ہوتا ہے کہ آخیر وقت تک کے لیے اسے سجین میں لے جاؤ"۔(مسلم 162/8)

17۔منکر نکیر:۔ جب آدمی مرجاتا ہے تو قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اور اس سے تین سوال کرتے ہیں۔

1۔ تیرا رب کون ہے؟ 2۔ تیرا دین کیا ہے؟ 3۔ تیرا نبی کون ہے؟

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے''جب مردے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اوپر سے مٹی ڈال کر لوگ گھروں کو لوٹ جاتے ہیں تو مردے کے پاس دو سیاہ فام نیلی آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں اور ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں۔وہ سوال کریں گے کہ اس شخص کے متعلق تم کیا کہتے ہو (یعنی رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے متعلق) مومن جواب دے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ ہیں۔وہ دونوں کہیں گے کہ ہم جانتے تھے کہ تم یہی کہو گے پھر اس کی قبر ہر طرف سے ستر ہاتھ کشادہ کر دی جاتی ہے اور قیامت تک کے لیے اس کی قبر کو راحت اور روشنیوں سے بھر دیا جاتا ہے۔تب مردہ کہے گا کہ مجھے میرے گھر والوں کے پاس جانے دو تاکہ میں اپنی سرگزشت سناؤں تو وہ دونوں کہیں گے کہ جس طرح ایک دلہن کو اس کا خاوند ہی جگاتا ہے اس طرح تم بھی قیامت تک آرام کرو اور اگر مرنے والا منافق ہوتا ہے تو ہر سوال پر شور مچاتا ہے اور کہتا ہے کہ لوگ جو کچھ کہتے تھے میں بھی وہی کہا کرتا تھا۔ہائے مجھے معلوم نہیں تو فرشتے کہیں گے کہ ہمیں معلوم تھا کہ تو یہی کہے گا پھر زمین سے کہا جائے گا کہ مل جا، زمین باہم مل جائے گی اور اس کے سبب اس کی دائیں پسلیاں بائیں میں اور بائیں پسلیاں دائیں میں گھس جائیں گی اور تا قیامت اسے یونہی عذاب ہوتا رہے گا"۔(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،احمد)

17۔ہاروت ماروت:۔قرآن پاک سورہ البقرہ،آیت نمبر 102 میں فرمان خداوندی ہے:

وَ اتَّبَعُوا مَا تَتلُوا الشَّيطِينُ عَلٰى مُلكِ سُلَيمٰنَ ۚ وَ مَا كَفَرَ سُلَيمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحرَ وَ مَآ اُنزِلَ عَلَى المَلَكَينِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ؕ وَ مَا يُعَلِّمٰنِ مِن اَحَدٍ حَتّٰى يَقُولَآ اِنَّمَا نَحنُ فِتنَةٌ فَلَا تَكفُر ؕ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهٖ بَينَ المَرءِ وَ زَوجِهٖ ؕ وَ مَا هُم بِضَآرِّينَ بِهٖ مِن اَحَدٍ اِلَّا بِاِذنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُم وَ لَا يَنفَعُهُم ؕ وَ لَقَد عَلِمُوا لَمَنِ اشتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الاٰخِرَةِ مِن خَلَاقٍ ؕ وَ لَبِئسَ مَا شَرَوا بِهٖٓ اَنفُسَهُم ؕ لَو كَانُوا يَعلَمُونَ

ترجمہ:"اور وہ (یہودی تو) اس چیز (یعنی جادو) کے پیچھے (بھی) لگ گئے تھے جو سلیمان (علیہ السلام) کے عہد حکومت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے حالانکہ سلیمان (علیہ السلام) نے (کوئی) کفر نہیں کیا بلکہ کفر تو شیطانوں نے کیا جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور اس (جادو کے علم) کے پیچھے (بھی) لگ گئے جو شہر بابل میں ہاروت اور ماروت (نامی) دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا، وہ دونوں کسی کو کچھ نہ سکھاتے تھے یہاں تک کہ کہہ دیتے تھے کہ ہم تو محض آزمائش (کے لئے) ہیں سو تم (اس پر اعتقاد رکھ کر) کافر نہ بنو، اس کے باوجود وہ (یہودی) ان دونوں سے ایسا (منتر) سیکھتے تھے جس کے ذریعے شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیتے، حالانکہ وہ اس کے ذریعے کسی کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے مگر اللہ ہی کے حکم سے اور یہ لوگ وہی چیزیں سیکھتے ہیں جو ان کے لئے ضرر رساں ہیں اور انہیں نفع نہیں پہنچاتیں اور انہیں (یہ بھی) یقیناً معلوم تھا کہ جو کوئی اس (کفر یا جادو ٹونے) کا خریدار بنا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں (ہوگا)، اور وہ بہت ہی بری چیز ہے جس کے بدلے میں انہوں نے اپنی جانوں (کی حقیقی بہتری یعنی

اُخروی فلاح) کو بیچ ڈالا، کاش! وہ اس (سودے کی حقیقت) کو جانتے"۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ نے یہود کی ایک خبیث حرکت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی وحی ماننے کے بجائے جادو اور سفلی عملیات کی پیروی کیا کرتے تھے۔ یہ جادو اور سفلیات یعنی سفلی عملیات وہ ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں شیاطین نے عام کر رکھی تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بنی اسرائیل کے مشہور پیغمبر تھے۔ وہ اپنے زمانے کے ایک بہت بڑے بادشاہ بھی تھے۔ شام اور فلسطین کے علاوہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کی حدیں مشرق کی طرف اعراق تک اور مغرب کی طرف مصر تک پھیلی ہوئیں تھیں۔ آپ علیہ السلام کی سلطنت بہت شان وشوکت اور عظمت والی تھی۔ جن وانس پر آپ علیہ السلام کی حکومت تھی۔

جو جادو اور سفلی عملیات آپ علیہ السلام کے زمانے میں شیاطین نے عام کر رکھے تھے وہ کفریہ کلمات پر مشتمل تھے۔ ناجائز طریقے سے حاصل کئے جاتے تھے اور پھر برے مقاصد کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔

یہ لوگ جادو اور کفر والی حرکتیں یعنی برے اعمال تو خود کرتے تھے لیکن انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ یہ جادو حضرت سلیمان علیہ السلام سکھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعے مندرجہ بالا آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی بریت (بری الذمہ) کا اعلان کیا ہے اور کہا کہ یہ سراسر خود کرتے ہیں۔

اللہ نے دو فرشتوں ہاروت اور ماروت ان لوگوں کو جادو اور سفلی عملیات کو روکنے کے لئے شہر بابل میں بھیجا۔ بابل عراق کا ایک قدیم نام ہے۔ اس زمانے میں ملک کے دارالخلافہ کا نام بابل ہی تھا۔ یہ شہر موجودہ بغداد سے تقریباً 60 میل جنوب کی طرف دریائے فراط کے کنارے واقع ہے۔ یہ ایک بہت بڑا شہر تھا۔ انتہائی خوشحال اور ترقی یافتہ تھا۔ دجلہ اور فراط دو مشہور دریا اس علاقے کو سیراب کرتے تھے۔ یہ شہر بابل اس لئے بھی مشہور تھا کہ یہاں جادو، انترمنتر اور سفلی عملیات کا بہت چرچہ تھا۔

یہودی اایک تو اس جادو کی پیروی کرتے تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں خبیث النفس اور شریر جنات اور انسانوں نے جاری کر رکھا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ہاروت اور ماروت کو شہر بابل کے لوگوں کی حالات میں درستگی اور ان لوگوں کی اصلاح کے لئے بھیجا تھا۔ لوگوں کو جادو کی خرابیاں اور ان کے نقصانات خطرناک اثرات بتانے کے لئے ان دونوں فرشتوں کو جادو کا عمل بھی دیا گیا تھا۔ تاکہ یہ فرشتے جادو اور پھر اس کے خطرناک اثرات کو لوگوں پر واضح کر سکیں۔

یہودی سیکھتے کہ اچھا جادو کیسے کرتے ہیں اور پھر اس کو کس کس طرح استعمال کرتے ہیں اور کس کس طرح اور کیا کیا نقصانات اس سے ہو سکتے ہیں۔ دونوں فرشتے یہ بات لوگوں کو اچھی طرح واضح کر دیتے کہ دیکھو ہم تمہاری آزمائش کے لئے آئے ہیں اس لئے جادو کے اثرات سے بچنے کے لئے یہ یہ کیا جائے اور یہ نہ کیا جائے۔ یعنی اس طرح کے جادو کا اعلاج یہ ہے اور اس طرح کے جادو کا اعلاج یہ ہے۔ لیکن وہ یہودی بہانے بہانے سے جادو اور اس کے بچاؤ کے طریقے سیکھتے اور پھر اس جادو کو برے فائدہ اٹھانے کی خاطر سیکھتے اور سیکھاتے اور استعمال کرتے۔

اسلام نے جادو کو حرام قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جادوگر مشرکانہ کام کرتے اور مشرکانہ جملے استعمال کر کے شیاطین کی مدد حاصل کرتے ہیں۔ ناجائز طریقے استعمال کرتے ہیں اور پھر ناجائز کاموں کے لئے استعمال بھی کرتے ہیں۔

بابل کے شہر کے فسادی لوگ ہاروت ماروت فرشتوں کے پاس آتے اور کہتے کہ آپ جادو کے طریقے اور سفلی عملیات سے روکتے تو ہیں لیکن یہ تو بتایئے کہ جادو کہتے کسے ہیں اور وہ کونسے اعمال ہیں جن پر جادو سے کام لینا یا فائدہ اٹھانا کفر ہے؟ اس قسم کے سوالات کے بعد جب فرشتے انہیں جادو کے بارے میں کچھ بتاتے کہ جادو یہ ہے، یہ ایسے کیا جاتا ہے، یہ اس طرح نقصان پہنچاتا ہے اور اس طرح یہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ تو یہ فسادی لوگ ان باتوں کو پلّے باندھ لیتے اور پھر بعد میں فن کے طور پر اسے استعمال کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اس شرارت کو قرآن پاک میں واضح کر دیا اور یہ بات بھی بتائی کہ یہ لوگ جادو اور سفلی عملیات میں زیادہ تر ان عملیات کی مشق کرتے ہیں جن سے میاں اور بیوی کے درمیان جھگڑا اور اختلاف پیدا کیا جا سکے۔ حالانکہ دونوں میں اختلاف پیدا کرنا اور خاص طور پر میاں بیوی کے درمیان اختلاف پیدا کرنا بدترین گناہ ہے۔

ہاروت ماروت لوگوں کو تنبیہہ کرتے رہتے تھے کہ دیکھو ان باتوں کو غلط مقاصد کے لئے استعمال نہ کرنا۔ ہم تو تم لوگوں کی آزمائش کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ وہ یہودی لوگوں کو کفر اور سرکشی سے باز رکھنے کی ہر تلقین کرتے اور ہر کوشش کرتے تھے۔ یہودیوں نے کوئی تلقین قبول نہ کی اور ان فرشتوں کی باتوں پر کان نہ دھرے بلکہ سرکشی اختیار کی اور اپنی ہی شیطانیت میں لگے رہے۔ اگرچہ وہ لوگوں کو نقصان پہنچانے کے لئے جادو کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ہمارے حکم کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ایسا کرنے میں انہیں کا نقصان ہو رہا ہے۔ ان برے اعمال سے وہ اپنی عاقبت کو بگاڑ رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ کچھ فوائد انہیں حاصل ہو جائیں لیکن آخرت میں ان کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہوں نے ایک معمولی سی چیز کے بدلے میں اپنے آپ کو اور اپنی آخرت کو قربان کر دیا۔ وہ ان کے حق میں بہت ہی نقصان دہ ہے اگر وہ اس کے بدلے میں نیکی کی راہ اختیار کرتے، اللہ پر ایمان لاتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو بہت بہتر اجر سے نوازتا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کاش ان کو سمجھ ہوتی یعنی کاش

یہ لوگ اپنی عقل سے کام لیتے اور نیک راہ کی طرف بڑھتے۔

فرشتوں کی بعض صفات

1۔حیا:- حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''میں ایسے شخص سے کیوں نہ شرم کروں جس سے فرشتے بھی شرماتے ہیں''۔(مسلم 117/7)

2۔احساس اذیت:- حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' کوئی شخص پیاز، لہسن، اور گندنا (ایک بدبودار ترکاری) کھا کر ہماری مسجد میں نہ آئے کیونکہ جس چیز سے آدمیوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی اذیت ہوتی ہے''۔(مسلم 90/2)

''جس گھر میں کتا یا تصویر ہو فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے''۔(اللولووالمرجان 39/3)

3۔ فرشتے ہروقت ذکرالٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔

4 فرشتے گھمنڈ اور تکبر نہیں کرتے عبادت کرنے کے باوجود ہروقت اور ہرگھڑی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔

5۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی فرشتوں کی تخلیق کی اصل ہے۔

6۔ صاحبان خدا سے محبت۔

فرشتے محبت کرتے ہیں اور اس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' جب باری تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو حضرت جبرائیلؑ کو حکم ہوتا ہے میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو، حضرت جبرائیلؑ اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر جبرائیلؑ آسمانوں پر پکارتے ہیں'' باری تعالیٰ فلاں بندے کو محبوب رکھتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو''۔ اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ آسمانوں میں اس بندے کی محبت عام ہوجاتی ہے اور جو کوئی آسمانوں میں محبوب اور پسندیدہ ہوتا ہے تو زمین والے بھی اسے محبوب رکھتے ہیں"۔(اللولووالمرجان 2425/3)

7۔دعا اور بددعا کرنا:- فرشتے حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور نیک بندوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں (سورۃ مومن۔آیت نمبر 7)

ترجمہ:''دیکھو یہ فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرداگرد (حلقہ باندھے ہوئے) ہیں وہ سب اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے بخشش مانگتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں اے پروردگار تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے تو جن لوگوں نے توبہ کی اور تیرے راستے پر چلے ان کو بخش دے اور ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالے''۔

عظیم ترین مخلوق اور باہمی فرق:- فرشتے اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین مخلوق ہیں اور درجہ بدرجہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق میں نمایاں فرق بھی رکھا ہے۔

چنانچہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرائیلؑ کے چھ سو بازو ہیں جبکہ بعض فرشتوں کے صرف دو بازو ہیں۔

سورہ فاطر۔آیت نمبر 1 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ:''ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اور فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے جن کے دو دو تین تین اور چار چار پر ہیں وہ پیدائش میں جس قدر چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

امام ابوداؤد اس کے راوی ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:''عرش الٰہی کو تھامنے والے ایک فرشتے سے اللہ تعالیٰ نے گفتگو کی مجھے اجازت دی اس فرشتے کے دونوں پیر زمین کے نچلے حصے کو چھوتے ہیں اور عرش اعظم اس کے سر پر رکھا ہے اس کی ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک اگر کوئی پرندہ پرواز کرے تو اسے ستر ہزار سال کی مدت درکار رہوگی۔ وہ فرشتہ بھی یہی کہتا ہے کہ الٰہی میں ہرجگہ اور ہروقت تیری حمدوثنا کرتا ہوں''۔(ابوداؤد)

حاکم اس کے راوی ہیں اور امام ذہبیؒ نے اس کی تائید کی ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''اللہ تعالیٰ نے ایک مرغ (نما فرشتے سے مجھے بات چیت کا موقعہ دیا۔اس کے پیر زمین میں اندر تک چلے گئے تھے اور وہ عرش کے نیچے گردن موڑے ہوئے کہتا ہے'' خدایا پاک ہے تیری ذات اور تو کتنا عظیم اور بزرگ برتر ہے''۔ باری تعالیٰ کی طرف سے اس کو جواب ملتا ہے۔جھوٹی قسم کھانے والا یہ نہیں جانتا"۔(یعنی اسے احساس نہیں ہے کہ میں کیا ہوں؟)(ابوداؤد 534/2)

****

غیبی مخلوق (جنات، شیاطین)

مومن کے عقیدے کا دوسرا رکن فرشتوں پر ایمان کی مناسبت سے (جنات) جن اور شیاطین کا تعلق چونکہ غیب سے ہے اس لیے ان کی حیثیت کو تسلیم کرنا اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کرنا ہے۔ فرشتوں کی طرح جنات اور شیاطین بھی غیبی مخلوق ہیں۔ علما کرام نے مخلوق کی چار قسمیں بتائی ہیں۔

(1) انسان   (2) فرشتے   (3) جنات   (4) شیطان

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کل کائنات کی دو قسم ہیں:-   (1) ظاہری   (2) غیبی

انسان ظاہری کائنات کا حصہ ہے۔

فرشتے، جنات، اور شیطان غیبی کائنات میں سے ہیں۔

1۔ فرشتے سے مراد وہ نورانی مخلوق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نور سے پیدا کیا اور مخصوص اوصاف اور کمالات کے ساتھ مختلف اور بے شمار انتظامی اختیارات عطا فرمائے۔

2- جنات آگ سے پیدا کی گئی مخلوق ہے اس کی دو قسمیں ہیں:-   (1) جن   (2) شیطان

1۔جن:- یہ نیک بھی ہیں اور بد بھی یہ انسانوں کی طرح اچھے برے فرمانبردار اور نافرمان، ایمان والے اور بے ایمان دونوں طرح کے ہوتے ہیں۔

2۔شیطان:- یہ بد ہی بد ہیں اور ہر قسم کی خیر سے دور ہیں۔

شیط کے معنی جلنے کے بھی ہوتے ہیں کیونکہ یہ آگ سے بنے ہیں اور آگ میں ہی جائیں گے اس لیے ان کو شیطان کہا جاتا ہے۔ ابلیس اس گروہ کا سرغنہ ہے۔

قرآن پاک سورہ کہف آیت نمبر 50 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ترجمہ: ''مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا وہ جنوں میں سے تھا تو اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی''۔

جنات کی اس قسم کے اندر، تکبر، بغض، کینہ، غصہ اور بے جا فخر وغرور ہوتا ہے۔ سرکشی اور شرارت ان کا شیوہ ہوتا ہے۔ اس لیے ہر شریر اور سرکش جن، انسان اور حیوان کو شیطان کہتے ہیں۔ اس سے زیادہ سرکش کو ''مادر'' اور حد سے زیادہ شرارتی کو ''عفریت'' کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم نے یہ صراحت کی ہے کہ شیطان جنات میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔

چنانچہ سورہ انعام آیت نمبر 112 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ترجمہ: ''(ہم نے) شیطان سیرت انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا ہے وہ دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کے دل میں (ملمع کی ہوئی) خوش آئند چکنی چپڑی باتیں ڈالتے رہتے ہیں''۔

قرآن پاک میں جنوں کی زبانی اس بات کا اعتراف بھی نقل کیا گیا ہے کہ وہ اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی چنانچہ

ترجمہ: ''اور یہ کہ ہم میں کچھ نیک ہیں اور کچھ اور طرح کے ہیں''۔ (سورہ جن آیت نمبر 11)

جبکہ جن اور انس ہر دو مخلوق کو محض بندگی الٰہی کے لیے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ سورہ الذاریات آیت نمبر 56-58 میں ارشاد الٰہی ہے۔

ترجمہ: ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس واسطے پیدا کیا کہ میری عبادت کیا کریں میں ان سے رزق کا طالب نہیں ہوں اور نہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھانا کھلائیں۔ بلا شبہ اللہ ہی سب کو رزق پہنچانے والا اقوت والا اور توانا ہے''۔

اس ارشاد اور ہدایت کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن اور انسان کسی حد تک اصلاح پذیر ہوئے لیکن شیطانوں نے کوئی اثر نہ لیا جبکہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہے۔ جنوں کی یہ صنف عرف عام میں ''شیطان اور ابلیس'' کہلاتی ہے۔ جنات اور شیاطین کو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت بھی دے رکھی ہے کہ وہ اپنی منشاء کے مطابق طرح طرح کے روپ بدل سکتے ہیں۔ لیکن شکل بدلنے کی کیفیت اور اس کے طریق کار سے متعلق کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کچھ ایسے کلمات سکھا دیئے ہوں۔ جن کا ورد کرتے ہی ان کی صورت حسب منشا بدل جاتی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ رعایت مخصوص شکلوں تک محدود ہو۔ اس لیے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ شیطان حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی صورت ہرگز نہیں اختیار کر سکتا۔ چنانچہ حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

''جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھ کو بے شک دیکھا اس لیے کہ شیطان میرا ہم شکل نہیں بن سکتا'' (بخاری 42/9 مسلم 54/7)

شریر اور سرکش جنوں کے بارے میں قرآن پاک سورہ اعراف۔ آیت نمبر 27 میں ہے: ترجمہ: ''(دیکھو) وہ اور اس کا گروہ تمہیں اس طرح دیکھتا ہے کہ تم اسے نہیں دیکھتے''۔

جانوروں انسانوں،حیوانوں اور پودوں کی طرح جنوں کو بھی کھانے پینے کی حاجت ہوتی ہے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث ہے۔

ترجمہ:''جنات کے ایک وفد نے آکر اپنے توشے اور کھانے پینے کے متعلق دریافت کیا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہوگا تمہارے ہاتھ میں آکر اس طرح گوشت سے بھر جائے گی جس طرح فربہ جانور کا گوشت ہو''۔(بخاری 59/7)

نیز آپ خاتم النبیین ﷺ نے گوبر اور ہڈیوں سے استنجا کرنے سے منع فرمایا: اس لیے کہ ''تمہارے بھائی جنوں کا توشہ ہے''۔(ترمذی،ابوداؤد،نسائی) گوبر ان کے جانوروں کی اور ہڈیاں جنات کی خوراک ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد فرشتوں نے اللہ کے حکم سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ شیطان نے نہیں کیا تب سے شیطان نے اولاد آدم علیہ السلام کے خلاف جنگ وجدل کا ایک محاذ کھول رکھا ہے۔ جنوں کا ایک گروہ رعبن نخلہ (جو مکہ اور طائف کے درمیان ہے) پر سے گزرا۔ جہاں اس وقت آپ خاتم النبیین ﷺ چند صحابہ کے ساتھ فجر کی نماز ادا فرمارہے تھے، جنوں کا یہ گروہ وہاں ٹھہر گیا۔ انہوں نے خاموش ہو کر بہت غور سے قرآن پاک سنا اور اس سے بے حد متاثر ہوئے۔ نیز اپنی قوم میں واپس ہوئے ان کو اس واقعے سے مطلع کیا اور اسلام کا پیغام سنایا اور اسلام قبول کیا۔ قرآن پاک میں سورہ جن میں اس کا ذکر موجود ہے۔

فرمودات نبوی ﷺ:-

حدیث:- نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جب آدمی اپنے گھر میں آئے گھر میں داخل ہوتے وقت نیز کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام لے لے۔ تو شیطان اپنی ذریت سے کہتا ہے (آج اس گھر میں) تمہارے لیے نہ شب باشی کا مقام ہے اور نہ کھانے کا اور اگر گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا نام نہ لیا جائے تو شیطان اپنی ذریت سے کہتا ہے۔ آج اسی گھر میں شب باشی کا مقام مل گیا اور اگر وہ آدمی کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا نام نہیں لیتا تو شیطان کہتا ہے آج تم کو شب باشی کا مقام بھی مل گیا اور رات کا کھانا بھی''۔(مسلم 108/6)

حدیث:- نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے کوئی کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور پیئے تو دائیں ہاتھ سے پیئے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے"-(مسلم 109/60 مالک،ابوداؤد)

حدیث:- حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "شیطان بہت زیادہ چوکنا اور حساس ہوتا ہے اس سے بچتے رہا کرو اور جو اس طرح رات کو بسر کرے کہ اس کے ہاتھ میں گوشت وغیرہ کی چکنائی کی بو ہو اور اس کی وجہ سے کسی جانور کا نشانہ بن جائے (یعنی کوئی جانور اسے کاٹ کھائے) تو اسے اپنے سوا کسی کو برا بھلا نہیں کہنا چاہیے''-(ترمذی،ابو داؤد،ابن حبان)

حدیث:- آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جب تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کرو، کیونکہ مرغ فرشتے کو دیکھ کر آواز دیتا ہے اور گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے خدا کی پناہ مانگو کیونکہ گدھا شیطان کو دیکھ کر چلاتا ہے(اللولوالمرجان 253/3)

حدیث:- حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جماعی شیطان کی طرف سے ہے جب کسی کو جماعی آئے تو اسے روک دے اس لیے کہ جب تم میں سے کسی کو جماعی آتی ہے تو شیطان خوش ہوتا رہتا ہے''۔(اللووالمرجان 327/3)

حدیث:- آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے بعض آدمیوں کے پاس شیطان آکر کہتا ہے۔ اس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ اور نوبت یہاں تک آجاتی ہے کہ پوچھتا ہے کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب خیال کا سلسلہ یہاں تک پہنچ جائے تو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے اور سلسلہ خیال کو ختم کردینا چاہیے"۔(صحیح بخاری)

حدیث:- نیز فرمایا ''سرشام'' یا فرمایا جب رات ہو جائے تو اپنے بچوں کو باہر نہ نکلنے دو اس لیے کہ شیطانوں کے جا بجا پھیلنے کا وقت یہی ہوتا ہے''۔(اللولووالمرجان 16/3)

اس لیے کہ جن اور شیطان تاریک دنیا سے تعلق رکھتے ہیں، روشنی سے گھبراتے ہیں۔ جنات کا زیادہ تر مسکن کوڑا کرکٹ کے ڈھیر، ویران اور گھنے جنگلات اور باغات ہوتے ہیں، گھروں میں تصاویر اور کارٹونوں والی چیزوں کو بھی یہ رہنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''پاخانے جنات کے اڈے ہوتے ہیں اس لیے پاخانوں میں جاتے وقت ضرور دعا پڑھیں:

اعوذ باللہ من الخبث و الخبائث ''میں پلیدی اور ناپاکیوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں''-

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی بعثت سے پہلے جن خبریں معلوم کرنے کے لیے آسمان کی طرف جاتے تھے جیسے فرشتے جایا کرتے ہیں اور گھات میں بیٹھ کر

فرشتوں کی زبانی کچھ خبریں سن کر آتے تھے۔ پھر زمین پر آ کر کاہنوں اور نجومیوں اور غیبی خبریں دینے والے اپنے دوستوں کو اطلاعات فراہم کرتے تھے۔ وہ ان میں اپنی طرف سے کچھ ملا کر متعلقہ افراد کو وہ باتیں بتا دیا کرتے تھے۔ اور اس طرح ان پر اپنی غیب دانی کی دھونس جماتے تھے۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اللہ کی جانب سے جو حکم ہوتا ہے ایک آسمان کے فرشتے دوسرے آسمان کے فرشتوں کو وہ حکم بتا دیتے ہیں (بالآخر آسمان دنیا تک یہ خبر پہنچ جاتی ہے)۔ اس وقت شیطان اس خبر کو خفیہ طور پر سن کر بھاگتے ہیں۔ اور اپنے دوست کاہنوں سے جا کر کہہ دیتے ہیں اور اس میں 100 جھوٹ اور ملا دیتے ہیں"۔ (بخاری 135/4)

اپنی گوناگوں اوصاف کے باوجود خواہ کتنے ہی نیک ہوں ان کا درجہ انسانوں سے بڑھا ہوا نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل۔ آیت نمبر 70 میں فرمایا: ترجمہ: ''اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور خشکی اور تری میں ان کو سواری دی اور پاکیزہ چیزیں انہیں کھانے کو دیں اور جتنی چیزیں ہم نے پیدا کیں ان میں سے اکثر پر انہیں فضیلت دی''۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابلیس اور اس کی ذریت الگ ہے اور انسانوں کی طرح جنوں کی نسل مستقل ایک مخلوق ہے البتہ جنوں میں بھی انسانوں کی طرح اچھے برے، نیک بد، صاحب ایمان اور بے ایمان دونوں ہوتے ہیں۔ اس لیے انسانوں کی طرح جس جن کا خاتمہ ایمان پر ہوگا، تقویٰ پرہیزگاری اور نیک اعمال سے اس کی زندگی معمور ہوگی اس کا ٹھکانہ جنت میں ہوگا اور جنت کی ابدی راحتیں اس کی منتظر ہوں گی۔

قرآن پاک میں ہے:

ترجمہ: ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے بہشت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور یہ بڑی کامیابی ہے''۔ (سورہ بروج کی آیت نمبر 11)

ترجمہ: ''تو جو کوئی نیک کام کرے بشرطیکہ وہ مومن ہو اس کی کوشش اکارت نہ جائے گی اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں''۔ (سورہ انبیاء۔ آیت نمبر 94)

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ (آخرت میں) ان کے لیے مغفرت ہے اور بڑا ثواب ہے''۔ (سورہ مائدہ۔ آیت نمبر 9)

ترجمہ: ''جو کوئی اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو باغ ہیں''۔ (سورہ رحمن۔ آیت نمبر 46)

اس میں شک نہیں کہ جنات اور شیطان اپنا روپ بدل سکتے ہیں ذیل کی روایات اور عقلی دلائل سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

1۔ دارالندوہ میں شیطان کی شرکت:- قریش نے جب یہ دیکھا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف ان کی تمام کوششیں بے کار ہو رہی ہیں اور اسلام گھٹنے کے بجائے بڑھتا جا رہا ہے تو اس سنگین صورت حال سے نمٹنے کے لیے مکہ کی قدیم انجمن میں جس کو ''(دارالندوہ) کہا جاتا ہے قریش کے چھوٹے بڑے سرداروں کا عام اجتماع ہوا۔ لوگوں نے مختلف آراء پیش کی، کسی نے کہا "محمد خاتم النبیین ﷺ کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں باندھ کر کسی مکان میں بند کر دیا جائے"۔ دوسرے نے کہا "اونٹ پر بیٹھا کر ملک بدر کرا دیا جائے"۔ ابھی یہ مشورے ہو رہے تھے کہ شیطان ایک نجدی کے بھیس میں آ موجود ہوا۔ اور اس کی تائید اور حمایت سے ایک بدترین تجویز پر اتفاق کیا گیا کہ ''ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی لیا جائے اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے ان کا خاتمہ کر دے''۔ (خدا کی پناہ) (البدایہ والنھایہ۔ ابن ہشام) تاریخ اسلام کا یہ واقعہ ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

2۔ صدقہ کھجوروں کی چوری:- حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں ''مجھے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے صدقہ کی کھجوروں کی نگہبانی پر مقرر کیا تھا۔ ایک شخص آ کر اس سے لپ لپ کھجوریں لے کر جانے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور چاہا کہ اچھی طرح قابو کر لوں۔ اس نے معذرت کی اور کہا "پھر نہیں آؤں گا"۔ راوی کہتے ہیں "میں نے اسے دوبارہ اور سہ بارہ پکڑا، تیسری بار میں نے کہا "اب میں تجھے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے پاس ضرور لے کر جاؤں گا"۔ اس نے کہا "میں تنگ دست اور بال بچوں والا ہوں، مجھے چھوڑ دو میں تمہیں قرآن پاک کی ایک آیت بتاتا ہوں جب تم اسے پڑھو گے تو تم اور تمہارے بچے گھر بار سب کچھ شیطان کے تسلط سے بری ہو جائے گا۔ ''وہ آیت الکرسی'' ہے۔ اس کی وجہ سے تمہارے پاس نہ شیطان آ سکے گا اور نہ اس کے سوا کوئی اور"۔ جب حضرت ابو ہریرہؓ نے اسے چھوڑ دیا اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے آپؓ سے پوچھا "وہ تمہارے قیدی کا کیا ہوا"؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے رات کا تمام واقعہ کہہ سنایا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اس نے سچ بتایا ہے حالانکہ وہ جھوٹا ہے۔ وہ شیطان ہی تھا"۔ (بخاری 125/3)

کیا جن انسانوں کو ستاتے ہیں؟ جنات خاص طور پر سرکش جن انسانوں کو ستاتے ہیں۔ جس کسی پر ان کا بس چل جاتا ہے یہ بری طرح اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور اس کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں۔ اس امر کی تائید قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوئی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے کہ:

ترجمہ:''اس نے ہرانسان کے ساتھ کچھ فرشتے مقرر کرر کھے ہیں جواللہ تعالیٰ کے حکم سے بہت ساری آفتوں اور بلاؤں سے اسے محفوظ رکھتے ہیں''۔ (سورہ رعد۔آیت نمبر11)

اگرقدرت کا یہ مخفی نظام نہ ہوتا تواس میں شک نہیں کہ انسانی آبادی کا بڑا حصہ آفتوں کا شکار رہتا۔زندگی کے دیگر حوادث سے حفاظت اس لیے ممکن ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی احتیاطی تدابیر کے ذریعے اس سے بچا جا سکتا ہے۔لیکن سرکش جنوں اور شیاطین کی شکل میں درپیش یہ خطرہ اندھا اور بہرہ ہوتا ہے۔یہ مخلوق آگ کے لطیف جوہر سے بنی ہوئی ہے اس لیے نہ صرف نظروں سے اوجھل ہوتی ہے بلکہ بجلی کی سی تیزی کی طرح چشم زدن میں لمبی سے لمبی مسافت طے کرسکتی ہے۔اس لیے انسان ان سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں کرسکتا۔ چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ آدمی نادانستگی میں گرم پانی ایک طرف ڈالتا ہے یہ پانی کسی جن کے سر پر پڑ جاتا ہے۔کبھی پیشاب کے چھینٹے ان پراڑ کر چلے جاتے ہیں۔کبھی بھول کرانسان کسی ایسی جگہ پڑاؤ ڈال لیتا ہے جہاں پہلے سے ان کا بسیرا ہوتا ہے۔اس طرح یہ آپے سے باہر ہوکرلڑنے مرنے اورستانے پرآمادہ ہوجاتے ہیں اورجس طرح اگرایک انسان کسی دوسرے انسان کو بلاوجہ کے ستاتا ہے اورمحض اپنی بدباطنی کی وجہ سے دوسروں پراپنی طاقت کا جھوٹا مظاہرہ کرتا ہے تو انسان اس بدباطن انسان کوراہ راست پرلانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔اس کے لیے طاقت کا مظاہرہ بھی کرنا پڑے تو کیا جاتا ہے۔

اسی طرح جنات جوانسانوں سے کہیں زیادہ سرکشی اورشرارت پرآمادہ ہوتے ہیں وہ بلاکسی وجہ کے بھی دوسروں کوستاتے ہیں اوران کی ہلاکت کے درپے ہوتے ہیں۔ جنات کی ایذارسانی کے واقعات بےشمار ہیں۔

مدینہ منورہ کا سانپ نما جن:- حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں (ابوسائب) دیکھو یہ کوٹھری ہے۔اس میں ہماری طرح کا ایک نوجوان رہتا تھا جس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ہم اور وہ رسول پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خندق کھودنے کے لیے گئے۔وہ نوجوان آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر دوپہر کو اپنے گھر چلا جاتا تھا۔ اتفاق سے ایک روز جواجازت مانگی تو آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ہتھیار ساتھ لے لو مجھے اندیشہ ہے کہ بنوقریظہ تم پرحملہ نہ کردیں۔نوجوان ہتھیار لے کر چلا آیا۔ آکر دیکھا کہ بیوی دونوں کواڑوں کے درمیان کھڑی ہے (یعنی باہر کی طرف دروازے میں) اس کوغیرت آئی بیوی کو مارنے کے لیے نیزہ پر جھکا۔بیوی نے کہا نیزہ روکو پہلے گھر میں اندر جا کر دیکھو میرے باہر نکلنے کا سبب کیا ہے؟ جوان اندر گیا دیکھا ایک بڑا سانپ لپٹا ہوا بستر پر بیٹھا ہے نوجوان نیزہ لے کرسانپ کی طرف بڑھا اوراسے نیزہ میں پرولیا پھر باہر آکر نیزہ کواحاطہ کے اندر گاڑ دیا سانپ تڑپنے لگا۔ادھر وہ نوجوان بھی تڑپنے لگا (یعنی اس سانپ نے نوجوان کوڈنگ مار دیا تھا) اور پھر معلوم نہیں کس کی موت پہلے آئی۔سانپ کی یا نوجوان کی''(مسلم 40/7)

اس اَن دیکھی مخلوق کے شر سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں حفاظتی قلعہ مہیا کیا ہے اور بندہ مومن ان تدابیر کو بروئے کار لاکر جنوں،شیطانوں اوران کے بداثرات سے اپنا بچاؤ آپ کرسکتا ہے۔

1۔اعوذ باللہ کا پڑھنا باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ:''اوراگرشیطان کی طرف سے تمہیں کوئی وسوسہ پیدا ہوتو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو بلاشبہ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے"-(حم السجدہ،آیت نمبر36)

صحیح میں کی روایت ہے۔راوی حضرت سلمان بن صردؓ کہتے ہیں:

ترجمہ:''میں نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور دو آدمی باہم گالی گلوچ کررہے تھے۔یہ دیکھ کرحضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا اورآپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی رگیں پھول گئیں۔حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ اسے کہہ دیں تو (ان کا غصہ) یا اس کا غصہ جاتا رہے وہ یہ ہے۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

ترجمہ:"میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے"-(بخاری ومسلم)

معوذتین کا پڑھنا:- حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ:''ابن عباسؓ کیا میں تمہیں وہ بےنظیر کلمات نہ بتاؤں جس کے ذریعے پناہ ڈھونڈنے والے زیادہ بہتر طریقے پر اپنے رب کی پناہ ڈھونڈ سکتے ہیں"؟ میں نے عرض کیا" کیوں نہیں اے اللہ کے رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم" آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"وہ یہ سورتیں ہیں: (1) قل اعوذ برب الفلق اور (2) قل اعوذ برب الناس آخر تک"-(نسائی)۔

3۔آیت الکرسی:- حضرت ابو ہریرہؓ صحیح روایت جس میں شیطان نے آیت الکرسی کے بارے میں بتایا کہ کوئی اس کو پڑھے گا تو شیطان اس کے پاس نہ آسکے گا اور اس بات کو سن کر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا تھا "اس نے سچ کہا ہے حالانکہ وہ جھوٹا ہے"-(بخاری 125/3)

4۔سورہ بقرہ:- حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے شیطان اس گھر میں داخل نہیں ہوسکتا"-(مسلم 188/2)

5۔چوتھا کلمہ :- جو شخص ایک دن میں سو مرتبہ چوتھا کلمہ پڑھتا ہے۔اس کو دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملتا ہے۔10 نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔10 خطائیں معاف کی جاتی ہیں اور صبح سے شام تک یہ کلمات اس کے لیے شیطان سے بچنے کا ذریعہ رہتے ہیں۔

6۔ذکر الٰہی:- حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" حضرت زکریاؑ کے بیٹے حضرت یحییٰؑ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو حکم فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اس کی یاد اپنے دلوں میں قائم رکھو اس لیے کہ اس کی یاد کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو تیز بھاگا اور دشمن بھی اس کے پیچھے تیز دوڑا آخر اس کو ایک مضبوط اور محفوظ قلعہ مل گیا۔اور اس نے اس میں پناہ لے کر اپنے دشمنوں سے اپنی جان بچائی۔اس طرح بندہ مومن شیطان سے اللہ کے ذکر کی پناہ میں آکر بچ سکتا ہے۔''(ترمذی)

ذکر الٰہی سے جہاں مخفی کی وہ طاقتیں جنھیں فرشتے کہتے ہیں خوش ہوتی ہیں نیک لوگوں کے تمام امور ملائکہ کی مدد سے انجام پاتے ہیں۔وہ جہاد میں جائیں تو فرشتے ساتھ ہوتے ہیں۔

7۔غصہ کے وقت وضو:- آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:''غصہ شیطان کا خاصہ ہے اور شیطان آگ سے بنا ہے اور پانی سے آگ بجھ جاتی ہے۔اس لیے تم میں سے جب کسی کو غصہ آجائے تو اسے چاہیے کہ فوراً وضو کرے"-(ابوداؤد 520/2،احمد 226/4)

****

اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان (اسلامی عقیدے کا تیسرا رکن)

اللہ کی کتابوں سے مراد اس کے احکامات اور فرمودات کے وہ مجموعے ہیں جو ہر زمانے کے نبی اور رسول پر نازل ہوئے اور اکٹھا ترتیب پا کر آسمانی کتابوں کے نام سے دنیا کے سامنے آتے رہے۔ان کتابوں میں سے جن کے نام بتا دیئے گئے ان پر بندہ صراحت کے ساتھ ایمان لاتا ہے اور جن کے نام نہیں بتائے گئے ان پر اجمالی طور پر ایمان رکھتا ہے۔تمام آسمانی کتابوں میں سے آخری کتاب قرآن پاک جو ہمارے پاس موجود ہے۔اس کا ایک ایک لفظ اس مصحف کی نقل ہے۔ جو پیغمبر اسلام نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے زمانے میں لکھا اور پڑھا جاتا تھا۔اس کے اتارنے والے نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود کر لیا ہے۔

سورہ الحجر۔آیت نمبر 9 میں ارشاد الٰہی ہے۔ترجمہ:"بلاشبہ ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''۔

سورہ حٰم السجدہ۔آیت نمبر 41،42 ترجمہ:''بلاشبہ جو لوگ اس (مجموعہ) نصیحت (یعنی قرآن) کا انکار کرتے ہیں جب وہ ان کے پاس آیا۔بلاشبہ یہ قرآن بڑی وقعت والی کتاب ہے۔جس میں جھوٹ کا داخلہ نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے یہ اس اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے جو حکمت والا اور خوبیوں والا ہے''۔

چند قدیم آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی تفصیل قرآن پاک میں اس طرح پیش کرتا ہے۔

1۔توریت:- ترجمہ:''اور بلاشبہ ہم نے موسیٰؑ کو کتاب (توریت) دی اور ان کے بھائی ہارون کو ان کا مددگار بنایا''۔(سورہ فرقان۔آیت نمبر 35)

2۔زبور:- ترجمہ:''اور یقیناً ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت دی اور ہم نے داؤد کو زبور عنایت کی''۔(سورہ اسرا بنی اسرائیل۔آیت 55)

3۔انجیل:- ترجمہ:''پھر ان کے پیچھے ان کے قدموں پر (اور) پیغمبر بھیجے اور ان کے پیچھے مریم کے بیٹے عیسیٰؑ کو بھیجا اور ان کو انجیل عنایت کی''۔(سورہ حدید۔آیت نمبر 27)

صحائف:- ترجمہ:''یقیناً یہ (مضمون) اگلی کتابوں میں (بھی) ہے (یعنی) ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کی کتابوں میں''۔(سورہ اعلیٰ۔آیت نمبر 19- 18)

قرآن پاک کی بعض آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے آنے والی کتب کے مضامین کا ذکر بھی کیا ہے۔مثلاً سورہ مائدہ 5 میں آیت نمبر 45 میں ہے (توریت کے بارے میں)

ترجمہ:''اور ہم نے یہودیوں کے لیے توریت میں حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ''۔

ان آیات میں جان کے بدلے جان اور عضو کے بدلے عضو کاٹے جانے کا حکم دیا گیا ہے۔قرآن پاک کے اندر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی محبت سے جو اوصاف صحابہ کرامؓ میں پیدا ہوئے وہی اوصاف توریت میں اور یہی اوصاف انجیل میں مذکور ہوئے۔

ترجمہ:''کیا اس کو ان مضامین کی خبر نہیں ہوتی جو موسیٰؑ کے صحیفوں میں اور جو ابراہیمؑ کے صحیفوں میں جو اللہ کے وفادار رہے۔وہ یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کو وہی ملے گا جس کی وہ کوشش کرے گا اور اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا"۔(سورہ نجم۔آیت 36 تا 41)

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چند صحائف کی ہدایات کا بھی ذکر آتا ہے۔ان صحیفوں میں درج تھا کہ

''یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ مجرم کا گناہ کوئی دوسرا اپنے سر لے لے اور مجرم بری ہو جائے اور نہ ہی یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے نیک اعمال کوئی اور لے اڑے"۔اس لیے ہر شخص کو اپنے اعمال پر نظر رکھنی چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ جو کچھ اس نے عمل کیا ہے وہی سب اس کے آگے رکھ دیا جائے گا اور ہر کسی کے اچھے اور برے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ان کتابوں اور صحائف کے ذکر کرنے کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ بندہ مومن ان کتابوں پر اس تفصیل سے ایمان رکھتا ہے جس طرح ان کا ذکر مفصل طور پر ہوا اور جن کتابوں کا ذکر قرآن پاک نے سرسری طور پر کیا ہے بندہ مومن بھی اجمالی طور پر ان پر ایمان لاتا ہے۔

ترجمہ:''بے شک ہم نے پیغمبروں کو کھلی ہوئی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو نازل کیا تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں''۔(سورہ حدید آیت نمبر 25)

ترجمہ:''سب لوگ ایک ہی دین پر تھے (پھر وہ اس میں اختلاف کرنے لگے) تو اللہ تعالیٰ نے (ایمان والوں کو) (پیغمبروں کو) خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے پیغمبر بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل کیں تا کہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرتے تھے وہ کتاب ان میں فیصلہ کر دے''۔(سورہ بقرہ آیت نمبر 213)

مختصر یہ کہ جس قدر نبی اور رسول آئے کسی تفصیل میں پڑے بغیر بندہ مومن ان سب پر ایمان لانا اہم دینی فریضہ سمجھتا ہے۔اس کا طریقہ وہ نہیں جیسے یہود اور نصاریٰ نے اپنا رکھا ہے کہ رسولوں اور کتابوں میں سے کسی کو مانتے ہیں اور کسی کو نہیں مانتے۔خاص طور پر یہود جو برائے نام ہی حضرت ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور داؤدؑ کو مانتے ہیں۔لیکن حضرت عیسیٰؑ کو نہیں مانتے۔اسی طرح یہود اور نصاریٰ دونوں میں زیادہ تر حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کو نہیں مانتے۔نیز یہ دونوں تحریف شدہ توریت اور انجیل کو تو مانتے ہیں

لیکن قرآن کریم کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کرتے ہیں۔ جبکہ قرآن کریم وہ واحد کتاب ہے جو بالکل اسی طرح ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے جس طرح نازل ہوئی۔ یعنی اس میں کچھ ردوبدل نہیں ہوا۔ اس کی حفاظت کا الٰہی نظام یہ ہے کہ حفاظ کا گروہ اس کو اپنے سینے میں محفوظ کرتا ہے۔ اور کاتب اس کے الفاظ اور حروف کو اس طرح قلمبند کرتا ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ ایک نقطہ بھی کم ہو یا زیادہ ہو۔ جبکہ سابقہ آسمانی کتابیں نہ صرف تحریف اور ردوبدل سے دوچار ہوئیں بلکہ بخت نصر کے ساتھ جنگ میں تو ''توریت'' اس طرح لاپتہ ہوئی کہ اس کے ماننے والے ایک زمانہ تک اس سے محروم رہے اور طویل عرصے کے بعد دستیاب ہوئی اور یہ اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ کیسے واپس ملی؟ اور جو کتاب اس وقت توریت کے نام سے ملی وہ واقعی وہی کتاب تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی یا کوئی اور کتاب تھی۔ یعنی اصل نسخہ یا کوئی اور مجموعہ لیکن اس کو کیا کہا جائے کہ اس کتاب کے ملنے کے بعد ایک مرتبہ پھر زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ مادہ اور معدہ پرستوں نے اسے دوبارہ غائب کر دیا اور تحریف کے بعد جو نسخہ دنیا والوں کے سامنے آیا اس میں کلام الٰہی اور کلام انسانی کو اس درجہ غلط ملط کر دیا گیا کہ امتیاز کرنا ہی مشکل ہو گیا۔ اسی طرح انجیل کو دیکھیں تو معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ ایک کتاب ہے لیکن آج اس کے پانچ نسخے پائے جاتے ہیں۔

قرآن کریم کا ایک اہم امتیاز یہ بھی ہے کہ انسانی معاملات کی درستگی اور دنیا آخرت کی فلاح اور کامرانی کے لیے ایک جامع نسخہ ہدایت صرف اسی کتاب میں درج ہے۔

چنانچہ سورۃ مائدہ آیت نمبر 15 اور 16 میں ارشاد الٰہی ہے۔

ترجمہ: ''اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے پیغمبر (نبی آخر الزماں) آگئے ہیں کہ تم کتاب الٰہی میں سے جو کچھ چھپاتے تھے وہ اس میں سے بہت کچھ تمہیں صاف صاف بتا دیتے ہیں اور تمہارے بہت سے قصور معاف کر دیتے ہیں بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے جو لوگ اللہ کی رضا کے طلب گار ہوتے ہیں ان کو اللہ اس کتاب کے ذریعے سلامتی کے راستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لاتا ہے اور ان کو سیدھے راستے پر چلاتا ہے''۔

قرآن حکیم کے نور سے فائدہ اٹھانے کے لیے مندرجہ ذیل 4 شرطیں بے حد ضروری ہیں۔

(1) اسلام (2) ایمان (3) احسان (4) تقویٰ

قرآن کریم، توریت، زبور اور انجیل پر ایمان۔

بندہ مومن جہاں ان کتابوں پر ایمان لاتا ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ غیر معروف کتابوں کو اجمالی طور سے اور مشہور اور معروف کتابوں کو نام بنام تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ مومن کا ایمان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر چند صحائف نازل ہوئے۔ نیز توریت، زبور، انجیل، قرآن بالترتیب حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد خاتم النبیین ﷺ پر نازل ہوئیں اور یہ بھی مومن کا ایمان ہے کہ قرآن پاک کلام الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی مکمل ترین کتاب ہے۔ اور چونکہ یہ سب سے آخیر میں نازل ہوئی ہے اس لیے باری تعالیٰ نے سابقہ تمام کتابوں کو اس آخری کتاب کے آنے کے بعد منسوخ کر دیا اور دستور بھی یہی ہے کہ بعد میں آنے والی کتاب پہلی کتابوں کو منسوخ کر دیتی ہے۔ علاوہ ازیں قرآن پاک کی شکل میں دنیا والوں کو یہ پیغام ملا کہ یہ کتاب کسی ایک گروہ یا جماعت کے لیے مخصوص نہیں نہ ہی اس کی آواز کسی ایک زمین یا زماں کے ساتھ محدود ہے۔ بلکہ اس کی حیثیت ابدی اور آفاقی ہے۔ چنانچہ کالے، گورے، سرخ ہوں یا سفید یا زرد ہوں۔ غرض کل نوع انسانی اس کی مخاطب ہے۔ اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ توریت، انجیل اور زبور جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اہل کتاب کی غفلت اور بے توجہی کا اس درجہ نشانہ بنیں کہ ان پیغمبروں سے ان کی نسبت ہی باقی نہ رہی جن پر یہ نازل ہوئیں۔

اس لیے کہ ان میں زبردست تبدیلی اور تحریف سے کام لیا گیا۔ یہاں تک کہ ان کے ماہرین کو بھی ان حقائق کا اعتراف کرنا پڑا کہ آسمانی کتابوں کی اصل حقیقت اور کلام الٰہی کی روح ان کتابچوں سے نکل چکی ہے اور یہ کہ اب ان کے اندر نہ تو ہدایت کا نور، شفا اور رحمت ہے اور نہ ہی عبرت و نصیحت کی کچھ ہدایت۔ افسوس تو ہوتا ہے کہ خود اہل کتاب پر ان کا کوئی اثر نہیں تو غیروں کے لیے ان کتابوں میں کشش کیوں کر ہوسکتی ہے؟ ان اصلاحی اوصاف اور رشد و ہدایت سے ان کتابوں کے تہی دامن ہوجانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت کا تقاضہ ہوا کہ قدیم عہد نبوت کی یاد تازہ کرنے اور وحی الٰہی کے ذریعے بندگان خدا کو جوڑنے کے لیے نبی آخر الزماں معبوث ہوں جن کی صالحین نے بشارت دی اور زمانہ جن کا صدیوں سے منتظر تھا اور پہلی تمام کتابوں میں جن کے آنے کی بشارت موجود تھی۔ پھر جس طرح انہیں ختم المرسلین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کی کتاب بھی اس شرف کی حامل ہوئی کہ اس سے سابقہ تمام کتابیں منسوخ ہوگئیں۔ اس کی ہدایت عام ہوئی اور رنگ، نسل، ملت اور قومیت کے امتیاز کے بغیر عرب، عجم، سیاہ و سفید، سرخ، زرد، ادنیٰ و اعلیٰ بھی اس سے محروم نہ رہا، نہ ہی زمین اور مکاں کے فاصلے کسی بھی طرح اس کے راستے میں حائل ہوئے اور نہ ہوسکتے ہیں۔ یہ کتاب (یعنی قرآن کریم) سابقہ

کتابوں کی حامی ہے اوراس کتاب کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے کل خلائق اور روئے زمین پر آباد تمام انسانوں کو کسی تفریق کے بغیر یہ حکم پہنچا دیا کہ سورہ مائدہ آیت نمبر 48

ترجمہ: ''اور (اے پیغمبر) ہم نے تم پر سچائی کے ساتھ کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلے آنے والی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اوران کی محافظ بھی ہے۔تو (اے پیغمبر) جو حکم اللہ نے نازل کیا ہے۔اس کے مطابق تم ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو اور جو حق بات تمہارے پاس آچکی ہے۔اسے چھوڑ کر لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو''۔

ترجمہ: ''اے پیغمبر ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ جو کچھ اللہ نے تم کو دکھا دیا ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو''۔(سورہ النساء آیت نمبر 105)

معلوم ہوا کہ اس آخری کتاب نے سابقہ کتابوں کو اور اللہ تعالیٰ کے آخری دین اسلام نے سابقہ تمام مذاہب کو منسوخ کر دیا۔

بے شک دین حق اللہ کے نزدیک ''اسلام'' ہے۔(سورہ آل عمران آیت نمبر 19)

ترجمہ: ''اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہے تو اللہ کے ہاں مقبول نہ ہوگا اور وہ شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا''۔(سورہ آل عمران آیت 85)

نیز حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے سابقہ ہر دو نسخے کی طرف بلیغ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر (میرے بھائی) موسیٰؑ بھی زندہ ہوتے تو ان کو میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا''۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے یہ بات اس وقت کہی جب حضرت عمرؓ کسی اہل کتاب سے ان کی کتاب لے کر آئے تھے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے سامنے اسے پڑھنا چاہا تھا۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے غصے کے ساتھ فرمایا ''میں ایک صاف ستھری اور پاکیزہ شریعت لے کر آیا ہوں۔اس کی رات اس کے دن کی طرح روشن ہے۔اس کے ہوتے ہوئے تم اہل کتاب سے ایسی کوئی بات مت پوچھو کہ وہ سچ کہیں تو بھی تم انہیں جھٹلا دو اور یا وہ جھوٹ کہیں تب بھی تم انہیں مان لو۔قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔اگر میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا''۔(احمد، براز، ابن ابی شیبہ)

حق تو یہی ہے جس کے متعلق آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت ہی نہیں، بہ نفس نفیس حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو نبی آخرالزماں کی پیروی ان کے لیے ناگزیر ہوتی اور کیوں نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ واضح طور پر فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جبکہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ) میں تم کو کتاب اور حکمت دوں تو پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے توضرور اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔اللہ نے پوچھا کیا تم نے اس بات کا اقرار کیا؟ اوراس اقرار پر میرے عہد کو قبول کیا؟ پیغمبروں نے عرض کیا ہاں ہم نے اقرار کرلیا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم گواہ رہو میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں تو اس کے بعد جو لوگ عہد سے پھر جائیں گے وہی نافرمان ہیں''۔(سورہ آل عمران۔آیت نمبر 82.81)

آسمانی کتابیں دراصل اسلامی دستور ہیں۔آسمانی دستور اگر کتابی شکل میں مرتب نہ ہوتا تو نہ صرف دین میں انتشار ہوتا بلکہ لوگوں کے لیے حجت اور ایک طرح کا عذر ہوتا کہ

''ہم کو تو کچھ خبر ہی نہ ہوئی، کسی نے ہم کو نیکی کی دعوت اور برائی سے بچنے کی تلقین ہی نہ کی ورنہ ہم نافرمانی نہ کرتے۔''

اس قسم کے عذر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے باری تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: ''ان سب پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا تھا کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ کے سامنے کوئی حجت باقی نہ رہے اور اللہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے''۔(سورہ النساء۔آیت 165)

اس لیے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتابوں پر ایمان لانا دین کا اہم رکن اور عقل ونقل سے ثابت ہے۔قرآن کریم ہر عقیدے کو بار بار دہرا کر یہ تعلیم دیتا ہے کہ ان سب کو ہی تسلیم کرنا اطاعت ہے اور ان میں سے کسی ایک کا انکار کرنا بدترین قسم کا گناہ۔

ترجمہ: ''اے ایمان والو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر پر نازل کی ہے اور جو کتابیں ان سے پہلے نازل کیں تھیں سب پر ایمان لاؤ اور جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن سے انکار کرے وہ سیدھے راستے سے بھٹک کر دور جا پڑا''۔(سورہ النساء۔آیت نمبر 136)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے۔(آمین)

****

اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان (اسلامی عقیدے کا چوتھا رکن)

وحی کیا ہے؟ اشارہ خفی کو وحی کہتے ہیں خواہ یہ اشارہ بلواسطہ ہو یا بلا واسطہ۔نزدیک سے ہو یا دور سے۔اس طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس کے اندر آواز ہو، حروف ہوں یا نہ ہوں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ نحل۔آیت نمبر 69,68 میں فرماتا ہے۔

ترجمہ: ''(اے پیغمبر) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ وہ پہاڑوں اور درختوں میں اور لوگ جو اونچی اونچی ٹٹیاں بناتے ہیں ان میں چھتے بنائے۔پھر ہر طرح کے پھلوں سے رس چوسے اور اپنے رب کے مقرر کئے ہوئے طریقے پر پوری فرمانبرداری کے ساتھ چلتی رہے''۔

سورہ قصص۔آیت نمبر 7

ترجمہ: ''اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف وحی بھیجی کہ ان کو دودھ پلاؤ۔پھر جب تم کو ان کے بارے میں کچھ خوف ہو تو ان کو (صندوق میں رکھ کر) دریا میں ڈال دینا''۔

1۔ اب ظاہر ہے کہ کہاں اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی اور کہاں ناچیز مکھی، نیز مکھی پر نہ کوئی فرشتہ نازل ہوا نہ اللہ تعالیٰ نے حروف وصورت سے اسے خطاب کیا، نہ کسی قسم کا قرب پایا۔بس اللہ تعالیٰ نے اس کو ان کاموں کی تعلیم فرمادی جو اس کے مقاصد سے متعلق اور اس کی قوت استعداد کے اندر ہیں۔

2۔ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ ؑ کی والدہ ماجدہ کو سمجھا دیتے ہیں کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔انہوں نے سمجھا اور بجا طور پر ہر کام ویسے ہی انجام دیا۔یہاں بھی نہ کلام ہے نہ نزدیکی نہ دوری نہ برابری۔ہمارا مشاہدہ ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی مخلوق مثلاً تتلی کا تتلی کے ساتھ اور چیونٹی کا چیونٹی کے ساتھ آپس میں گہرا اور انتہائی مخفی تعلق ہوتا ہے۔نہ وہاں آواز ہوتی ہے نہ کسی قسم کی یکسانیت۔

وحی کی اقسام اور طریق وحی مختلف ہوتے ہیں۔چنانچہ وحی الٰہی کی کیفیت اور اس کی شکلیں جداگانہ اور مختلف ہو سکتی ہیں۔

وحی الٰہی اور اس کی شکلیں

باری تعالیٰ کا سچا اور پاکیزہ کلام اور اس کے وہ راست احکام ہیں جو مخصوص طریقے سے اس کے برگزیدہ بندوں تک یا جس کے پاس وہ چاہتا ہے اس تک پہنچتے ہیں۔اس کا سب سے قابل قدر اور سچا نمونہ اس کا وہ پیغام ہے جو قرآن پاک کے نام سے موسوم ہے۔یہ کلام آج بھی ٹھیک اسی شکل میں باقی ہے۔جیسے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر آج سے صدیوں پہلے 23 سال کی مدت میں نازل ہوا۔

سورہ نمل۔آیت نمبر 6 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ترجمہ: ''اور (اے پیغمبر) تم کو قرآن پاک خدائے علیم اور خبیر کی طرف سے عطا کیا جارہا ہے''۔

اللہ تعالیٰ جو وحی کسی بندے کے پاس بھیجتا ہے اس کے تین طریقے ہیں جن کو باری تعالیٰ خود بیان فرماتا ہے۔

سورہ شوریٰ۔آیت نمبر 51

ترجمہ: ''اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر تین طریقے سے الہام (ذریعے) سے، یا پردہ کے پیچھے سے، یا کوئی فرشتہ بھیج دے کہ وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے پیغام پہنچائے، بلاشبہ وہ (بڑا) عالی شان (اور) بڑی حکمت والا ہے''۔

وحی کی ضرورت

انسان روح اور مادہ (جسم) سے بنا ہوا ہے یہ جس دنیا میں آباد ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

1۔ عالم علوی   2۔ عالم سفلی

انسانی زندگی کی بھی دو قسمیں ہیں۔

1۔ دنیا کی فانی زندگی اور محدود زندگی   2۔ آخرت کی لافانی اور لامحدود زندگی

دنیا اور آخرت کی زندگی کے درمیان ایک اور زندگی ہے جسے ہم برزخ کی زندگی کہتے ہیں اس کا وقفہ مرنے کے بعد سے اٹھائے جانے تک کے درمیان کا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان روحانی مخلوق ہے۔لہٰذا روح اور اس کے حقائق سے واقفیت کے لیے وحی کا ہونا ضروری ہے تاکہ روح کی حقیقت اس کی صفات اس کے احوال۔روح کی

پستی اور بلندی اس کی سعادت وشقاوت کے حقیقی اسباب معلوم ہو جائیں۔دوسری طرف انسان جسمانی وجود بھی رکھتا ہے اس کی اصلاح اور تحفظ اور اس کی فلاح اور بقا کے لیے بھی کچھ ضابطوں کا ہونا ضروری ہے۔انسان اپنی عقل اور حواس سے دوسری دنیا کے کوائف کو کسی طرح بھی معلوم نہیں کر سکتا اس لیے وحی کی ضرورت پیش آئی۔

نبوت

شریعت کی اصلاح میں نبوت کی تعریف یہ ہے کہ ''باری تعالیٰ عام انسانوں میں سے بلند مرتبہ اور اعلیٰ مقام والے انسان کو ایک منصب کے لیے منتخب فرماتا ہے اور اپنی مرضی کے موافق اس پر عام انسانوں کی راہنمائی اور ہدایت کے لیے وحی نازل فرماتا ہے۔

نبی اور رسول

نسل آدم کے باسعادت فرد جن کے پاس اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے اپنا پیغام پہنچاتا ہے نبی یا رسول کہلاتے ہیں۔

نبی اور رسول میں فرق

نبی:

نبی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے وحی دے کر بھیجا۔

رسول:

رسول کو اللہ تعالیٰ نئی شریعت کے ساتھ مبعوث کرتا ہے- رسول وحی کا پیغمبر اور اس کا مبلغ ہوتا ہے(یعنی اللہ کا پیغام دوسروں تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی اس پر ہوتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔نبوت کسبی نہیں ہوتی بلکہ یہ خداداد ہوتی ہے (یہ عطائے خداوندی ہوتی ہے۔)

نبوت کی ضرورت

(ملک میں) دنیا میں عام بگاڑ اور ملک میں پھیلا ہوا فتنہ فساد اس چیز کا تقاضہ کرتا ہے کہ باری تعالیٰ کسی مصلح اور راہنما کو مبعوث فرمائے جو بگاڑ کو دور کرے اور اللہ تعالیٰ کی سرزمین کو پاک صاف کر کے بندگان خدا کو آرام پہنچائے۔عام خلقت رحمت خداوندی کی طلب گار اس لیے بھی ہوتی ہے کیونکہ انسانی فطرت خیر کو اس طرح چاہتی ہے جیسے پیاسہ پانی کو چاہتا ہے۔یہ طلب اس وقت بڑھ جاتی ہے جب زمانہ شر اور فساد کا ہو اور ہر طرف فتنہ کا دور دورہ ہو اس میں شک نہیں کہ انسانیت آج بھی سسک رہی ہے سارا عالم فتنہ اور شر کی لپیٹ میں آ چکا ہے اور حالات کچھ ایسے درپیش ہیں گویا زمانہ پھر کسی مصلح کا منتظر ہے جو دنیا والوں کو مادے اور معدے کی غلامی سے نکال کر خدا کی بندگی اور اسلام کی کشادگی کی طرف لے آئے لیکن آج نئے سرے سے نبوت یا رسالت کی حاجت نہیں ہے اس لیے کہ اللہ کا پیغام آج بھی ہمارے پاس ٹھیک اسی حالت میں موجود ہے جس حالت میں وہ رسول خدا خاتم النبیین ﷺ پر نازل ہوا تھا اگر کمی ہے تو کتاب وسنت کے سچے مبلغین اور صالحین کی جو کار نبوت کو لے کر آگے بڑھیں اور دنیا کو ظلم وستم اور ناپاکی اور نااتفاقی سے آزاد کروا دیں۔

انبیاء کی صفات

(1) صداقت　(2) امانت　(3) فطانت (ذہانت)　(4) تبلیغ

فطانت اور ذکاوت وحی کی قبولیت اور اس کی کامل حفاظت مخصوص صلاحیتوں میں سے ایک ہے۔اس کے برعکس کمزور حسی اور فکری کوتاہی نہ مقام منصب نبوت کے مناسب ہے اور نہ اس کے ہونے پر بندہ حق تعالیٰ سے کلام کا شرف پا سکتا ہے۔

رسول

شریعت کی زبان میں ''رسول'' کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ رسول وہ آدمی ہوئے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ دستور عطا فرماتا ہے اور اس کو تبلیغ کا حکم دیتا ہے۔وحی الٰہی کے پانے پر اس وحی کو لوگوں تک پہنچانا اس کی ذمہ داری ہوتی ہے۔تاریخ خواہ کتنی ہی احتیاط اور دیانت داری سے کام لے لیکن انسان جملہ انبیاء اور مرسلین کے نام اور ان کے کام کا احاطہ نہیں کر سکتی، جبکہ ان پاکیزہ نفوس سے کوئی قوم اور امت خالی نہیں رہی جیسا کہ سورہ فاطر، آیت نمبر 24 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو''

سورہ نحل،آیت نمبر 36

ترجمہ:''(اور یہ واقعہ ہے) کہ ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر (اس بات کو سمجھانے کے لیے بھیجا کہ لوگو) اللہ کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے بچو''۔

رسولوں کی تعداد

مسند احمد میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا"اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ سب سے پہلے نبی کون ہیں"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''حضرت آدم علیہ السلام''میں نے عرض کیا" کیا آپؑ نبی تھے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"ہاں آپؑ نبی تھے"- میں نے عرض کیا"اے اللہ کے رسول ﷺ جملہ رسولوں کی تعداد کیا ہے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"315 کی کثیر تعداد''۔(مسند احمد)

دوسری روایت میں جملہ انبیاء کی تعداد کیا ہے؟ تو فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے ان میں تین سو پندرہ کی کثیر تعداد رسولوں پر مشتمل ہے''۔

مندرجہ بالا حدیث کے مطابق انبیاء کی کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی جس میں سے 315 رسول تھے۔ پیغمبروں کی تاریخ کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوتا ہے جبکہ آپ کو زمین میں آباد کیا گیا۔ پھر آپؑ کی بکثرت اولاد ہوئی۔ اور یہی وہ زمانہ تھا جبکہ وحی کی حاجت ہوئی اس لیے کہ انسانیت اور آدمیت کی تکمیل اس کی عزت وشرافت اس کا تزکیہ اور دنیا اور آخرت میں سعادت کا حصول وحی الٰہی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ حضرت آدمؑ کے بعد حضرت شیثؑ کا نام آتا ہے آپؑ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام پر متعدد صحائف نازل کئے جو آپ علیہ السلام کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت شیث علیہ السلام کے بعد حضرت ادریس علیہ السلام نبی ہوئے، آپ علیہ السلام کا ذکر قرآن پاک میں ہے، آپ حضرت شیثؑ کی اولاد میں سے تھے پھر حضرت نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ قرآن پاک کی صراحت کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے رسول ہیں۔

قرآن پاک سورہ النساء، آیت نمبر 163 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ:''(اے پیغمبر) ہم نے تمہاری طرف اس طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح علیہ السلام کی طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو نوح کے بعد ہوئے بھیجی تھی''۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یسع علیہ السلام، حضرت ذوالکفل علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور سب سے آخر میں حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ مبعوث ہوئے۔

پیغمبروں کے علاقے

بیشتر پیغمبروں کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے ان کی بعثت مشرق وسط میں ہوئی اس عالمی مقام منصب پر وہ فائز ہوئے انہوں نے اپنی قوموں میں سکونت اختیار کی۔ اپنا پیغام پہنچایا، وہیں وفات پائی اور وہی پیوند خاک ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق میں نبی بنا کر بھیجے گئے۔ وہاں سے آپ علیہ السلام نے کنعان کی طرف ہجرت فرمائی، آگے چل کر آپ علیہ السلام کی آمدورفت حجاز، شام اور سرزمین عاد کی طرف ہوتی رہی تاوقت کہ آپ علیہ السلام کی وفات ہوئی،

حضرت اسماعیل علیہ السلام

ملک شام میں پیدا ہوئے لیکن تاحیات مکہ مکرمہ میں آباد رہے وہیں آپؑ نے عرب قبائل کو دعوت اسلام دی اور وہیں پر وفات پائی۔

حضرت اسحاق علیہ السلام

ارض عاد میں رہے۔ آپ علیہ السلام کے فرزند حضرت یعقوب علیہ السلام بھی یہیں رہے۔ البتہ آخر زمانے میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے مصر ہجرت فرمائی اور اپنی اولاد کے ساتھ وہیں رہے۔ اور غالباً یہیں پر آپ علیہ السلام کا انتقال ہوا۔ آپ علیہ السلام کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نبی ہوئے آپ علیہ السلام نے مصر میں سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نبی ہوئے، آپ علیہ السلام کا وطن مصر تھا آگے چل کر انہوں نے

سینا کے علاقے میں رہائش اختیار کی اور وہیں وفات پائی۔ آپ علیہ السلام کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام معبوث ہوئے۔ بیت المقدس آپ کا وطن تھا۔ بنی اسرائیل کے بیشتر انبیاء بیت المقدس میں معبوث ہوئے۔ بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰؑ ہیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ بیت لحم میں پیدا ہوئے وہیں بیت المقدس میں سکونت اختیار کی اور وہیں سے آسمان پر اٹھائے گئے۔ سب سے آخری نبی حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ مکہ میں پیدا ہوئے، وہیں سکونت اختیار کی پھر حجاز کے شہر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی، وہاں دس سال رہ کر انتقال فرمایا اور مدینہ منورہ میں ہی آپ خاتم النبیین ﷺ کی قبر مبارک ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں اقرب یہی ہے کہ آپ علیہ السلام مشرق قریب اور مشرق وسطیٰ کے درمیانی علاقے میں معبوث ہوئے۔ حضرت ہودؑ، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام عرب میں معبوث ہوئے۔ حضرت ہودؑ حضرموت اور شحر کے درمیانی علاقے میں، حضرت صالح علیہ السلام، شمال میں حجاز اور شام کے بیچ میں اور حضرت شعیب علیہ السلام جزیرہ کے مغرب اور مشرق اردن کے جنوب میں مدین نامی علاقے میں معبوث ہوئے۔ حضرت لوط حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ارض بابل (عراق) سے ہجرت میں شریک رہے اللہ نے آپؑ کو ان بستیوں کی طرف معبوث فرمایا جو بعد میں عذاب الٰہی کی وجہ سے الٹ دی گئیں تھیں۔ یہ بستیاں پانچ شہروں پر مشتمل تھیں۔ سب سے بڑے شہر کا نام سدوم اور دوسرے کا عمودہ تھا۔ بستی والوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ اور برباد کیا اور لوطؑ اور ان کے ماننے والوں کو محفوظ رکھا بعد میں یہ لوگ شام گئے اور پھر وہاں ہی پر آباد ہو گئے۔

اولوالعزم پیغمبر

ان پیغمبروں سے واقفیت اسلامی عقائد کا ایک جزو ہے۔ جنہیں اولوالعزم پیغمبر کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں سورہ الاحقاف، آیت نمبر 35 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ترجمہ: ''پس اے پیغمبر تم صبر کرو جس طرح (اولوالعزم پیغمبر) بلند ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے ہیں''۔

سورہ احزاب میں ان برگزیدہ پیغمبروں کے اسما اور ان کی تعداد کا اجمالی ذکر موجود ہے چنانچہ باری تعالیٰ فرماتا ہے (احزاب آیت نمبر 7)

ترجمہ: ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جبکہ ہم نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا اور تم سے بھی اور نوح علیہ السلام سے اور ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام سے"۔

آپ خاتم النبیین ﷺ کے علاوہ اس آیت میں مزید چار پیغمبروں کا ذکر ہے۔

(1) حضرت نوح علیہ السلام (2) حضرت ابراہیم علیہ السلام (3) حضرت موسیٰ علیہ السلام (4) حضرت عیسیٰ علیہ السلام

پیغمبروں پر اجمالی اور تفصیلی ایمان بندہ مومن کے عقیدے کا لازمی جز ہے

رسولوں پر اجمالی ایمان

رسولوں پر اجمالی ایمان لانے کا مفہوم یہ ہے کہ جن پیغمبروں کے متعلق جتنا کچھ فرمایا بندہ مومن انہیں من وعن تسلیم کرے اور جن سے متعلق کسی قسم کا ذکر نہیں فرمایا کسی تفصیل میں پڑے بغیر ان پر اسی طرح ایمان لائے۔

رسولوں پر تفصیلی ایمان

رسولوں پر تفصیلی ایمان لانے کا مفہوم یہ ہے کہ بطریق وحی جن پیغمبروں کی جس قدر تفصیل وارد ہے اس کے مطابق انہیں تسلیم کرے۔ جن کا محض نام وحی الٰہی میں مذکور ہے۔ ان کے ناموں کے ساتھ ان پر ایمان لائے یہ نہیں کرنا چاہیے کہ کسی پیغمبر کو مانے اور کسی کو نہ مانے اس لیے کہ جملہ انبیاء اور رسولوں کا سلسلہ باہم اس طرح مربوط ہے کہ ایک کا انکار سب کا انکار ہوگا۔ قرآن پاک نے جملہ 25 پیغمبروں کا ذکر کیا ہے جن میں سے 18 پیغمبر وہ ہیں جن کا ذکر سورہ انعام کی اس آیت نمبر 83-86 میں موجود ہے۔

ترجمہ: ''اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو عطا کی (اس کی قوم کے مقابلے میں) ہم جس کے چاہیں درجے بلند کرتے ہیں اور بے شک تیرا رب حکمت والا اور جاننے والا ہے (83) اور ہم نے اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اس کو بخشا۔، ہم نے سب کو ہدایت دی اور ان سے پہلے نوح علیہ السلام کو ہدایت دی اور ان کی اولاد جس میں سے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو اور ایوب علیہ السلام، اور یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو اور نیک کام کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں (84) اور زکریا علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور الیاس علیہ السلام کو سب نیک بختوں میں ہیں (85) اور اسماعیل علیہ السلام اور یسع علیہ السلام اور

یونس علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کو اور ہم نے سب کو سارے جہاں والوں پر بزرگی دی (86) ور باقی سات پیغمبروں کا تذکرہ جو قرآن پاک کی متعدد سورتوں میں وارد ہوا ہے وہ یہ ہیں۔

سورہ آل عمران آیت نمبر 33　　حضرت آدم علیہ السلام

سورہ مریم آیت نمبر 56　　حضرت ادریس علیہ السلام

سورہ الاعراف آیت نمبر 65　　حضرت ہود علیہ السلام

سورہ اعراف آیت نمبر 73　　حضرت صالح علیہ السلام

سورہ اعراف آیت نمبر 85　　حضرت شعیب علیہ السلام

سورہ انبیاء آیت نمبر 85　　حضرت ذوالکفل علیہ السلام

سورۃ الاحزاب۔آیت نمبر 20　　حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ

اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں پر ایمان لانا اہم فریضہ ہے مسلمانوں کو ان پر ایمان لانے کے لیے کسی دلیل یا نبوت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

سورہ النساء۔آیت نمبر 136 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

ترجمہ: ''اے ایمان والو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کتاب پر جو اس نے رسول پر نازل کی اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں سب پر ایمان لاؤ''۔

سورہ بقرہ۔آیت نمبر 285

ترجمہ: ''(یہ) پیغمبر (محمد خاتم النبیین ﷺ) اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی اور (اسی طرح) ایمان والے بھی یہ سب اللہ پر اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور (کہتے ہیں) کہ ہم ان پیغمبروں میں سے کسی ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کرتے''۔

ختم نبوت: نبی آخر الزماں ﷺ کو سب سے آخر میں نبوت سے سرفراز کئے جانے کے بعد حق تعالیٰ نے نبوت کے دروازے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔

چنانچہ ارشاد ہے (سورہ الاحزاب۔آیت نمبر 40)

ترجمہ: ''محمد (خاتم النبیین ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے''۔

کمال آدمیت اور دنیا وآخرت کی سعادتوں کے لائق ہونے کے لیے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر ایمان اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی کامل پیروی بہت ضروری ہے۔

سورہ الاعراف۔آیت نمبر 158 میں ارشاد ہے

ترجمہ: ''تو تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی امی پر ایمان لاؤ کہ وہ بھی اللہ اور اس کے تمام کلمات پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ''۔

صحیحین کی ایک روایت میں نبی آخر الزماں ﷺ فرماتے ہیں۔

''میری اور دیگر انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کوئی مکان تعمیر کیا اور اس کو نہایت اچھا اور خوبصورت بنایا مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ رہ گئی لوگ چاروں طرف گھوم کر عمارت کو دیکھتے ہیں اور عمارت ان کو پسند آتی ہے مگر وہ کہتے ہیں (معمار) تم نے اس جگہ ایک اینٹ اور کیوں نہ رکھ دی۔ چنانچہ میں وہ تکمیلی اینٹ ہوں اور میں خاتم النبین ہوں''۔(اللولو والمرجان 94/3)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''عنقریب میری امت میں 30 کذاب ہوں گے ان میں ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے''۔(ابوداؤد 414/2)

نیز فرمایا ''میرے چند نام ہیں، میں محمد خاتم النبیین ﷺ ہوں، میں احمد خاتم النبیین ﷺ ہوں میں حامی خاتم النبیین ﷺ ہوں، خدا تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹادے گا۔ میں حاشر خاتم النبیین ﷺ ہوں لوگوں کا حشر میرے بعد ہوگا، میں عاقب خاتم النبیین ﷺ ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا 110/3 اللولو 89/7 (بخاری 225/4)

ختم نبوت اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے خاتم النبین ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس اعلان پر آج چودہ سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن اس طویل عرصے میں سچی نبوت کا داعی یا کوئی برحق نبی آج تک نہیں پیدا ہوا۔ جب کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے پہلے ہر زمانے اور ہر ملک میں نبی برحق معبوث ہوا کرتے تھے۔

آخرت کے دن پر ایمان (اسلامی عقیدے کا پانچواں رکن)

آخرت کے دن سے کیا مراد ہے؟

آخرت کے دن سے حسب ذیل دو امور مراد ہیں:

1۔ تمام کائنات فنا ہوجائے گی اور اس دنیا کی زندگی کا بالکل خاتمہ ہوجائے گا۔

2۔ پھر ایک اور زندگی کی آمد آمد ہوگی اور اس کا باقاعدہ آغاز ہوگا۔

آخرت کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ دن دراصل اس زندگی کا آخری اور آنے والی زندگی کا پہلا اور آخری دن ہوگا۔ پہلا اور آخر اس لیے کہ یہ پورا دن ایک پوری زندگی پر محیط ہوگا اور ابتدا سے انتہا تک یہ ایک کامل دن ہوگا۔ اس کا کوئی ثانی نہ ہوگا۔ یہ دن وہ ہوگا جس دن حشر نشر کیا جائے گا۔ یہ اس دنیا کے پچاس ہزار برس کا ایک دن ہوگا اور اس دن پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا کے فنا ہونے کی جو خبریں حق تعالیٰ نے دی ہیں اس کی جو علامتیں اور نشانیاں بیان کی ہیں ان سب کی دل سے تصدیق کرنا ایک مسلمان کے لیے ضروری ہیں۔ ان تمام نشانیوں اور عالم آخرت کو بھی بجا طور پر تسلیم کیا جائے۔ جن میں حق تعالیٰ نے ابدی زندگی کی راحتیں نعمتیں، سزا، عذاب اور اس عالم کے اہم سے اہم جزیات کا مفصل ذکر فرمایا ہے۔ جیسے مرکر اٹھایا جانا، حساب کتاب کا ہونا، نامہ اعمال کا ملنا، پل صراط پر سے گزرنا۔

دنیا کی زندگی میں جو کچھ اچھا یا برا ہے اس کے مطابق اجر کا ملنا دنیا کی زندگی محض دارالعمل ہے اور جزا اور سزا کے لیے دارالآخرت کا ہونا ضروری ہے۔ سورہ یٰسین۔ آیت نمبر 79-78 میں حشر ونشر سے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ: ''جب ہڈیاں بوسیدہ ہوجائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا (اے پیغمبر) کہہ دو کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے"۔

سورہ روم۔ آیت نمبر 27

ترجمہ: ''اور وہی ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے۔ پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس کے لیے بہت آسان ہے اور آسمانوں اور زمین میں اس کی شان سب سے بلند ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے''۔

انسانوں اور جانوروں کے سونے اور سوکر اٹھنے سے استدلال ۔

ترجمہ: ''اور (دیکھو) وہی تو ہے جو رات میں تم پر موت طاری کردیتا ہے تمہیں سلا دیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو وہ اس کو جانتا ہے۔ پھر دن کے وقت تمہیں اٹھا کر کھڑا کردیتا ہے تاکہ مقررہ مدت پوری کردی جائے۔ پھر تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر اس وقت تم کو تمہارے اعمال جو کچھ دنیا میں کرتے رہے تھے ایک ایک کر کے بتادے گا''۔ سورۃ انعام۔ آیت نمبر 60

قحط زدہ خشک اور بنجر زمین سے استدلال

سورہ حم سجدہ۔ آیت نمبر 39

ترجمہ: ''اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تو زمین کو دبی ہوئی اور خشک دیکھتا ہے، پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو تروتازہ ہوجاتی ہے اور ابھرتی ہے (اس سے ثابت ہوا کہ) جس نے زمین کو زندہ کیا ہے وہ ہی مردوں کو زندہ کرے گا''۔ بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

"اسی نے آسمان سے ایک اندازے کے مطابق پانی نازل فرمایا پس ہم نے اس سے مردہ شہر زندہ کردیا۔ اسی طرح تم نکالے جاؤ گے"۔ (سورہ الزخرف۔ آیت نمبر 11)

حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے استدلال

سورہ حج۔ آیت نمبر 5

ترجمہ: ''(اے لوگو) اگر تم قیامت کے دن دوبارہ پیدا ہونے میں شک کرتے ہو تو (غور کرو کہ) بلاشبہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے پھر جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے (جس کی بناوٹ کبھی) کامل ہوتی ہے اور کبھی ناقص یہ اس لیے کہ ہم تم پر اپنی قدرت ظاہر کریں اور جس نطفہ کو ہم چاہتے ہیں اسے ایک مقررہ

مدت تک عورت کے رحم میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ پھر بچہ بنا کر تمہیں نکالتے ہیں پھر (تمہاری پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جاؤ تم میں سے بعض تو وہ ہیں جو فوت کیئے جاتے ہیں اور تم میں سے کوئی ایسا ہوتا ہے کہ نکمی عمر (یعنی بڑھاپے) کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے کہ بہت کچھ جاننے کے بعد بالکل بے علم ہو جاتا ہے''۔

ارض وسماء کی تخلیق سے یوم حشر پر استدلال

سورہ مومن۔آیت نمبر 57

ترجمہ: ''یقیناً آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا بہ نسبت آدمیوں کے پیدا کرنے کے بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

جزا اور سزا کے تصور سے استدلال

سورہ آل عمران۔آیت نمبر 185

ترجمہ: ''ہر شخص ایک دن موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے اور قیامت کے دن تم سب کو پورا پورا بدلا دیا جائے گا تو اس دن جو شخص دوزخ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سودا ہے''۔

سورہ یونس۔آیت نمبر 4

ترجمہ: ''وہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے وہی اس کو دوبارہ (پیدا کرے گا) اٹھائے گا تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے۔انہیں انصاف کے ساتھ بدلہ دے اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے پینے کو کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہوگا کیونکہ وہ کفر کرتے تھے''۔

سورہ ولیل۔آیت نمبر 4-11

ترجمہ: ''بے شک تمہاری کوششیں مختلف ہیں تو جس نے اللہ کی راہ میں مال دیا اور پرہیزگاری کا راستہ اختیار کیا اور اچھی بات (یعنی کلمہ توحید) کو سچ جانا تو اس کے لیے ہم بہت جلد آرام کی جگہ (یعنی جنت حاصل کرنا) آسان کر دیں گے اور جس نے بخل کیا اور اللہ تعالیٰ سے بے پرواہی کی اور اچھی بات (یعنی کلمہ توحید) کو جھٹلایا تو ہم اس کو تکلیف کی جگہ (یعنی دوزخ) میں پہنچا دیں گے اور جب وہ دوزخ میں جا گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا''۔

شرعی پابندیوں سے استدلال

سورہ الملک۔آیت نمبر 1-2

ترجمہ: ''بہت بابرکت ہے وہ ذات جس کے قبضے میں دونوں جہاں کی بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور زندگی کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ جان سکے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے اور وہ غالب اور بخشنے والا ہے''۔

سورہ مومنون۔آیت نمبر 115

ترجمہ: ''کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں یونہی بے فائدہ (خالی از حکمت) پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آؤ گے؟''

سورہ قیامہ۔آیت نمبر 36

ترجمہ: ''کیا انسان خیال کرتا ہے کہ وہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا''۔

ہر وقت اور ہر زمانے میں باشعور طبقہ جس کا تعلق شہری زندگی سے ہو یا دیہاتی زندگی سے خواہ پسماندہ ہو یا ترقی یافتہ اس میں شک نہیں کہ ہر کسی کو شدت سے یہ احساس ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک زندگی آنے والی ہے جس میں دنیا میں کی گئی نیکی، بدی، اچھے برے کاموں کا بدلہ یا سزا اس کو مل کر رہے گا یہی شعور درحقیقت آنے والی زندگی کی دلیل ہے۔عالم آخرت اور مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ کئے جانے کی حکمت یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں بندے نے جو اپنے ارادے اور اختیار سے کیا ہے۔اس کا ٹھیک ٹھیک بدلہ انہیں دیا جائے''۔

اس لیے دنیا عمل کی جگہ ہے اور آخرت جزا وسزا یعنی ثواب یا بدلہ

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے سورہ آل عمران۔آیت نمبر 185

ترجمہ: ''ہر شخص ایک نہ ایک دن موت کا مزا چکھنے والا ہے اور قیامت کے دن تم سب کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا تو اس دن جو شخص دوزخ سے دور رکھا گیا۔اور جنت میں

داخل کیا وہ کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سودا ہے"۔

سورہ تغابن۔آیت نمبر 7 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ:"جو لوگ کافر ہیں وہ یقین کرتے ہیں کہ وہ ہرگز دوبارہ نہ اٹھائے جائیں گے (ان سے کہو) کہ کیوں نہیں میرے پروردگار کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ پھر جو کچھ تم نے کیا ہے تم کو دکھلا دیا جائے گا اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے"۔

اس کا مطلب یہ ہوا ہے کہ ایک زبردست اور پر ہول انقلاب کو دل سے ماننے اور اس کی تصدیق کرنے کا نام آخرت پر ایمان ہے۔ ایسا ہمہ گیر اور حیرت انگیز انقلاب جس کے بعد دنیا کی یہ زندگی فنا ہو جائے گی اور نئی زندگی کا آغاز ہوگا۔ اس نئی زندگی کی ابتداء دار الآخرت میں ہوگی جہاں حیرت انگیز اور عجیب وغریب حقائق رونما ہونگے اور جملہ خلائق کی دوبارہ تخلیق ان کا حساب کتاب اور ان کے ساتھ جزا اور سزا کا معاملہ ہوگا، آخرت پر ایمان واجب ہی نہیں بلکہ دین اسلام کے چھ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ جس پر بندہ مومن کے عقیدے کی بنیاد قائم ہے، آخرت پر ایمان لائے بغیر نہ ایمان کامل ہوتا ہے اور نہ ہی اصلاح اور استقامت نصیب ہوتی ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے سورہ الحاقہ۔آیت نمبر 13 تا 37

ترجمہ:"تو جب صور میں ایک بار پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) اٹھائے جائیں گے پھر وہ ایک ہی دفعہ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے تو اس روز ہونے والی چیز ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اس دن کمزور ہوگا۔ اور فرشتے اس کے کناروں پر اتر آئیں گے اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس روز 8 فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے اس روز تم سب لوگ اللہ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہ ہوگی تو جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ (دوسروں سے) کہے گا لو میرا اعمال نامہ پڑھو مجھے یقین تھا کہ میرا حساب پیش آنے والا ہے۔ غرض وہ پسندیدہ عیش میں ہوگا یعنی بہشت بریں میں جس کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے (اور حکم ہوگا) خوب مزے سے کھاؤ پیو، ان اعمال کے صلے میں جو تم نے گزشتہ دنوں میں کئے تھے اور جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو کہے گا کہ کاش مجھے کوئی اعمال نامہ نہ دیا جاتا اور مجھ کو خبر نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے؟ کیا ہی اچھا ہوتا کہ موت میرا کام تمام کر چکی ہوتی۔ آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، میری سلطنت بھی مجھ سے جاتی رہی (فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اسے پکڑ لو اور طوق پہنا دو، پھر اسے دوزخ میں ڈال دو۔ پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کا ناپ ستر ہاتھ ہے اس کو جکڑ دو یہ نہ اللہ بزرگ برتر پر ایمان رکھتا تھا اور نہ فقیروں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ تو نہ آج اس شخص کا کوئی دوست ہے اور نہ کھانے کی کوئی چیز نصیب ہے۔ سوائے پیپ کے جس کو گناہ گاروں کے سوا کوئی نہ کھائے گا"۔

قیامت کے چھوٹے آثار۔ نشانیاں 200 کے قریب ہیں۔ قیامت کے بڑے آثار (بڑی نشانیاں) 50 کے قریب ہیں۔ قیامت کے چھوٹے آثار نمودار ہو چکے ہیں، قیامت کے بڑے آثار کا اب بڑا معرکہ ہرمجدون کا معرکہ ہے۔ یہ ایک بڑی خونریز لڑائی ہوگی۔ ایٹمی اور عالمی ہوگی۔ اس کے بعد حضرت امام مہدی کا نزول ہوگا اس کے بعد قیامت کی 10 بڑی نشانیاں ظاہر ہوں گی جس میں سے چھ نشانیاں مومن کو نظر آئیں گی اور چار نشانیاں مومنین کو نظر نہیں آئیں گی۔

جو نشانیاں مومنین کو نظر آئیں گی وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ دجال کا فتنہ
2۔ حضرت عیسیٰؑ کا نزول
3۔ یاجوج ماجوج
4۔ مغرب سے طلوع آفتاب
5۔ جانور کا نکلنا
6۔ دھوئیں کا نکلنا

وہ نشانیاں جو مومنین کو نظر نہیں آئیں گی، یہ چار علامات ہیں۔

یہ مشرق، مغرب اور جزیرۃ العرب میں ہوں گی۔

1۔ خسف (زمین کا دھنس جانا)
2۔ قذف (پتھروں کی بارش)

3۔ مسخ (صورتوں کا بگڑ جانا)

4۔ چوتھی آگ ہے جو عدن کی گہرائی یا مشرق سے نکل کر لوگوں کو ہانک کر محشر کے میدان میں لے جائے گی۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"اس امت میں تین طرح کے عذاب ہوں گے زمین کے دھنسنے سے،صورتیں مسخ ہونے سے اور سنگ باری سے''۔اور یہ اس وقت ہوگا جب گانے والیوں اور آلات حرب کا چرچا ہوگا اور جب شراب نوشی عام ہو جائے گی۔خسف سے مراد زمین کا پھٹ کر لوگوں کو نگل لینا۔خسف (زمین کا دھنسنا) قذف (سنگباری) مسخ (صورتوں کا بگڑنا)۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ دنیا کے خاتمے کی اجازت دے دیں گے۔یعنی فرشتے اسرافیلؑ کو جس کا کام صور پھونکنا ہے،صور پھونکنے کا حکم دے گا۔پہلی مرتبہ صور پھونکیں گے تو زمین اور پوری کائنات بری طرح حرکت کرنے لگے گی اور ایک زبردست زلزلہ آئے گا۔زمین لرز جائے گی۔پہاڑ گر گر کر زمین کے ساتھ برابر ہو جائیں گے۔سمندر پھٹ کر بھڑکتی ہوئی آگ میں تبدیل ہو جائے گا ہر چیز فنا ہو جائے گی۔پھر عرصہ چالیس کے بعد یہ معلوم نہیں کہ 40 سال،40 ماہ یا 40 دن اور یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ چالیس سال،40 ,دن،40 ماہ ہماری دنیا کے یا آخرت کی دنیا کے ہوں گے۔اللہ تعالیٰ دوبارہ صور پھونکنے کا حکم دیں گے یہ سن کر روحیں اڑ کر جسموں میں چلی جائیں گی۔مومنوں کی روحیں روشنی میں چمکتی ہوئی اور کافروں کی روحیں اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی اپنے اپنے جسموں میں داخل ہوں گی اور جسم قبروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہونگے۔اس کے بعد شفاعت اور حساب کتاب کا مرحلہ شروع ہوگا۔

حشر اور میدان قیامت کی سخت ترین پیشی

حشر کیا ہے،دوسری زندگی کے بعد (یعنی برزخ کی زندگی یا قبر کی زندگی کے بعد) جملہ خلائق قبروں سے نکل کر ایک میدان میں اکھٹے ہوں گے اور یہیں ان کی قسمت کا فیصلہ سنایا جائے گا۔اس روز آفتاب لوگوں سے بے حد قریب ہوگا۔سورج کی تپش اور دھوپ سے محشر میں ایک اور قیامت برپا ہوگی اور آدمی کا پسینہ زمین پر پھیلا ہوا ہوگا۔چنانچہ حضرت مقداد بن اسودؓ سے منقول ہے کہتے ہیں"میں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے سنا فرماتے تھے"قیامت کے دن آفتاب لوگوں سے اتنا قریب کر دیا جائے گا کہ بقدر ایک میل کے رہ جائے گا اور لوگ اپنے اعمال کے بموجب پسینہ میں ہوں گے۔کسی کا ٹخنوں تک،کسی کا گھٹنوں تک،کسی کا کمر تک اور کسی کے منہ میں پسینے کی لگام ہوگی"۔یہ کہتے ہوئے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے دہن مبارک کی طرف اشارہ کیا"۔(مسلم 157/8) یعنی جن کا پسینہ کان کی لو تک جائے گا وہ منہ میں آئے گا۔منہ میں نہ آنے کے لیے لوگ بار بار اپنے منہ کو اوپر اٹھائیں گے۔

پھر جوں جوں انتظار کی گھڑیاں طویل ہوں گی لوگوں کا اضطراب اور تکلیف نا قابل برداشت ہوتی جائے گی۔پھر وہ سفارش کے لیے حضرت آدمؑ کے پاس آئیں گے لیکن وہ کہیں گے کہ نہیں آج میرا رب اتنا غضب ناک ہے کہ نہ آج تک ہوا ہے اور نہ بعد میں ہوگا۔میں نے نافرمانی کی تھی تم کسی اور کے پاس جاؤ لوگ ایک ایک پیغمبر کے پاس جائیں گے۔حضرت نوح علیہ السلام،حضرت ابراہیم علیہ السلام،حضرت موسیٰ علیہ السلام،حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام پیغمبر معذرت فرمائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے پاس جانے کا کہیں گے لوگ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے پاس آئیں گے آپ خاتم النبیین ﷺ سجدے میں گر جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کریں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد خاتم النبیین ﷺ سوال کرو پورا کیا جائے گا۔آپ خاتم النبیین ﷺ کہیں گے یا رب امتی امتی،کہا جائے گا آپ خاتم النبیین ﷺ کی امت میں سے جو لوگ بغیر حساب کتاب کے جنت میں جانے والے ہیں انہیں جنت کے سیدھے دروازے سے جنت میں داخل ہونے کا اشارہ کر دو''۔اس کے بعد لوگوں کو نامہ اعمال دیئے جائیں گے۔ہر شخص چاہے وہ پڑھا لکھا ہوگا یا ان پڑھ اپنا نامہ اعمال خود پڑھ سکے گا اور اپنے نامہ اعمال سے 100 فیصد متفق ہوگا۔پھر لوگ پل صراط پر سے گزریں گے۔دوسری شفاعت آپ خاتم النبیین ﷺ پل صراط پر فرمائیں گے۔پل صراط کے دونوں طرف میں آنکڑے لگے ہوئے ہوں گے۔ہر شخص پل صراط پر سے اپنے اعمال کے مطابق گزرے گا اور بے شمار لوگ دوزخ میں (آنکڑوں کی پکڑ سے) گرتے رہیں گے۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''ہر نبی کو ایک قبول ہونے والی دعا دی گئی تھی ہر نبی نے اپنی اس دعا کا فائدہ اپنی زندگی میں اٹھا لیا تھا۔میری اس دعا کا فائدہ اس شخص کو ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا۔اس کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ کی سفارش پر اس شخص کو دوزخ سے نکال دیا جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا۔ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق اپنی اپنی جنت میں رہے گا۔جنت میں داخل ہونے کے بعد ہر جنتی اپنے جنت کے گھر کو ایسے پہچانے گا جیسے وہ دنیا میں اپنے گھر کو پہچانا کرتا تھا۔جنت کے آرام و آسائش قرآن پاک اور احادیث میں بکثرت بتائے گئے ہیں۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''اللہ تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا اے جنت والو وہ کہیں گے اے رب ہم حاضر ہیں اور ہر طرح کی سعادت بس تیرے ہی لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیاتم لوگ راضی ہو گئے ہو وہ کہیں گے ہم کیوں نہ راضی ہوں گے؟ ہمیں تو تو نے وہ کچھ عطا کیا ہے جو اور کسی مخلوق کو عطا نہیں کیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہیں اس سے بھی اچھی چیز دیتا ہوں۔وہ عرض کریں گے اس سے زیادہ اچھی چیز اور کیا ہوسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تم پر اپنی رضامندی اتارتا ہوں اور اب ابدالآباد تک کبھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا''۔(بخاری، مسلم بالفاظ مسلم 144 8اللولوالمرجان 287/3 بخاری 142/8)

جنت کے درجات

جنت القرب	معرفت، حقیقت	انبیاءاوران کے رفقانیزاصطفٰی
جنت الفردوس	طریقت	شہداء، اولیاءکرامؒ
جنت نعیم	طریقت	صالحین، متقین
جنت الماویٰ	طریقت	اخیار، مخلصین
جنت عدن	شریعت	ابرار
جنت دارانوار	شریعت	مومن
جنت دارالسلام	شریعت	مومن
جنت خلد	شریعت	مومن (اعمال کے مطابق)

****

جہنم کے 7 طبقات

ہرطبقہ پہلے طبقے سے 70 کروڑ گنازیادہ گرم ہوگا

ہاویہ	وہ مسلمان جوبغیرتوبہ کئے مرجائیں گے	زمین کی آگ سے ستر کروڑ گنا زیادہ گرم
جہنم	فسادی	پہلے طبقے سے ستر کروڑ گنا زیادہ گرم
جحیم	یہودونصاریٰ کے برے لوگ	دوسرے طبقے سے ستر کروڑ گنا زیادہ گرم
حطمہ	ابلیس	تیسرے طبقے سے ستر کروڑ گنا زیادہ گرم
لظیٰ	صابی	چوتھے طبقے سے ستر کروڑ گنا زیادہ گرم
سعیر	مشرک	پانچویں طبقے سے ستر کروڑ گنا زیادہ گرم
سقر	منافقین	چھٹے طبقے سے ستر کروڑ گنا زیادہ گرم

سقر دوزخ کا سب سے زیادہ گرم ترین حصہ ہے اور یہ دوزخ کے سب سے نچلے والے حصہ میں ہوگا۔

****

قضااور قدر پر ایمان (اسلامی عقیدے کا چھٹا رکن)

قضا :- اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلے کو قضا کہتے ہیں۔

قدر:- اللہ تعالیٰ کے ازلی علم میں جو کچھ متعین ہوا، اس کو قدر کہتے ہیں۔

اچھی اور بری تقدیر اللہ کی طرف سے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تقدیر الٰہی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسی طرح ہر کام کو منجانب اللہ سمجھنا اور راضی برضا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ دل سے ماننا چاہیے کہ یہی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کی مشیت اور اس کی حکمت وتدبیر کا تقاضہ اور اس کے خلق وتکوین کا منشا ہے۔ لہٰذا دنیا میں جو حوادث پیش آ رہے ہیں ان میں اللہ کی کوئی نہ کوئی حکمت ومصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اس لیے حوادث کا جوانمردی سے مقابلہ کرنا اور تسلیم ورضا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ قابل ستائش اور ان کا مقابلہ نہ کرنا اور ان کے وقوع پذیر ہونے کے بعد تنگ دل ہونا۔ قابل نفریں سمجھا جاتا ہے۔

1۔ باری تعالیٰ کا علم بے حد وسیع ہے اور ہر چیز پر حاوی ہے۔

چنانچہ جو ہوا، جو ہونے والا ہے، جو نہیں ہوا، جو ہوگا تو کیونکر ہوگا؟ یہ سب اس کے احاطہ علم اور دائرہ قدرت میں ہے۔ اس کا علم بے پایاں اور اس کے اندازے اور پیمانے منظم ومستحکم ہیں۔ کوئی اسے عاجز نہیں کرسکتا۔ جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ کبھی نہیں ہوسکتا۔

عالم علوی (امن کا عالم) اور عالم سفلی (شر کا عالم) اور کل کائنات ایک خاص دستور فطرت کے ساتھ وابستہ اور مربوط ہے۔ اسی کا نام قضا وقدر ہے جس سے انکار بڑے سے بڑا منکر، جاہل، متکبر اور سرکش بھی نہیں کرسکتا اس لیے کہ علم الٰہی اور اس کے ساتھ کل کائنات کا باہم مربوط نظام انتہائی محکم اور منظم قوانین کی شکل میں ہمارے سامنے جلوہ گر ہے۔ جس کا انکار محال ہے۔ چنانچہ عالم افلاک ہو یا نور وظلمت کی دنیا انسان وحیوان ہوں یا نباتات وجمادات۔ اس میں شک نہیں کہ سب اسی تقدیر کے پابند ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ثم جئت علی قدر یموسیٰ	ترجمہ: ''پھر اے موسیٰ علیہ السلام تم تقدیر سے (یہاں) آ پہنچے"۔ (سورہ طٰہٰ۔ آیت نمبر 40)
و کان امر اللہ قدرًا مَّقدُورَا	ترجمہ: ''اور اللہ کا حکم (پہلے سے) تجویز کیا ہوا ہوتا ہے"۔ (سورہ الاحزاب۔ آیت نمبر 38)
وخلق کل شی فقدرہ تقدیرا	ترجمہ: ''اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کو خاص اندازے پر رکھا''۔ (سورہ الفرقان۔ آیت نمبر 2)

یہ قضا اور قدر کا مفہوم ہے اور یہ کوئی تعجب خیز اور قابل اعتراض بات نہیں ہے کہ باری تعالیٰ نے اپنے ازلی علم کے مطابق کل کائنات اور جملہ خلائق کو پختہ اور محکم اندازوں کے ساتھ وجود بخشا اور تمام حوادث اور واقعات کے ٹھیک اندازے قائم کر کے لوح محفوظ میں درج کر دیے۔ چنانچہ آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ ازل میں علم الٰہی کے اندازے کے عین مطابق ہے۔ اس میں نہ کسی قسم کی اصلاح، تبدیلی یا کمی بیشی کے لیے کوئی گنجائش ہے نہ کسی قسم کی تقدیم یا تاخیر یا حالت میں فرق کا کوئی امکان ہے۔ اور اس میں کوئی ایسی تعجب کی بات بھی نہیں ہے اس لیے کہ یہ ایک مشاہدہ کی بات ہے کہ جب کوئی گھر بنانا چاہتا ہے تو غور وخوض کے بعد کسی کاغذ پر اس کا نقشہ بنایا جاتا ہے پھر اس کے مطابق عمارت کی تعمیر کروائی جاتی ہے اور اپنی تمام تر توانائی اور علم کے ساتھ کوشش یہی کی جاتی ہے کہ کاغذ پر بنے ہوئے نقشے اور زمین پر کھڑی ہوئی عمارت میں کوئی فرق نہ آئے۔ جب ایک کمزور اور ناتواں انسان کا یہ اقدام قابل حیرت نہیں تو کائنات کے خالق ومالک اور پروردگار کے لیے یہ کوئی انہونا (تعجب خیز) کام نہیں۔

سورہ حدید آیت نمبر 22 میں فرمان الٰہی ہے: ترجمہ: ''کوئی مصیبت زمین پر اور خود تم پر نہیں پڑتی مگر وہ کتاب میں (لوح محفوظ میں) لکھی ہوئی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس کو دنیا میں پیدا کریں بلاشبہ یہ کام اللہ کے لیے آسان ہے''۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے فرمایا: ''جان لو کہ سب لوگ مل کر بھی اگر تمہیں کوئی معمولی سا نفع پہنچانا چاہیں تو وہ نہ پہنچا سکیں گے مگر اس قدر جتنا کہ باری تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا اور وہ سب مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ بھی نہ کرسکیں گے مگر اسی قدر جتنا کہ باری تعالیٰ نے مقدر فرما رکھا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور دفتر خشک ہوگئے ہیں (ترمذی قیامہ 9) (احمد 293) بخاری شریف کی ایک حدیث مبارکہ ہے (192/9)

ترجمہ: ''سب سے اول باری تعالیٰ تھا اس سے پہلے کوئی نہ تھا اس کا عرش پانی پر تھا پھر اس نے یہ آسمان اور زمینوں کو پیدا کیا اور لوح محفوظ میں تمام چیزوں کا اندراج کیا''۔ (بخاری)

حدیث: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''باری تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے کہا لکھو، اس نے کہا باری تعالیٰ میں کیا لکھوں؟۔ باری تعالیٰ نے

فرمایا تقدیر کو لکھ جو ہوا ہے اور جو ابد تک ہونے والا ہے''۔(ترمذی 17)(احمد 317/5)(ابوداؤد 527/2, 528)

حضرت انسؓ سے کسی کوتاہی کے سرزد ہونے پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے اہل بیت میں سے کسی نے تنبیہ کرنی چاہی تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:''انہیں چھوڑ دو اگر اس امر کا فیصلہ (بارگاہ خداوندی سے) صادر ہوتا تو وہ کام ضرور ہو جاتا''۔

صحیح مسلم میں ہے''حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کو جب یہ بتایا گیا" کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ تقدیر الٰہی کوئی چیز نہیں ہر بات بغیر تقدیر کے ہوتی ہے نہ اس سے پہلے علم الٰہی ہوتا ہے اور نہ تقدیر"۔۔۔آپؓ نے فرمایا"اگر تمہاری ملاقات ان لوگوں سے ہو تو کہہ دینا کہ نہ میرا ان سے کوئی تعلق ہے اور نہ ان کا مجھ سے"۔۔ابن عمرؓ قسم کھا کر فرماتے ہیں "اگر ان میں سے کسی کے پاس کوہ احد کے برابر سونا ہو اور وہ سب کا سب راہ خدا میں خیرات کر دے تب بھی خدا اس کی یہ خیرات قبول نہیں فرمائے گا تاوقتیکہ اس کا ایمان تقدیر پر نہ ہو"۔(مسلم 28/1)

یہ باری تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے اہل ایمان اور متقی بندوں کو سیدھا راستہ دکھایا۔انہوں نے قضا اور قدر کو دل سے تسلیم کیا اس کے انصاف اور مہربانی اس کے ارادے اور مشیت اس کے احکام اور حسن تدبیر سب کا سچائی سے اعتراف کیا۔اور یہ اعلان کیا کہ کسی شخص کا ایمان کامل نہیں ہوسکتا جب تک تقدیر الٰہی اور قضا و قدر پر پختہ اعتماد اور صحیح یقین نہ کرے۔چنانچہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو کچھ تمہیں پیش آتا ہے وہ لکھا ہوا ہے اور قلم خشک ہو گیا ہے اب چاہو لگے رہو، چاہو چھوڑ دو''۔(بخاری)

حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:''تم میں سے ہر شخص اور جاندار کی جگہ جنت یا دوزخ میں خدا تعالیٰ نے لکھ دی ہے"۔یہ سن کر صحابہؓ نے عرض کیا''حضور خاتم النبیین ﷺ پھر اپنے لکھے پر کیوں نہ قائم رہیں اور اعمال کرنے ترک کر دیں"۔فرمایا" کئے جاؤ کیونکہ جو شخص جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس کے لیے اسی کام کو آسان بنا دیا گیا ہے، چنانچہ جو سعید طبقے میں سے ہوگا وہ ان اعمال کی طرف رجوع کرے گا اور جو اہل شقاوت میں سے ہوگا وہ ان کے اعمال کی طرف جائے گا''۔(سنن ابی داؤد)

حق تعالیٰ نے بندوں کو فعل کرنے کی قدرت دی ہے اور ان کے جملہ اعمال کا اپنے پاس اندراج کیا اور ان کے وقوع سے پہلے ازل سے وہ ان امور پر آگاہ تھا اور اس امر میں کہ بندہ جو کام کرتا ہے اپنے ارادے سے کرتا ہے کرنے نہ کرنے کا اسے اختیار ہوتا ہے اور اسی قصد ارادے اور اختیار پر اسے جزا اور سزا ہے۔نیز یہ امر بھی تقدیر الٰہی میں پہلے سے درج ہے کہ بندہ اپنے ارادے سے ان اسباب کو کام میں لائے گا اور تجویز کردہ کام کو اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے آزادی کے ساتھ اسی طرح انجام دے گا جیسا کہ قضا اور قدر کی رو سے طے ہے۔اب بندہ اپنے حق میں سعادت یا اپنے خلاف کسی بدبختی میں اگر ماخوذ ہے تو اس میں شک نہیں کہ انہیں اسباب کے تحت ماخوذ ہے جسے وہ اپنی مرضی سے کرتا ہے اور جس کے لیے اس پر نہ کوئی دباؤ ہے نہ کسی قسم کا جبر۔اس امر کا ثبوت اس حدیث سے ہوتا ہے جس میں حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے جس بندے کو بہشت کے لیے پیدا کیا ہے اس کو بہشت والوں کے عمل میں لگا دیا۔یہاں تک کہ وہ بہشتوں کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو بہشت میں داخل فرما دیتا ہے اور جس بندے کو دوزخ کے لیے پیدا فرمایا اس کو دوزخیوں کے عمل میں لگا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ دوزخیوں کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے''(موطا 92/3،ابوداؤد 529/2،ترمذی 2،احمد 45/1)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بندے کی قسمت میں اللہ تعالیٰ جو کچھ لکھتا ہے اس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیتا ہے کہ وہ ان اسباب کو اختیار کرے گا جس سے نیک نامی پائے گا یا ان وسائل کو از خود اپنائے گا جس سے بدنامی ہاتھ آئے گی اور تقدیر کا یہ فیصلہ اسباب اور وسائل کے نظام کی بنیاد پر ہے۔نظام اسباب کی طرح نظام کائنات سے بھی اس توجیہ کے لیے دلیل ملتی ہے۔چنانچہ ہر کوئی جانتا ہے کہ انسان کائنات کا ایک پرزہ اور کل کائنات نظام قدرت کے مستحکم آئین کے ساتھ مربوط ہے اور تادم آخر اسی طرح مربوط اور مضبوط رہے گی۔البتہ کل کائنات کے مربوط (پابند) ہونے اور انسان کے پابند ہونے کے درمیان ایک اہم فرق ہے۔**وہ یہ کہ انسان اپنے نیک یا بد انجام کی طرف اپنے آزاد ارادے اور اپنی سعی سے پہنچتا ہے۔**اس لیے دوسرے جاندار اور انسان کی سعی اور کوشش میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔پھر چونکہ انسان با اختیار پیدا ہوا ہے اور بارگاہ الٰہی سے اسے مزید ارادہ اور اختیار مرحمت ہوا ہے جس سے وہ بیش از بیش کوشش کر سکتا ہے۔

اب انسان اور غیر انسان کی سعی میں باہم فرق یہ ہوا کہ غیر انسان تقدیر کے دائرے سے تجاوز نہیں کر سکتا۔اس لیے کہ اسے ارادہ و اختیار یا کسی قسم کی مہلت حاصل نہیں۔وہ نیک یا بد جس غرض کے لیے بنائے گئے اسی کے دائرے میں محصور ہوں گے اپنی مرضی سے کچھ نہ کر سکیں گے اس کی مزید تشریح اور وضاحت کے لیے عرض ہے کہ انسان حق تعالیٰ

کی مخلوق اور اس کا پروردہ ہے۔ جیسے سورج، چاند، تارے، حیوانات، نباتات اور کل کائنات اس کی پیدا کردہ اور پروردہ ہے۔ ان کی سرشت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جن اغراض کے لیے انہیں پیدا کیا یہ انہیں بدرجہ اتم پورا کرتے ہیں اور کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے۔ البتہ انسان کو صاحب ارادہ اور با اختیار بنایا ہے اور اسی پر اس کی سزا اور جزا کا دارو مدار ہے۔ جبکہ دوسرے جو صاحب ارادہ اور مکلف نہیں انہیں نہ تو کسی کارکردگی پر جزا ملے گی اور نہ ہی کوتاہی پر سزا کے مستحق ہوں گے۔ اگر صاحب ارادہ کا ارادہ کسی صورت سلب ہوگیا مثلاً کسی بندے پر زور زبردستی کی گئی، کسی اقدام کے لیے دباؤ ڈال کر مجبور کیا گیا تو اس پر مواخذہ یا محاسبہ نہ ہوگا۔ اس لیے کہ کامل خود مختاری اور آزادانہ عزم نہیں پایا گیا۔

کائنات کی تخلیق سے 50 ہزار سال پہلے سے یہ امر علم الٰہی میں تھا کہ فلاں فلاں تاریخ اور فلاں مقام پر فلاں فلاں بندہ پیدا ہوگا۔ جس کا نام یہ اور اس کی شناخت اور اوصاف یہ ہوں گے اور وہ اپنے ارادے اور اختیار سے فلاں فلاں نیک یا بد کام انجام دے گا تاوقتیکہ اس کا شمار نیک بختوں یا بدبختوں میں ہوگا۔ باری تعالیٰ نے اس علم کو اپنے پاس ایک نوشتہ میں درج کر دیا۔ اور پھر وہ وقت اور مقرر ساعت آئی جب اس مقام پر وہ آدمی پیدا ہوا۔ پلا بڑھا اور سن شعور تک پہنچا۔ اس کی صحت، عقل اور حواس سب کچھ درست ہیں۔ پھر اس پر حالات آئے اور کچھ افتاد میں پڑ گیا لیکن اس نے اپنی پسند اور مرضی کا راستہ چنا اور اس پر چل پڑا اُس پر کوئی دباؤ نہ تھا نہ کسی قسم کا جبر تھا۔ اس طرح اس نے پوری آزادی اور کامل خود مختاری سے اپنے لیے ایک راستہ اختیار کیا اور اس پر عمل پیرا ہوا۔ اب جو کچھ اس پر بیتی اور جیسا کچھ اس نے کیا اس میں شک نہیں کہ یہ سب کچھ نوشتہ الٰہی کے عین مطابق تھا جو حق تعالیٰ نے ازل میں اپنے قدیمی نوشتہ میں لکھوا دیا تھا۔ اس لیے اگر کوئی گناہ کا کام کرے تو اس پر عذاب ملنے یا عتاب کو تقدیر پر بہانہ نہیں بنانا چاہیے اس لیے کہ گناہ انسان اپنی مرضی سے کرتا ہے اگر وہ چاہتا تو گناہ کا راستہ چھوڑ کر ثواب کا راستہ اختیار کر سکتا تھا۔ رہیں وہ مشکلات اور پریشانیاں جن کا وقوع کسی گناہ یا حرام کاری کی وجہ سے نہیں ہوا نہ عبادت میں کوتاہی نہ نیت میں غفلت اس کا سبب بنی اور نہ شرعی قوانین کی خلاف ورزی یا دستور فطرت سے پہلوتہی اس کا سبب بنی۔ اگر ان باتوں میں سے کوئی بات نہ ہو اور پھر بندے پر کوئی افتاد آ جائے تو بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ ناگہانی آفت مقدر کا نتیجہ یا تکوینی مشیت کا سبب ہے اور مشیت ایزدی کے تحت کسی کو ایک کانٹا بھی چبھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں اس کا اجر دیں گے۔ اس لیے کہ یہ مصیبت اس پر اپنے ارادے یا اختیار کی وجہ سے نہیں آئی جیسے اس کے اوپر دیوار آ گری یا اس کو سانپ نے ڈس لیا یا اس کو ایسا حادثہ پیش آیا جس کا ذمہ دار وہ خود نہ تھا جبکہ پہلے سے علم نہ تھا کہ دیوار گر جائے گی۔ نہ وہ جانتا تھا کہ یہاں سانپ ہو سکتا ہے۔ اس طرح مقررہ رفتار سے تجاوز نہیں کیا اور نہ ہی وہ نشے میں تھا لیکن اگر وہ کسی معنی میں حوادث کے وقوع کا سبب بنا تو تقدیر پر الزام دینے کا اسے کوئی حق نہیں کیونکہ اس صورت میں اس نے دستور فطرت سے اعراض کرتے ہوئے حکم خداوندی سے اعراض کیا تو آپ اپنی بداعمالی اور نافرمانی کی سزا ملنی اس کے لیے لازم ہوگئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نظام خداوندی کی دو قسمیں ہیں۔

1۔ تکوینی مقدرات　　2۔ مشیت الٰہی کا تشریعی نظام

تکوینی مقدرات:۔ ارادے کی یہ وہ قسم ہے جس کا انسان جوابدہ نہیں نہ ہی اس نظام کے مطابق چلنے یا نہ چلنے پر اسے سزا یا جزا ملتی ہے۔ اس قسم کا ارادہ درحقیقت تقدیر اور نظام تقدیر سے جڑا ہوا ہوتا ہے جس پر راضی برضا رہنا اور اس کو تسلیم کرنا بندے کے لیے ضروری ہے اور جس سے اختلاف کا اسے کوئی حق نہیں اور اگر بلفرض کوئی بندہ اختلاف کرے تو اس کا یہ اقدام اللہ سے جنگ اور اس کے نظام سے تصادم کے مترادف ہوگا۔ جبکہ انسان مخلوق ہے اور زندگی کے ہر کام میں اپنے رب کا محتاج، چنانچہ ہوا، روشنی، اندھیرا، سویرا سب چیزوں کی اہمیت ہمیں معلوم ہے۔ اور سب چیزوں میں ہم رب کے محتاج ہیں۔ تکوینی نظام مشیت جس سے گریز انسان کے لیے ناممکن ہے اس کو اس طرح ذہن نشین کیا جا سکتا ہے مثلاً مرد کا مرد اور عورت کا عورت ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے اب اگر کوئی یہ چاہے کہ وہ مرد ہے تو عورت بن جائے یا عورت ہے تو مرد بن جائے تو یہ ناممکن ہے۔ یا کالا ہے تو گورا بن جائے یا گورا ہے تو کالا بن جائے۔ پست قد ہے تو سرو قد بن جائے یا مخصوص علاقہ اور ملک یا مخصوص دن، تاریخ اور سن میں کوئی پیدا ہو جائے تو اس کا کوئی امکان نہیں ہو گا۔ اس لیے کہ ان تمام امور کا تعلق تکوینی نظام سے ہے جس سے گریز ممکن نہیں ہے۔

مشیت الٰہی کا تشریعی نظام:۔ یہ وہ نظام ہے جس کے ذریعے حق تعالیٰ بندوں کو مامور اور مکلف بناتا ہے اور سزا اور جزا کو انہیں کے اوپر موقوف رکھتا ہے۔ ان احکام کی بجا آوری اور اطاعت بندوں پر ضروری ہے۔ ان تشریعی اور دینی معاملات کی تفصیل اللہ کی کتابوں میں درج ہے ان کی تعلیم دینے اور عام کرنے کے لیے انبیاء اور رسول معبوث ہوئے۔ غرض یہ ایک جامع دستور ہوتا ہے جس کو حق تعالیٰ بطور خاص بندوں کے لیے وضع کرتا ہے۔ اس کی صفات میں عقائد، عبادات، احکامات، مسائل، تعزیرات، معیشت، معاشرت اور اخلاق کے ضابطے درج ہوتے ہیں۔ اس دستور کے مطابق حق تعالیٰ بندے کو مکمل صلاحیت عطا کرتا ہے اور پھر اس کا امتحان لیتا ہے کہ یہ اپنے رب کی منشا اور اس کے پسندیدہ طریقوں کو اختیار کرتا ہے یا اُس کی منشا کے خلاف کرتا ہے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ترجمہ: ''بلاشبہ ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا تاکہ اس کو آزمائیں۔ تو ہم نے اس کو سنتا اور دیکھتا بنایا بلاشبہ ہم نے اس کو سیدھا راستہ دکھایا (اب

وہ) خواہ شکر گزار ہو یا ناشکرا ہو''۔(سورہ الدھر۔آیت نمبر 3-2)

پھرارشادفرمایا:''اللہ تعالیٰ نے تم کوایمان کی محبت دی اوردلوں میں اس کومرغوب بنادیا اور کفر اور فسق نافرمانی سے تم کونفرت دی ہے''۔(سورہ الحجرات۔آیت نمبر 7)

اللہ تعالیٰ خود کسی کو گمراہ نہیں کرتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ گمراہی کے راستے کسی کے لیے خود منتخب کرتا ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ راستی اور ہدایت کے تمام راستوں کو اس کے سامنے کھول کھول کر بیان کر دیتا ہے اور بندے کو راہ ہدایت اختیار کرنے اور اس پر چلنے کی پوری طاقت مرحمت فرما دیتا ہے۔اب اگر بندہ سب کچھ جانتے ہوئے ہدایت کے بدلے گمراہی اختیار کرتا ہے اور اس راستے پر چل پڑتا ہے تو حق تعالیٰ اس کے انتخاب پر اسے ڈھیل دیتا ہے اور مہلت دیتا ہے اور یہ دراصل انصاف خداوندی کا مظہر ہے۔اس کو ظلم وزیادتی کہنا خود بہت بڑا ظلم ہے۔

چنانچہ باری تعالیٰ سورہ توبہ۔آیت نمبر 115 میں فرماتا ہے:

''اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ ایک گروہ کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کردے جب تک ان کو وہ چیزیں (نہ) بتادے جن سے وہ پرہیز کریں''۔

اللہ تعالیٰ نے ہر برائی سے کلی طور پر اجتناب اور پرہیز کی تلقین فرمائی ہے اور اپنی کتابوں اور نبیوں کے ذریعے اس کو عام بھی فرما دیا ہے۔اب جو کوئی اس کے ممانعتی احکام اور نواہی کو سن کر ان برائیوں سے بچے گا وہ جزا پائے گا اور آخرت میں سرخرو ہوگا اور فلاح پانے والوں میں شامل کر دیا جائے گا۔اور جو کوئی لاپرواہی سے کام لے گا اور برائی سے منسلک رہے گا ہلاک ہو جائے گا اور سزا پائے گا،عذاب پانے والوں میں شامل ہو جائے گا۔

سورہ نحل۔آیت نمبر 33 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ:''اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے منصفانہ دستور کے تحت جزا اور سزا کا نفاذ عمل میں آتا ہے۔بندہ جو کرتا ہے اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے اگر اس نے ایسا کام کیا جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس کے کرنے کا حکم دیا اس کی طرف رغبت دلائی اور انجام دہی کی مکمل سہولت بخشی تو اس قسم کے ایک کام کا اجر اس نے دس گناہ زیادہ مقرر کیا ہے اور اگر بندہ کوئی ایسا کام کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور اللہ تعالیٰ سختی سے اس کی ممانعت کرتا ہے تو باری تعالیٰ اس سے دستبردار ہو جاتا ہے۔یہاں پر تمام تر قصور اس نافرمان بندے کا ہوتا ہے جو اطاعت کے بجائے نافرمانی کو ترجیح دیتا ہے۔خوش کرنے کی بجائے اسے ناراض کرتا ہے،لہٰذا اگر یہ اپنے کاموں پر نادم ہو کے توبہ استغفار نہ کرے اور معافی نہ مانگے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو سزا دے۔تو اس کو ظلم اور زیادتی نہ کہا جائے گا۔

سورہ النساء آیت نمبر 40 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :''بے شک اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ ایک نیکی ہوتی ہے تو اس کو وہ دو چند کر دیتا ہے اور اپنے پاس سے بڑا ثواب عطا فرماتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ انعام آیت نمبر 160 میں فرمایا ہے :''جو کوئی اللہ کے حضور ایک نیکی لے کر آئے گا اس کو دس نیکیاں ملیں گی اور جو کوئی ایک برائی لے کر آئے گا تو اس کو اس ایک ہی کی سزا ملے گی اور اس پر ظلم نہیں کیا جائے گا"۔

تقدیر پر ایمان لانے کے ثمرات:۔

1۔ راحت،اطمینان،نفس اور قلبی سکون 2۔ ایمان میں اضافہ کیونکہ اطاعت سے ایمان بڑھتا ہے۔

3۔ قناعت،عدم حسد اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر رضامندی کا اظہار۔ 4۔ مصائب پر صبر

تقدیر پر ایمان لانا بھی ضروریات دین میں سے ہے۔قرآن پاک سورۃ القمر۔آیت نمبر 49 میں فرمان الٰہی ہے۔

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ترجمہ:۔''ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا''

تقدیر کے عقیدے کا حاصل یہ ہے کہ۔

دنیا میں جو کچھ اب تک ہوا ہے۔اور آئندہ جو کچھ ہوگا۔وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ ازل کے مطابق ہوا ہے۔ہوتا ہے اور ہوگا۔یعنی جیسا ہونے والا تھا اور جیسا ہم کرنے والے تھے وہ اس نے اپنے علم ازلی کے موافق جانا اور لکھ دیا۔تو یہ نہیں کہ جیسا کہ اس نے لکھ دیا ویسا ہم کرنے پر مجبور ہیں۔بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے ویسا اس نے لکھ دیا۔یعنی اس نے ازل میں قلم سے کہا کہ لکھ قلم نے کہا کہ کیا لکھوں اس نے کہا کہ لکھ کہ آج سے ہزاروں سال کے بعد ایک شخص پیدا ہوگا اس کو صحت کے اچھے مواقع میسر ہوں گے۔اس کے پاس انبیاء اولیاء کی تعلیمات ہوں گی اس کے پاس تمام آسمانی کتابوں کا مواد ہوگا۔وہ اپنے اچھے اور برے کو سمجھنے کی خوب صلاحیت رکھتا ہوگا۔اس کے سامنے اچھے اور برے

راستے ہوں گے پھر اسے ارادہ اور اختیار دیا ہوا ہوگا۔ اب وہ شخص اپنی مرضی اپنے ارادے اور اپنے اختیار سے جو راہ اپنے لئے چنے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ادراک سے یا اپنے ازلی علم سے اسے جان کر وہ بات قلم سے لکھوادی کہ یہ شخص اپنی مرضی اپنے ارادے سے فلاں راستہ اختیار کر کے جنت کا مستحق ہوگا۔ یا یہ راہ اپنے ارادے اور اختیار سے استعمال کر کے اپنے لئے دوزخ کا دروازہ کھول لے گا۔

مثلاً زید کے لئے برائی لکھی اس لئے کہ وہ ایسا کرنے والا تھا اگر زید بھلائی کرنے والا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے بھلائی لکھتا۔ تو اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے لکھ دینے نے انسان کو مجبور نہیں کیا۔ انسان نے اپنے ارادے سے جو کچھ کرنا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے جانا اور پھر لکھ دیا تقدیر کا مسئلہ عام عقلوں میں نہیں آسکتا۔ اس پر زیادہ غور فکر نہیں کرنا چاہیے۔

تقدیر کے منکر کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے مجوسی قرار دیا۔

تو اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلے کو قضا کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے ازلی علم میں جو کچھ متعین ہوا اسے قدر کہتے ہیں۔

قضا کی قسمیں:۔ قضا کی تین قسمیں ہیں۔

1۔ قضاء مبرم:۔ وہ علم جو علم الٰہی میں کسی شے پر معلق نہیں اس میں تبدیلی ناممکن ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے اس حکم اور فیصلہ میں تبدیلی ممکن نہیں ہے۔

2۔ قضاء معلق:۔ وہ علم جو علم الٰہی میں معلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے اس حکم اور فیصلہ میں تبدیلی ممکن ہے۔

3۔ قضاء معلق محض:۔ وہ علم جو صحف ملائکہ میں کسی شئے پر معلق ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے اس حکم اور فیصلہ میں تبدیلی ممکن ہے پس قضائے معلّق اور قضائے معلّق محض میں انبیاءؑ، غوثؒ، اولیاءؒ اور نیک وصالح مسلمانوں کی دعاؤں، صدقہ خیرات، دوا وعلاج سے تبدیلی ممکن ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آدمی کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے۔ بیمار ہوتا ہے یہ سب قضاء کے موافق ہوتا ہے۔ (یعنی اللہ کے حکم اور فیصلے سے) مگر دعا وصدقہ خیرات اور علاج سے شفا ہو جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ قضا (حکم یا فیصلہ) معلق تھی۔

قضاء مبرم آدمی بیمار ہوتا ہے۔ علاج معالجہ کرواتا ہے۔ صدقہ خیرات کرتا ہے۔ ہزار کوشش کرتا ہے لیکن پھر بھی مر جاتا ہے۔ اور کوئی چیز موت کو ٹال نہیں سکتی تو یہ مثال قضاء مبرم کی ہے۔

سورۃ تغابن، آیت نمبر 11 میں ارشاد ہے۔ ترجمہ:۔ ’’تمہیں کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر اللہ کے حکم سے‘‘

سورۃ یٰسین میں فرمایا۔ ترجمہ: ’’سورج اپنے ٹھہراو پر چل رہا ہے چاند اپنی متعین منزلیں طے کرتا ہے۔ اور پرانی ٹہنی کی طرح خمیدہ ہو کر لوٹتا ہے نہ تو سورج کو یہ قدرت ہے کہ چاند کو پالے اور نہ رات دن سے آگے بڑھے ہر ایک اپنے اپنے انداز میں تیر رہا ہے یہ ہے غالب علم والے کی تقدیر‘‘ (یسین خلاصہ مفہوم آیت نمبر 38، 39، 40)

سورۃ فاطر میں فرمایا! ترجمہ:۔ ’’کوئی عورت حمل نہیں رکھ سکتی ہے اور نہ جنتی اور نہ کسی کی عمر دراز کر سکتی یعنی نہ کسی کم عمر کو عمر میں درازی ملتی ہے نہ اس کی عمر کم کی جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے‘‘ سورہ فاطر خلاصہ مفہوم آیت نمبر 11)

تقدیر کے عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ جو کامیابی ہمیں حاصل ہوتی ہے تو اس کے متعلق ہمیں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ سب کچھ ہماری کوشش عقل وفکر کا نتیجہ ہے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا نتیجہ ہے اس لئے کسی کامیابی پر فخر وغرور بے جا ہے۔

عاجزی ہی انسان کی عظمت ہے اس طرح اگر ہم کو کوئی ناکامی پیش آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت کا نتیجہ ہے اور انسان کا اس میں فائدہ ہے۔ ہمارے کاموں کے نتیجے اس علام الغیوب کے علم میں مقرر ہو چکے ہیں اس لئے ہم کو دل شکستہ اور مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ خوشی خوشی، جوش وخروش اور سرگرمی سے از سر نو جدوجہد کرنی چاہئے اور نیکیوں کی طرف خلوص قلب سے متوجہ ہونا چاہیے۔

مختصر یہ کہ انسان کو اپنی تقدیر پر راضی رہنا چاہیے۔ تقدیر میں تقابلی جائزہ! ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں ہیں۔ جن میں سر کھپانے کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ جتنا رب نے چاہا اتنا ہمیں بتادیا۔

****

عقیدہ ختم نبوت پر ایمان

عقیدہ ختم نبوت پر ایمان دین کا لازمی اور بنیادی تقاضا ہے۔ پوری امت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ ختم نبوت جز و ایمان ہے۔ اور اگر کوئی کسی بھی معنی میں اس کا انکار کرے تو وہ کافر، مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے بعد کسی شخص کا نبی ہونے کا دعویٰ کرنا ہادی برحق نبی آخر الزماں کی سخت ترین توہین ہے۔ یہ فتنہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی حیات مبارکہ میں بھی اٹھا اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے بعد بھی۔ لیکن اس کی سرکوبی کر کے اسے کچل دیا گیا۔ یمن میں اسود عنسی نامی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تو سرکار دو عالم ﷺ نے اس فتنے کے خاتمے کے لیے حضرت فیروز ویلمیؓ کو بھیجا جنہوں نے اسود عنسی کا خاتمہ کیا۔ اس کامیابی پر آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو مبارک باد دی۔ اسی طرح آپ خاتم النبیین ﷺ کی حیات مبارکہ میں طلحہ اسدی نامی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ جس کے خاتمہ کے لیے آپ خاتم النبیین ﷺ نے حضرت ضرار بن ازورؓ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا۔ یہ فتنہ ختم ہوا اور لشکر اسلام کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی دی۔

عقیدہ ختم نبوت میں امت مسلمہ کی وحدت کا راز مضمر ہے۔ آج تک عقیدہ ختم نبوت میں امت کی دو رائے نہیں ہوئیں۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد موجود ہے۔ (سورہ الاحزاب، آیت نمبر 40)

ترجمہ: ''نہیں ہیں محمد (خاتم النبیین ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ لیکن آپ اللہ کے رسول اور تمام انبیاء کے (سلسلہ نبوت و رسالت) ختم کرنے والے ہیں''۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''میری امت میں تیس کذاب اور دجال پیدا ہوں گے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے''۔ (ترمذی جلد دوئم باب الفتن)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے شہادت والی انگلی اور برابر والی انگلی کھڑے کر کے بتایا ''میں اور قیامت اس طرح ہیں۔ اس طرح میرے اور قیامت کے بیچ کوئی نبی نہیں ہوسکتا''۔ (ترمذی)

اب اگر دو انگلیوں کے بیچ کوئی انگلی پھوٹ پڑے تو وہ انگلی نہیں ناسور کہلائے گا۔ نبوت کے جھوٹے دعویداروں کا یہ سلسلہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے زمانے میں ہی چل پڑا تھا اور مرزا غلام احمد قادیانی تک 23 جھوٹوں کی کہانی سامنے آئی۔ اور امت محمد یہ خاتم النبیین ﷺ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کے ناموس، عزت و حرمت پر قربان ہوتے ہوئے ہر دور کے جھوٹے نبی اور جھوٹی نبوت دونوں ہی کو دفن کر دیا۔

****

اسلام اور ایمان (حصہ اوّل)

ارکان اسلام:- اسلام کے ارکان پانچ ہیں:

(1) گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد (خاتم النبیین ﷺ) اس کے رسول ہیں یعنی کلمہ پڑھنا (2) نماز قائم کرنا
(3) زکوٰۃ ادا کرنا (4) رمضان المبارک میں روزے رکھنا (5) (استطاعت ہو تو) حج کرنا۔

ارکان ایمان:- ایمان کے ارکان چھ ہیں:۔

(1) اللہ پر ایمان لانا (2) اس کے فرشتوں پر ایمان لانا (3) اس کی کتابوں پر ایمان لانا
(4) اس کے رسولوں پر ایمان لانا (5) آخرت کے دن پر ایمان لانا (6) اور یہ کہ اچھی اور بری تقدیر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

اسلام نظر آنے والی چیز ہے اور ایمان نظر نہ آنے والی چیز نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے زمانے میں جب منافق بار بار اسلام لانے کی دہائی دیتے تھے کہ ہم آپ خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر بتا دیا کہ: (سورہ الحجرات، آیت نمبر 14)

ترجمہ: ''اے محمد (خاتم النبیین ﷺ) یہ لوگ ایمان لانے کی بات کرتے ہیں۔ یہ ایمان نہیں لائے، یہ اسلام لائے ہیں، ایمان تو ابھی ان کے دلوں میں اترا ہی نہیں ہے۔''

حدیث: حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت ہے کہ ہم ایک دن حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص سامنے سے نمودار ہوا جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت ہی زیادہ سیاہ تھے اور اس شخص پر سفر کا کوئی اثر بھی معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اور ہم میں سے کوئی بھی اس نو وارد شخص کو نہیں پہچانتا تھا جس سے یہ بات ذہن میں آئی کہ یہ کوئی اجنبی ہے تو یہ شخص حاضرین کے حلقہ سے ہوتا ہوا آیا۔ یہاں تک کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے سامنے آکر دو زانو اس طرح بیٹھ گیا کہ اپنے گھٹنے آپ خاتم النبیین ﷺ کے گھٹنوں سے ملا دیئے اور اپنے ہاتھ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی رانوں پر رکھ دیئے اور کہا ''اے محمد خاتم النبیین ﷺ! مجھے بتایئے کہ اسلام کیا ہے؟'' آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اسلام یہ ہے کہ تم یہ شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد خاتم النبیین ﷺ اس کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان المبارک کے روزے رکھو اور حج بیت اللہ کی استطاعت رکھتے ہو تو حج کرو''۔ اس نو وارد شخص نے آپ خاتم النبیین ﷺ کا جواب سن کر کہا کہ ''آپ ﷺ نے سچ کہا''۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ ہمیں اس شخص پر تعجب ہوا کہ یہ پوچھتا بھی ہے اور پھر خود اس کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ اس کے بعد اس شخص نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا ''اے محمد خاتم النبیین ﷺ ایمان کیا ہے؟'' آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو، اس کے فرشتوں کو، اس کے رسولوں کو، اس کی کتابوں کو، اور روز آخرت یعنی قیامت کو حق جانو اور یہ کہ خیر و شر اور تقدیر کو حق جانو"۔ یہ سن کر پھر اس نو وارد نے کہا کہ ''آپ خاتم النبیین ﷺ نے سچ کہا''۔ اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا "اب مجھے یہ بتایئے کہ احسان کیا ہے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی تم اس طرح کرو، گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ سکتے تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے''۔ اجنبی نے کہا ''آپ خاتم النبیین ﷺ نے سچ کہا''۔ پھر اس نے عرض کیا " قیامت کے متعلق بتایئے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''جس سے یہ سوال کیا جا رہا ہے وہ اس سوال کے جواب کو سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا''۔ اس نے عرض کیا" قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتا دیجئے"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے جواب دیا کہ ''اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ لونڈی اپنے آقا اور مالک کو جنے گی اور دوسری نشانی یہ ہے کہ تم دیکھو گے کہ جن کے پاؤں میں جوتا اور تن پر کپڑا نہیں ہے اور جو تہی دست اور بکریاں چرانے والے ہیں وہ بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے اور اس میں ایک دوسرے سے بازی لے جانیکی کوشش کریں گے''۔
حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ بات سن کر وہ نو وارد شخص چلا گیا۔ پھر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اے عمرؓ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ سوال کرنے والا شخص کون تھا"؟ میں نے عرض کیا ''اللہ اور اس کے رسول ہی جانتے ہیں کہ وہ کون تھا''۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔ تمہارے پاس اس لیے آئے تھے کہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں''۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ایمان تصدیق کو کہتے ہیں اور مومن سے مراد مصدق یعنی تصدیق کرنے والا اسلام سے مراد فرمانبرداری کو ماننے اور سرکشی، انکار و عناد کو چھوڑنے کے ہیں۔

حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سے ایک مرتبہ کسی نے سوال کیا، "اعمال میں سے کونسا افضل ہے"؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اسلام'' پھر سائل نے عرض کیا "اسلام کونسا افضل ہے"؟

آپ ﷺ نے فرمایا ''ایمان''۔ (مسند احمد) اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں مختلف بھی ہیں لیکن ایک دوسرے میں داخل بھی ہیں۔ **اسلام تسلیم کا نام ہے خواہ دل میں ہو یا زبان میں یا اعضاء سے ان سب میں بہتر وہ تسلیم ہے جو دل سے ہو اور یہ دل کی تسلیم وہی تصدیق ہے جس کو ایمان کہتے ہیں۔**

حضرت جبرائیلؑ کی حدیث میں ایمان کی شرط بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، رسولوں، کتابوں، آخرت اور اچھی اور بری تقدیر کہ اللہ کی طرف ہی سے ہے ان باتوں کی تصدیق کرے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان دل کی تصدیق ہے اور زبان دل کا ترجمان ہے۔

حدیث:- حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں ''ایک شخص جو علاقہ نجد کا رہنے والا تھا اور اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے کچھ کہتا ہوا رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی طرف آیا ہم اس کی بھنبھناہٹ تو سنتے تھے مگر آواز صاف نہ ہونے کی وجہ سے یا شاید فاصلے کی زیادتی بھی اس کی وجہ ہو ہم اس کی بات کو سمجھ نہیں رہے تھے یہاں تک کہ وہ رسول پاک ﷺ کے قریب آ گیا۔ اس نے آنے کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا، " یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ مجھے اسلام کے وہ خاص احکام بتایئے جن پر عمل کرنا بحیثیت مسلمان میرے اور تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے" ؟۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" دن رات میں پانچ فرض نمازیں سب سے اہم ہیں" ۔ اس نے عرض کیا" کیا ان پانچ نمازوں کے علاوہ اور کوئی نماز بھی میرے اوپر لازم ہے" ۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" نہیں فرض تو بس یہی پانچ ہیں مگر تمہیں حق ہے کہ اپنی طرف سے، اپنے دل کی خوشی سے، زائد نمازیں پڑھو اور زائد ثواب حاصل کرو" ۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''سال میں ایک ماہ رمضان کے روزے فرض ہیں''۔ اس نے عرض کیا" کیا رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ کوئی اور روزے بھی میرے لیے لازم ہیں" ۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''نہیں فرض تو بس یہی ہیں لیکن تمہیں حق حاصل ہے کہ تم ان روزوں کے علاوہ اپنے دل کی خوشی سے اور نفلی روزے رکھو اور مزید ثواب اور قرب الٰہی حاصل کرو''۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے اس شخص کو فریضہ زکوٰۃ کا بھی ذکر فرمایا۔ اس پر بھی اس نے یہی سوال کیا کہ " کیا اس زکوٰۃ کے علاوہ کچھ اور خرچ کرنا بھی میرے لیے ضروری ہے" ؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''نہیں فرض تو بس یہی ہے لیکن تمہیں حق ہے کہ اپنے دل کی خوشی سے تم نفلی صدقہ وخیرات کرو اور مزید ثواب حاصل کرو''۔ راوی حدیث حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ سوال کرنے والا واپس لوٹ گیا اور وہ کہتا جا رہا تھا کہ نبی پاک خاتم النبیین ﷺ نے مجھے جو کچھ بتایا ہے میں اس میں کسی بھی قسم کی کمی یا زیادتی (اپنی طرف سے) نہیں کروں گا۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" فلاح پائی اس نے اگر یہ سچا ہے'' (بخاری ومسلم)

حدیث:- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" تم جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ تم صاحب ایمان نہ ہو جاؤ اور تم پورے مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم میں باہمی محبت نہ ہو جائے۔ کیا میں تم کو ایک ایسی بات بتلاؤں کہ اگر اس پر عمل کرنے لگو تو تم میں باہمی محبت پیدا ہو جائے؟ اور وہ بات یہ ہے کہ تم اپنے درمیان سلام کا رواج پھیلاؤ اور اس کو عام کرو" ۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

حدیث:- حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کو اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ میری محبت نہ ہو" ۔ (بخاری ومسلم)

حدیث:- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل تو ''لا الہ الا اللہ'' کا قائل ہونا، یعنی توحید کی شہادت دینا ہے اور ان میں ادنیٰ درجہ تکلیف دینے والی چیز کو راستے سے ہٹا دینا ہے اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے''۔ (بخاری ومسلم)

حدیث:- حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا" ایمان کی علامت کیا ہے" ؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے جواب دیا کہ ''جب تم کو اپنے اچھے عمل سے خوشی ہو اور برے کام سے رنج ہو تو تم (ایمان والے) مومن ہو"۔ (مسند احمد)

حدیث:- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''کوئی ہے ایسا شخص جو ان باتوں پر خود عمل کرے یا کم از کم ان لوگوں کو ہی بتا دے جو ان پر عمل کریں''؟ میں بولا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ! میں حاضر ہوں" ، آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور یہ پانچ باتیں ارشاد فرمائیں۔

1۔ حرام باتوں سے دور رہنا بڑے عبادت گزاروں میں شمار ہوگا۔　　2۔ اللہ تعالیٰ جو تیری تقدیر میں لکھ چکا ہے اس پر راضی رہنا بڑے بے نیاز بندوں میں شمار ہوگا۔

3۔ اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرنا مومن بن جاؤ گے۔　　4۔ جو بات اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لیے پسند کرنا کامل مسلمان بن جاؤ گے۔

5۔ اور بہت زیادہ ہنسی سے پرہیز کرنا کیونکہ اس سے دل مر جاتا ہے اور چہرے کی رونق جاتی رہتی ہے" ۔ (جامع ترمذی)

حدیث:- نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ سے نکل جائے گا''۔ (بخاری، مسلم)

اسلام اور ایمان (حصہ دوم)

ہم اسلام لائے کہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ زبان سے اقرار ہے۔اس کے بعد جو چیزیں لازم ہیں وہ نماز، روزہ، قرآن پاک کا پڑھنا اور حج کرنا ہے، یہ اعضاء سے اسلام لانا ہے۔ایمان لائے اللہ اس کی کتابوں پر اس کے فرشتوں، مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے، اچھی اور بری تقدیر کا اللہ کی طرف سے جاننا، یہ تمام چیزیں وہ ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتیں، ان تمام باتوں کا زبان سے اقرار کرنا اور دل سے ان تمام باتوں پر یقین رکھنا ایمان ہے۔

اس لئے جب ایک مسلمان کہتا ہے:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

تو یہ زبانی اقرار ہے اس کے ساتھ ہی تمام باقی مندرجہ بالا باتوں پر یقین اور اقرار کرنا ضروری ہوا، اب کلمہ کا زبانی اقرار تو ہو گیا لیکن کلمہ میں ہم نے بہت بڑی بات کا اقرار کیا ہے۔وہ یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔تو زبانی اقرار تو ہو گیا کہ اللہ میرا رب ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ رب مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ تو تصدیق بلقلب اس وقت تک نہ ہو گا، جب تک لا الہ الا اللہ کے لیے پورے قرآن پاک کو کم از کم ایک مرتبہ پورے ترجمے سے نہ پڑھ لیا جائے۔کیونکہ اس کے مطالعے سے ہی معلوم ہو گا کہ جس ہستی کو میں نے اپنا رب کہا ہے وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے؟۔مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے؟، یہ تمام باتیں ہمیں قرآن پاک کے ترجمہ سے ہی معلوم ہوں گی۔پھر محمد الرسول اللہ تو کہہ دیا اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت کی اُمید بھی رکھ لی لیکن آپ خاتم النبیین ﷺ کی سیرت مبارکہ کا مطالعہ کرنا ضروری نہ سمجھا۔تو محمد الرسول اللہ کے تصدیق بلقلب کے لئے آپ خاتم النبیین ﷺ کی سیرت مبارکہ کا مطالعہ کرنا ضروری ہو گا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کونسا ایمان ہے؟ جس کا نتیجہ آتش دوزخ سے نکلنا ہے، تو بعض کا قول ہے کہ زبان سے اقرار اور دل سے یقین اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ یہ صرف دل کے یقین کا نام ہے، اور کچھ لوگ تیسری بات بھی بڑھاتے ہیں یعنی اعضاء سے عمل کرنا۔

واضح رہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ جو کوئی مندرجہ بالا تینوں باتوں کا جامع ہو گا بے شک اس کا ٹھکانہ جنت میں ہو گا۔تو یہ تو ایک درجہ ہے دوسرا درجہ یعنی دل سے یقین اور زبان سے اقرار اور عمل نہ کرنا تو کیا کافر ہو جائے گا؟ یا پھر دل سے یقین اور زبان سے فوراً اقرار کرنے کے بعد مر جائے اور عمل نہیں کیا تو کیا وہ شخص جہنم میں جائے گا؟ یقیناً نہیں۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" دوزخ سے نکالا جائے گا ہر وہ شخص جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو گا" . (بخاری حدیث 6192 مسلم حدیث 184)

اس سے بھی ایمان والوں کا دوزخ میں جانا ثابت ہے کیونکہ اگر دوزخ میں نہ جائے گا تو باہر کیسے نکلے گا؟ اور قرآن پاک سے ثبوت اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نَّ اللهَ لاَ يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ (سورہ النساء۔آیت نمبر 116)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشتا جو اس کا شریک ٹھہرائے اور اس کے سوا جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے"۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مندرجہ بالا آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ صرف اس کو نہیں بخشے گا جو اس کے ساتھ کسی کو شریک کرتے ہیں۔یعنی انسان صرف ایک صورت میں کفر کی حدود کو چھوئے گا جب اللہ اور اس کے رسول کو نہ مانے۔باقی اس کی مرضی جسے چاہے معاف کرے اور جسے چاہے سزا دے۔جیسا کہ قرآنی آیت سے ثابت ہے:

رجمہ: "جو کوئی حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) کا سو وہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے"۔ (سورۃ النساء۔آیت 14 اور سورۃ توبہ۔آیت 63)

اکابر سلف کا قول ہے، ایمان دل کی تصدیق اور قول زبان اور عمل کا نام ہے تو قول سے کیا غرض ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عمل کو ایمان میں شامل کرنا کچھ بعید نہیں کیونکہ عمل ہی ایمان کا تمام کرنے والا ہے اور ایمان کو پورا کرنے والا ہوتا ہے۔مثلاً سر اور دونوں ہاتھ مل کر انسان ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر سر نہ ہو تو انسان ہی نہیں رہتا لیکن اگر ہاتھ کٹا ہو تو انسانیت کے زمرے سے خارج نہیں ہو گا۔اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ تسبیحات اور تکبیریں نماز سے ہیں، اگرچہ نماز ان کے نہ ہونے سے باطل نہیں ہوتی۔تو ایمان میں دل کی تصدیق بمنزلہ آدمی کے سر کے لئے ہے کہ اگر سر نہیں تو آدمی نہیں، اور اگر دل کی تصدیق نہیں کی تو ایمان نہیں۔اور دوسرے اعمال مثل آدمی کے ہاتھ پاؤں کے ہیں کہ بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔

ایک اور بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ آدمی کا ایمان گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ایمان، اعمال صالحہ اور اطاعت خداوندی سے زیادہ ہوتا رہتا ہے اور گناہوں کی زیادتی سے گھٹتا رہتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ عمل ایمان کا جز نہیں ہے اور نہ ہی اس کے وجود کا رکن ہے بلکہ یہ ایک زائد چیز ہے جس سے ایمان بڑھتا رہتا ہے۔جیسے انسان موٹاپے سے بڑھ

جاتا ہے یا جیسے نماز کا ثواب سنتوں اور نوافل اور مستحب سے بڑھ جاتا ہے۔

پس عمل ایمان کی پختگی کے بڑھانے اور زیادہ کرنے میں ایک تاثیر رکھتا ہے، جیسے پانی دینا درختوں کو بڑھانے میں تاثیر رکھتا ہے۔اس بناء پر حضرت علیؓ نے فرمایا''ایمان ایک سفید نشان کی طرح ظاہر ہوتا ہے پس جب آدمی نیک اعمال کرتا ہے تو یہ نشان بڑھتا رہتا ہے، یہاں تک کے تمام دل سفید ہو جاتا ہے۔اور نفاق ایک سیاہ نقطہ شروع میں ہوتا ہے مگر جب آدمی بُرے اعمال کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے اور پھر اس پر مہر لگا دی جاتی ہے۔اور پھر آپؐ نے سورۃ المطففین کی یہ آیت نمبر ۱۴ پڑھی،

کلا بل ران علیٰ قلوبھم ما کانو یکسبون

ترجمہ:''کچھ نہیں بس زنگ پکڑ گئے ہیں ان کے دل جو کچھ کہ یہ کمایا کرتے تھے''۔

دوسرا اطلاق یہ ہے کہ ایمان کی تصدیق سے دل اور عمل دونوں مراد ہیں۔

جیسے آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" ایمان کے ستر قسم کے باب ہیں(یعنی ایمان ستر قسم کا ہے)"(بخاری ومسلم)

کسی شخص کو کافر نہ کہا جائے مگر اس صورت میں کہ جس چیز کا اقرار کر چکا ہے اس کا منکر ہو یعنی''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا اور یہ بھی کہ اس چیز کا منکر کہ میں ایمان لایا اللہ پر،اس کے رسولوں پر،اس کی کتابوں پر،موت کے بعد جی اٹھنے پر،اور یہ کہ اچھی اور بری تقدیر اس کی طرف سے ہے۔اس میں سے کسی بات کا بھی منکر ہوا تو وہ کافر ہے۔ورنہ کسی کو ہم کافر نہیں کہہ سکتے۔

اب ایک نہایت ہی اہم مسئلے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ سلف سے منقول ہے کہ ہم مومن ہیں ان شاءاللہ،لفظ ان شاءاللہ تو شک کے واسطے ہے اور ایمان میں تو شک کرنا کفر ہے۔جبکہ سلف کے تمام لوگ ایمان کے جواب میں یقین کے الفاظ بولنے سے باز رہتے اور احتراز کرتے ہیں۔

چنانچہ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص یوں کہے کہ میں اللہ کے نزدیک مومن ہوں وہ جھوٹا ہے،اور جو کوئی یہ کہے کہ میں حقیقت میں مومن ہوں تو اس کا یہ کہنا بدعت ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ جو شخص واقعی میں مومن ہے وہ جھوٹا کیسے ہو سکتا ہے؟۔حضرت سفیان ثوریؒ سے جب پوچھا گیا کہ پھر ایمان کے جواب میں کیا کہا جائے؟ یعنی اگر یہ پوچھا جائے کہ کیا آپ مومن ہیں تو کیا جواب دیا جائے؟ فرمایا کہ کہا جائے ان شاءاللہ۔

حضرت حسنؒ سے کسی نے پوچھا" آپ مومن ہیں"؟ فرمایا" ان شاءاللہ"۔سائل نے عرض کیا''اے ابوسعیدؒ آپ ایمان میں ایسا لفظ شک کا فرما رہے ہیں'' آپ نے فرمایا''مجھے ڈر ہے کہ اگر میں ہاں کہہ دوں گا تو کہیں اللہ تعالیٰ یہ نہ کہے کہ اے حسن تو جھوٹ کہتا ہے اور پھر مجھ پر عذاب کا حکم فرما دے"۔

حضرت ابو درداؓ نے فرمایا" جو کوئی ایمان کے چھن جانے سے نڈر ہو تو خدشہ ہے کہ اس کا ایمان چھن جائے گا۔اس لئے خوف میں رہنا چاہئے"۔

حضرت علقمہؓ سے کسی نے پوچھا کہ مومن ہو جواب دیا کہ''توقع ہے ان شاءاللہ تعالیٰ'' -

حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا" ہم اللہ پر،اس کے فرشتوں پر،اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک ہم کون ہیں"

پس اول تو اپنے نفس کو پست کرنے کے لئے انشاءاللہ کہتا ہے۔دوسرے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو یہی قاعدہ تعلیم فرمایا ہے کہ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَيْءٍ اِنِّي فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا۝إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ (سورہ الکھف۔آیت نمبر 24-23)

ترجمہ:''نہ کہو کسی کام کو کہ میں کروں گا کل مگر یہ کہ اللہ چاہے''۔

چنانچہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے یہ طریقہ قاعدہ اختیار کیا (قاعدہ) کہ جس چیز کی آپ خبر دیتے خواہ یقینی یا مشکوک سب میں ان شاءاللہ کہتے، یہاں تک کہ جب قبرستان جاتے تب بھی کہتے''سلام ہو اے ایمان والو ہم ان شاءاللہ تم سے ملنے والے ہیں''-(سنن ابن ماجہ)

حالانکہ ان سے ملنے میں کچھ بھی شک نہیں لیکن ادب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: " چار چیزیں ایسی ہیں جس میں یہ ہوں وہ نرا منافق ہے،اگر چہ روزہ رکھے نماز پڑھے اور کہے کہ میں مومن ہوں۔

1۔ جب بات کرے جھوٹ بولے

2۔ وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے

3۔　　امانت میں خیانت کرے

4۔　　جب جھگڑے تو گالی گلوچ کرے" -(بخاری شریف)

اس طرح ابوسعید خدریؓ نے فرمایا" دل دو ہیں ایک دل صاف جس میں چراغ روشن ہو وہ مومن کا دل ہے۔ایک دل وہ جو دوُرخا ہے،اس میں ایمان اور نفاق ہے۔ اور لوگوں میں نفاق سے قریب تر وہ ہیں جو یہ سمجھیں کہ ہم نفاق سے بری ہیں" ۔

حضرت حذیفہؓ نے فرمایا" نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے عہد میں ایک بات کوئی آدمی کہتا تھا،جس کے باعث مرتے دم تک منافق ہو جاتا تھا۔اور میں تم سے وہی کلمہ دن میں دس مرتبہ سنتا ہوں" ۔

حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے کہا" لوگ کہتے ہیں کہ اب نفاق نہیں رہا" ،انہوں نے جواب دیا" بھائی اگر منافق مرجائیں تو راستوں میں وحشت ہو جائے"-یعنی منافق اس کثرت سے ہیں کہ اگر وہ مرجائیں تو راستے ہی ویران ہو جائیں۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"جس شخص کے دنیا میں دو رخ ہوں گے قیامت کے دن اس کے لیے آگ کی دوزبانیں ہوں گی" ۔(سنن ابی داؤد)

ایک قول ہے" زبان کا دل سے مختلف ہونا اور ظاہر کا باطن سے مختلف ہونا نفاق ہے" ۔

پس عمر کے تمام ایام ایمان کی درستگی کی مدت ہیں،مگر اس کی صحت اور کمال خاتمے کے وقت پر موقوف ہے کہ مومن کے ساتھ ہی ایمان رہتا ہے۔اور خاتمے کے حال میں شک ہے،اور اس وجہ سے بہت سے خوف کرنے والے ڈرتے رہتے ہیں۔کیونکہ خاتمہ پہلے مقدمہ اور خواہش ازلی کا ثمرہ ہے۔اور خواہش ازلی وہ چیز کہ جس پر حکم ہو چکا ہے ظاہر ہے آدمیوں میں سے کسی کو اس پر اطلاع نہیں۔

اس صورت میں کون جان سکتا ہے کہ میں انہی لوگوں میں سے ہوں جن پر کاتب ازلی خوب لکھ چکا ہے؟۔اس لئے حضرت ابودرداؓ نے قسم کھا کر کہا" جو کوئی اپنے ایمان کے چھن جانے سے نڈر ہوگا اس کا ایمان چھن جائے گا" ۔اور بعض کا قول ہے" گناہوں میں سے ایسے گناہ ہیں کہ ان کی سزا خاتمے کا برا ہونا ہے" ۔

اور بعض عارف فرماتے ہیں" روایتوں اور کرامات کا جھوٹا دعویٰ کرنے کی سزا خاتمہ کا برا ہونا ہے" ۔

بعض بزرگوں سے مروی ہے" اگر فرض کیا کہ مجھ کو مکان کے دروازے پر شہید ہونا ملتا ہے اور حجرے کے دروازے پر توحید پر مرنا حاصل ہوتا ہے،تو میں حجرے کے دروازے پر توحید پر مرنا اختیار کروں گا،اس لئے کہ مجھے کیا معلوم کہ صحن کو طے کر کے مکان کے دروازے تک جانے میں میرے دل کی توحید میں کیا تبدیلی ہو جائے گی" ؟

اور بعضوں نے کہا ہے" اگر میں کسی شخص کو پچاس برس تک موحد نہ مانوں اور پھر میرے اور اس کے درمیان ایک ستون حائل ہو جائے،اور وہ مرجائے تو میں یہ کہوں گا کہ وہ توحید پر مرا ہے۔اس لئے کہ اتنے عرصے میں اس کے دل کا حال معلوم نہیں کہ ویسا ہی رہا ہوگا کہ نہیں" ؟

جو شخص یہ کہے کہ میں مومن ہوں وہ کافر ہے،اور جو یہ کہے کہ میں عالم ہوں وہ جاہل ہے،کیونکہ صدق اس شخص کے لئے ہے جو ایمان پر مرا اور تمام انجام کاموں کا اللہ کے لئے ہے۔پس جب شک اس درجہ کا ہے تو ان شاءاللہ کہنا واجب ہے کیونکہ ایمان اسی کو کہتے ہیں۔سادہ زندگی گزارنا ایمان میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی کسی بات میں بھی شک کرنا،اس سے انکار کرنا،اس کو جھٹلانا،اس میں عیب نکالنا یا اس کا مذاق اڑانا،ان سب باتوں سے ایمان جاتا رہتا ہے۔

قرآن وحدیث کے کھلے اور واضح حکم کو نہ ماننا یا اونچ نیچ کر کے اپنے مطلب کے معنی گھڑنا نیز گناہ کو چھوٹا جاننا یا گناہ کو حلال سمجھنا اس سے بھی ایمان جاتا رہتا ہے۔

ایمان شرک اور کفر میں فرق:

مثال نمبر1۔

ایک شخص بیمار ہوا ڈاکٹر نے دوائی دی،اللہ نے کرم کیا،مریض شفایاب ہو گیا اور شکر گزار رہا کہ اللہ کے کرم سے میں ٹھیک ہو گیا یہ ایمان ہے۔

مثال نمبر2۔

ایک شخص بیمار ہوا ڈاکٹر نے دوائی دی،اللہ نے کرم کیا،مریض شفایاب ہو گیا اور کہا اللہ اور ڈاکٹر نے مجھے ٹھیک کر دیا،یا اوپر اللہ نیچے ڈاکٹر،یا کسی دعا کرنے والے کو کہا جائے اوپر اللہ نیچے آپ کا آسرا ہے،ان تمام چیزوں میں اس ڈاکٹر اور دعا کرنے والے کو اللہ کا شریک کیا گیا ہے پس یہ شرک ہوا۔

مثال نمبر 3۔

ایک شخص بیمار ہوا ڈاکٹر نے دوائی دی، اللہ نے کرم کیا، مریض شفایاب ہوا، یا کسی دعا کرنے والے نے دعا کی (گو کہ شفا صرف اللہ کی عنایت سے ہوتی ہے) اور شفا یاب ہونے کے بعد اس شخص نے کہا میں نے بہترین ڈاکٹر سے علاج کروایا یا فلاں پہنچے ہوئے بزرگ نے مجھے ٹھیک کر دیا ایسا کہنا کفر میں داخل ہے۔

یادرکھیں کسی بھی مصیبت کا دور ہونا، بیمار کا شفایاب ہونا، بیماری کا ٹل جانا، قرض کا اتر جانا، کسی حادثے سے بچ جانا، کسی حاجت کا پورا ہو جانا، سب کا سب کبھی بھی اتفاق پر وقوع پذیر نہیں ہوتا، ان تمام باتوں کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا کرم کارفرما ہوتا ہے۔ اور ان تمام امور کو پورا کرنے میں وہ ہی مختلف لوگوں کو وسیلہ بنا دیتا ہے، اب وسیلوں کو خدا مان لینا اپنی ہی جہالت، کم عقلی اور کم سمجھی ہے۔

توحید کیا ہے؟

توحید یہ ہے کہ تو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اب اگر کسی شخص کی موت توحید پر ہوتی ہے اسلام پر نہیں یعنی کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کو تو مانتا ہے یعنی زبان سے اقرار اور دل سے یقین کرتا ہے لیکن، وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ حج وغیرہ بالکل ادا نہیں کرتا۔ مرنے کے بعد اس شخص کو عبادت نہ کرنے پر پوری پوری سزا دی جائے گی لیکن پھر توحید کی وجہ سے جنت میں بھیج دیا جائے گا۔

جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا" جنت میں جائے گا وہ شخص جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان موجود ہوگا" ۔(مسلم)

اور ایمان ہونے کی پہلی شرط توحید اور رسالت ہے یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور پھر میں ایمان لایا اللہ پر، اس کے رسولوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے فرشتوں پر، یوم آخرت پر، اور یہ کہ اچھی اور بری تقدیر اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔

پس جس کا خاتمہ ایمان پر یا توحید و رسالت پر ہوا وہ ایک نہ ایک دن جنت میں ضرور داخل ہوگا (ان شاء اللہ)

پارہ 22 سورہ فاطر آیت نمبر 32 میں ارشاد خداوندی ہے:

''پھر یہ کتاب قرآن ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ پھر بعض تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض متوسط درجے کے ہیں اور بعض اللہ کے فضل سے نیکیوں میں ترقی کرتے جاتے ہیں یہ بڑا ہی فضل ہے''۔

اس آیت میں ان مومنین کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا ہے۔ ایک تو وہ لوگ جو صاحب ایمان تو ہیں لیکن صاحب عمل نہیں بلکہ الٹا برے اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں جن سے وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ لیکن اپنی ان بدعملیوں کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں کی فہرست سے خارج نہیں ہوتے بلکہ اپنے ایمان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے ہی رہتے ہیں۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ہر مومن کو ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جیسے ہی کوئی مومن ہوتا ہے تو پڑھتا ہے ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (سورۃ البقرہ آیت نمبر 257)

اللّٰہ ولیُ الذین اٰمَنُوْ

ترجمہ:"اللہ ایمان والوں کا دوست ہے "۔

ان کے علاوہ اللہ کے پسندیدہ لوگوں میں وہ حضرات ہیں جو صاحب ایمان بھی ہیں اور صاحب عمل بھی، وہ اپنی اپنی استعداد اور خدا کی عطا فرمائی ہوئی توفیق کے مطابق نیکیاں کر کے مختلف درجات تک ترقی حاصل کرتے ہیں۔ کوئی متوسط درجے تک ترقی کرتا ہے کوئی اس سے آگے، کوئی اس سے آگے، ترقی کی کوئی حد نہیں۔ دنیاوی اصطلاح میں ایک طرح کے گریڈ ہیں تو ترقی کر کے کوئی ابدال کا گریڈ حاصل کرتا ہے، کوئی اوتاد کا، کوئی اخیار کا، کوئی قطب کا، کوئی غوث کا، کوئی شہید کا، کوئی صدیق کا۔

انبیاء سے نیچے صدیق کا درجہ ہے صدیق کا درجہ انبیاء سے نیچے سب سے بلند ہے۔ یہ اسلام کی تاریخ میں حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ کسی کو نصیب نہیں ہوا اور یہ لقب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے علاوہ کسی اور کے لئے ثابت نہیں۔

پھر یہی لوگ نیک اعمال، مجاہدہ اور ریاضت میں ترقی کر کے اپنے گریڈ میں ترقی پاتے ہیں تو ولایت خاصہ عطا ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ اولیاء کہلاتے ہیں جن کی تعداد کا کسی کو علم نہیں ہے۔

****

ایمانیات

ایمان کے اصل معنی ہیں کسی پر اعتماد کرنا اور اس کی وجہ سے اس کی بات کو سچ ماننا، جب انسان کو کسی کی سچائی کا یقین ہو جاتا ہے تو وہ اس کی بات مان لیتا ہے۔ ایمان کی اصل روح بھی یہ اعتماد و یقین ہے۔ یعنی آدمی کے مومن ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان تمام باتوں کو حق مان کر قبول کرے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولوں کے ذریعے آتی ہیں۔ مثلاً

1۔ اللہ پر ایمان: اللہ تعالیٰ پر ایمان یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ سے موجود جانے اور مانے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور یہ بھی کہ اس کی ذات عیب سے پاک ہے اور تمام اچھی صفتوں کا مالک اور تمام خوبیوں کا سرچشمہ ہے۔

2۔ فرشتوں پر ایمان: کا مطلب ہے کہ فرشتوں کے وجود کو سچ مانے اور یہ بھی یقین کرے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی پاکیزہ مخلوق ہیں جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی بندگی میں لگے رہتے ہیں۔

3۔ کتابوں پر ایمان: کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً اپنے رسولوں کے ہاتھ جو ہدایت نامے اتارے ان کو سچ اور حق ماننا اور یہ بھی کہ پہلی تمام کتابوں میں تبدیلیاں ہوئیں ہیں لیکن آخری کتاب میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اور یہ آخری وقت تک کے لیئے منشور ہدایت ہے۔ اس کتاب کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے اس لیے اس میں کوئی تبدیلی واقع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

4۔ رسولوں پر ایمان: لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے رسول بھیجے ہیں وہ سب سچے ہیں۔ سب نے بغیر کسی تبدیلی کے اللہ تعالیٰ کے احکامات بندوں تک پہنچائے۔ اس سلسلے میں آخری نبی رسول پاک خاتم النبیین ﷺ ہیں، اور اب انسانوں کی نجات صرف اور صرف آپ خاتم النبیین ﷺ کی پیروی میں ہے۔

5۔ آخرت پر ایمان: لانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس حقیقت کو دل سے مان لے کہ ایک ایسا دن آنے والا ہے جس میں انسانوں کی پوری زندگی میں کئے گئے کاموں کی جانچ پڑتال ہوگی۔ اچھے اعمال پر انعام اور برے اعمال پر سزا دی جائے گی۔

6۔ تقدیر پر ایمان: لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا مکمل یقین ہو کہ جو کچھ اس دنیا اور اگلی دنیا میں ہوگا وہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہو رہا ہے۔ صرف وہی مالک حقیقی ہے اور وہی اس کائنات کا بنانے والا ہے اور اس کا چلانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مخلص اور پسندیدہ بندوں پر جو مصیبتیں اور مشکلات آتی ہیں وہ ان کی آزمائش ہوتی ہے اور بُرے نافرمان اور سرکش لوگوں پر ان کے اعمال کی سزا کے طور پر آتی ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ہوتا ہے۔

اللہ پر ایمان لانے کا مطلب

معاملات زندگی میں ایمان کے اثرات:

حدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے جب بھی خطبہ دیا اس میں یہ ضرور فرمایا کہ ''جس کے اندر امانت نہیں۔ اس کے اندر ایمان نہیں اور جسے عہد کا پاس نہیں اس کے پاس دین نہیں'' (مشکوٰۃ)

اخلاقیات پر ایمان کے اثرات

حضرت عمرو بن عبسہؓ نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا "ایمان کیا ہے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ایمان نام ہے صبر اور سماحت کا"۔ (مسلم)

یعنی انسان اللہ کی راہ اپنے لیے پسند کرے اور پھر جو تکالیف آئیں انہیں خوش دلی سے برداشت کرے اور اس کی مخلوق کا خیال رکھے جو کچھ اللہ نے دیا ہے وہ اس کی مخلوق پر خرچ کرے۔ نیز سماحت کا لفظ نرمی، حلیمی اور اعلیٰ ظرفی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

کامل ایمان رکھنے والی صفات

حدیث: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جس نے اللہ کے لیے دوستی، اللہ کے لیے دشمنی، اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے روک لیا۔ اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا"۔

ایمان کی حلاوت کی نشانیاں

حدیث: حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ایمان کا مزہ چکھا اس شخص نے جو اللہ کو اپنا رب ماننے، اسلام کو اپنا دین ماننے اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو اپنا رسول تسلیم کرنے پر راضی ہو گیا"۔ (بخاری مسلم)

یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی میں اپنے آپ کو سپرد کرنے کے بعد اسلامی شریعت کی پیروی کر کے اپنے آپ کو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی راہ نمائی میں دے کر پوری طرح مطمئن ہے۔ وہ اس بات پر (پوری طرح) دل سے راضی ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی بندگی نہیں کرنی ہے اور صرف اور صرف اسلام ہی کی راہ پر چلنا ہے۔ اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے سوا کسی اور شخص کی راہنمائی میں زندگی نہیں گزارنی۔ جو شخص اللہ کی بندگی اس طریق پر کرے اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے طریقے کو اپنی زندگی کے لیے مشعل راہ بنالے سمجھ لو کہ اس نے ایمان کی حلاوت (مٹھاس، ٹھنڈک) پالی۔

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لانے کا مطلب

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''بہترین کلام اللہ کی کتاب اور بہترین سیرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی سیرت ہے"۔ (مسلم)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں ایک کتاب الٰہی اور دوسری اپنی سنت" (مستدرک حاکم، مجمع الزوائد)

یعنی یہی دو چیزیں ہیں جن کو مضبوطی سے پکڑ لیا جائے تو راہ نجات مل جائے گی۔

قرآن پاک ہمارے پاس علمی شکل میں آیا اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ عملی شکل میں تشریف لائے۔ تاکہ قرآن پاک سے مخلوق خدا کو مرادِ ربّانی سمجھائیں۔

سنت کی پیروی

حدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اے میرے پیارے بیٹے اگر تو اس طرح زندگی گزارے کہ تیرے دل میں کسی کی بدخواہی نہ ہو تو ایسی زندگی بسر کر، پھر فرمایا یہی میرا طریقہ ہے (کہ میرے دل میں کسی کے لیے کھوٹ نہیں) اور جس نے میرے طریقے (میری سنت) سے محبت کی تو بے شک اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ رہے گا"۔ (مسلم)

حدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے " تین آدمی حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس آئے اور عبادت کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ جب انہیں آپ خاتم النبیین ﷺ کی عبادت کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے آپ خاتم النبیین ﷺ کے مقابلے میں اپنی عبادت کو کم تصور کیا، کہنے لگے " نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے ہمارا کیا مقابلہ، ان سے نہ تو پہلے گناہ صادر ہوئے ہیں اور نہ بعد میں ہوں گے (یعنی وہ معصوم ہیں اور ہم معصوم نہیں ہیں) لہٰذا ہمیں زیادہ عبادت کرنے کی ضرورت ہے"۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے طے کیا کہ "وہ ہمیشہ پوری رات عبادت میں گزارے گا"۔ اور دوسرے نے کہا "میں ہمیشہ نفلی روزے میں رہوں گا"۔ تیسرے نے کہا "میں عورتوں سے الگ رہوں گا، کبھی شادی نہ کروں گا" جب آپ خاتم النبیین ﷺ کو ان کی باتوں کی اطلاع ملی تو آپ خاتم النبیین ﷺ ان کے پاس گئے اور فرمایا" کیا وہ تم ہی لوگ ہو جنہوں نے ایسا ایسا کہا ہے"؟ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" بلاشبہ میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور اس کی نافرمانی سے بچنے والا ہوں لیکن دیکھو میں (نفلی) روزے کبھی کبھی رکھتا ہوں، کبھی نہیں رکھتا (یعنی مسلسل نہیں رکھتا یہ کہ ہمیشہ روزے سے نہیں رہتا) اس طرح میں رات میں نوافل بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور دیکھو میں بیویاں بھی رکھتا ہوں (سو تمہارے لیے عافیت میرے طریقے کی پیروی میں ہے یعنی میری سنت پر عمل کرنے میں) جو شخص میری سنت سے بے رخی برتے گا یعنی جس کی نگاہ میں میری سنت کی وقعت نہیں وہ میرے گروہ میں سے نہیں ہے"۔ (مسلم)

حدیث: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے پاس حضرت عمرؓ آئے اور کہا" ہمیں یہودیوں کی کچھ باتیں اچھی معلوم ہوئی ہیں تو آپ خاتم النبیین ﷺ کی کیا رائے ہے؟ کیا ان میں سے کچھ باتیں ہم لکھ لیں"؟ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''کیا تم بھی گمراہی کے کھڈے میں گرنا چاہتے ہو؟۔ جیسے یہود ونصاریٰ اپنی کتابوں کو چھوڑ کر گمراہی کے کھڈے میں گر گئے تھے۔ میں تمہارے پاس وہ شریعت لے کر آیا ہوں جو سورج کی طرح روشن اور آئینے کی طرح صاف ہے اگر آج موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کرنی ہوتی''۔ (مسلم)

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" کوئی شخص (مطلوبہ درجے کا) مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کا ارادہ اور اس کے نفس کا میلان میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہیں ہوجاتا"۔ (مشکوٰۃ)۔

ایمان اور حُبِ رسول ﷺ

حدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" تم میں سے کوئی شخص (مطلوبہ درجے کا) مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کی نگاہ میں اس کے باپ، اس کے بیٹے اور سارے انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں"۔ (بخاری ومسلم)

حدیث: حضرت عبدالرحمان بن ابی قرادؓ سے روایت ہے "ایک دن حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے وضو فرمایا اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے کچھ اصحاب آپ خاتم النبیین ﷺ کے وضو کا پانی لے کر اپنے چہروں پر ملنے لگے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا" تمہارے اس کام کا محرک کیا ہے"؟ لوگوں نے کہا" اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی محبت"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جس شخص کو اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ سے محبت پر مسرت ہوتی ہو یا وہ یہ پسند کرے کہ اللہ اور اس کا رسول خاتم النبیین ﷺ اس سے محبت کرے تو اسے چاہیے کہ جب بات کرے تو سچ بولے جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اسے چاہیے کہ بحفاظت، مالک کے حوالے کر دے اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے"۔(مشکوٰۃ شریف)

ایمان اور محبت رسول خاتم النبیین ﷺ میں آزمائش

حضرت عبداللہ بن مغضلؓ سے روایت ہے "ایک شخص حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پاس آیا اور اس نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا (یا رسول اللہ ﷺ) "میں آپ خاتم النبیین ﷺ سے محبت کرتا ہوں"، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جو تم کہہ رہے ہو اس پر غور کر لو"۔ اس نے تین بار کہا" بخدا میں آپ خاتم النبیین ﷺ سے محبت کرتا ہوں"، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو فقر و فاقہ کا مقابلہ کرنے کے ہتھیار فراہم کر لو کیونکہ جو لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں ان کی طرف فقر و فاقہ (تنگ دستی) سب سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ بڑھتا ہے"۔(جامع ترمذی)

قرآن مجید پر ایمان لانے کا مطلب

فرمان الٰہی ہے سورہ طٰہٰ آیت نمبر 123 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ (طٰہٰ آیت نمبر 123)

ترجمہ: ''جو شخص میرے ہدایت نامہ (قرآن پاک) کی پیروی کرے گا وہ نہ تو دنیا میں بھٹکے گا اور نہ آخرت میں بدبختی سے دوچار ہوگا"۔

حدیث: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا" قرآن پاک میں پانچ علوم ہیں۔ حلال، حرام، محکم، متشابہ، اور امثال۔ پس حلال کو حلال سمجھو۔ حرام کو حرام قرار دو، محکم (واضح حکم والی آیات جن میں عقیدے اور قانون وغیر کی تعلیم دی گئی ہے)۔ پر عمل کرو۔ متشابہ کی کرید میں مت پڑو اور امثال (قوموں کی تباہی کے عبرت ناک قصوں سے عبرت حاصل کرو"۔(مشکوٰۃ)

حدیث: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کئے ہیں انہیں برباد نہ کرنا اور کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان کا ارتکاب نہ کرنا اور کچھ حد بندیاں ہیں انہیں پھلانگ کر آگے نہ بڑھنا۔ اور کچھ چیزوں سے اس نے (بلا بھولے) خاموشی اختیار کی ہے تم ان کی کرید میں نہ پڑنا"۔(مشکوٰۃ)

حدیث: حضرت زیاد بن عبیدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ایک خوفناک چیز کا ذکر فرمایا۔ پھر فرمایا" ایک ایسا زمانہ آئے گا جب دین کا علم مٹ جائے گا"۔ تو میں نے کہا" اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ علم کیسے مٹ جائے گا؟ جب کہ ہم قرآن مجید پڑھ رہے ہیں اور اپنی اولادوں کو پڑھا رہے ہیں"۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''خوب اے زیاد میں تو تمہیں مدینے کا انتہائی سمجھدار آدمی سمجھتا تھا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یہ یہود و نصاریٰ کیسے اور کتنی تلاوت کرتے ہیں؟ لیکن اپنی کتاب کی تعلیمات پر کچھ بھی عمل نہیں کرتے"۔(ابن ماجہ)

تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب

قرآن پاک سورہ اللیل میں فرمان الٰہی ہے:

مفہوم: ''جس نے مال خرچ کیا اور تقویٰ کی راہ اختیار کی اور بہترین بات (قرآن پاک) کی تصدیق کی تو ہم اسے اچھی (جنت کمانے کی) توفیق دیں گے اور جس نے اپنا مال خرچ کرنے میں بخل کیا اور (کتاب اللہ سے) بے پرواہ رہا اور اچھی زندگی کو جھٹلایا تو ہم اسے تکلیف والی زندگی (جہنم) کی توفیق دیں گے''۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ پر درج کر دیا ہے کہ آج سے ہزاروں سال کے بعد ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوگا، پھر وہ اپنی مرضی، اپنے ارادے اور اپنے اختیار سے جو اعمال کرے گا (اللہ تعالیٰ نے اپنے ادراک سے معلوم کر کے لوح محفوظ میں درج کر دیا ہے) ان اعمال کی جزا میں جنت میں جائے گا یا ان اعمال کی سزا میں دوزخ میں جائے گا۔ یعنی وہ اپنی جنت اور دوزخ اپنے ارادے اور اختیار سے حاصل کرے گا۔

حدیث: حضرت ابوخزامہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا" میں نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا، "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ یہ دعا و تعویذ

جسے ہم اپنی بیماریوں کے سلسلے میں کرتے ہیں اور یہ دوائیں جو ہم اپنے مرض کو دور کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور یہ احتیاطی تدابیر جو ہم دکھوں اور مصیبتوں سے بچنے کے لیے اختیار کرتے ہیں کیا یہ تمام چیزیں اللہ کی لکھی ہوئی تقدیر کو ٹال سکتی ہیں"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"یہ تمام چیزیں بھی تو اللہ کی تقدیر میں سے ہیں"-(ترمذی حدیث2065-ابن ماجہ 3437)

قضاء کی تین قسمیں ہیں

(1)قضاءمبرم (2) قضاءمعلق (3)قضاءمعلق محض

قضاءمبرم: وہ علم جو علم الٰہی میں سے کسی شے پر معلق نہیں۔اس میں تبدیلی ناممکن ہے۔یعنی اللہ کے اس حکم یا فیصلے میں تبدیلی ناممکن ہے۔

قضاءمعلق: وہ علم جو علم الٰہی میں معلق ہے،یعنی اللہ تعالیٰ کے اس حکم اور فیصلہ میں تبدیلی ممکن ہے۔

قضاءمعلق محض: وہ علم جو صحائف ملائکہ میں کسی شے پر معلق ہو۔

پس قضاءمعلق اور قضاءمعلق محض میں انبیاءؑ،صحابہؓ، غوثؒ،اولیاءؒ،صدیقین،صالحین اور مسلمانوں کی دعاؤں،نیز صدقہ،خیرات،دوا،علاج،سے تبدیلی ممکن ہے۔جبکہ قضائے مبرم میں انسان بیمار ہوتا ہے،علاج کرتا ہے،دعائیں کی جاتی ہیں،ہزار کوششیں ہوتی ہیں لیکن پھر بھی انسان مرجاتا ہے،یعنی یہ کہ کوئی چیز اس کی موت کو ٹال نہیں سکتی تو قضاءمبرم اللہ کا وہ فیصلہ ہے جس میں تبدیلی ممکن نہیں۔

تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ جو کامیابی ہمیں ہوتی ہے اس کے متعلق ہرگز یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ یہ ہماری عقل ہماری سمجھ،ہماری تدبیر یا ہماری کوشش سے ہوا ہے۔بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے کرم اور فضل کا نتیجہ ہے۔اس طرح انسان کو اگر کوئی ناکامی پیش آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کی وجہ سے ہوتی ہے جس کو سمجھنے سے انسان قاصر ہوتا ہے۔جبکہ انسان کا فائدہ اس میں ہوتا ہے۔

آخرت پر ایمان لانے کا مطلب

حدیث: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"میں عیش وآرام اور بےفکری کی زندگی کیسے گزار سکتا ہوں؟ جب کہ حال یہ ہے کہ اسرافیل منہ میں صور لیے،کان لگائے پیشانی جھکائے انتظار کررہے ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم ہوتا ہے"؟۔لوگوں نے عرض کیا"اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"یہ پڑھتے رہا کرو:

حسبنا اللہ و نعم الوکیل

ترجمہ:"(ہمارے لیے)اللہ کافی ہے،وہ بہتر کارساز اور سرپرست ہے"-(ترمذی)

حدیث: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"اگر کوئی شخص قیامت کے دن کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ یہ تین سورتیں پڑھا کرے۔(1)**اذاالشمس کورت(سوۃالتکویر)** (2)**اذاالسماءانفطرت(سورہ الانفطار)** (3)**اذاالسماءانشقت(سورہ انشقاق)**

ان تینوں سورتوں میں قیامت کا بہت موثر انداز میں نقشہ کھینچ دیا گیا ہے"-(ترمذی)

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے"ایک دن نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے سورہ الزلزال تلاوت فرمائی اور فرمایا"اس دن زمین اپنے احوال بیان کرے گی"۔پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا"جانتے ہو کہ زمین کے احوال بیان کرنے کا مطلب کیا ہے"؟انہوں نے جواب دیا"اللہ اور اس کا رسول خاتم النبیین ﷺ ہی جانتے ہیں"۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"زمین قیامت کے دن گواہی دے گی کہ فلاں مرد اور فلاں عورت نے میری پیٹھ پر،فلاں دن،فلاں وقت یہ برا کام کیا تھا،یا یہ اچھا کام کیا تھا"-،یہی مطلب اس آیت نمبر 4 کا(لوگوں کے اعمال کو اس آیت میں اخبار کہا گیا ہے)

حدیث: حضرت عدیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"تم میں سے ہر شخص سے اللہ تعالیٰ(قیامت کے دن)براہ راست(حساب لے گا)سوال کرے گا۔اس وقت وہاں نہ کوئی ترجمان ہوگا اور نہ کوئی اوٹ ہوگی جو اسے چھپالے۔یہ شخص اپنی داہنی جانب دیکھے گا(کہ شاید کوئی سفارشی یا مددگار مل جائے)تو سوائے اپنے اعمال کے اور کوئی اسے دکھائی نہ دے گا۔پھر بائیں طرف دیکھے گا تو ادھر بھی سوائے اپنے اعمال کے کچھ نظر نہ آئے گا۔پھر سامنے کی طرف نظر دوڑائے گا تو ادھر صرف دوزخ دیکھے گا(جو اپنی تمام تر ہولناکیوں کے ساتھ ماحول کو دہشت زدہ کئے ہوئے ہوگی)تو اے لوگو آگ سے بچنے کی فکر کرو،چاہے ایک کھجور کا آدھا حصہ ہی دے کر سہی"۔(متفق علیہ)

یہاں پر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے خیرات کی ترغیب دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ صدقہ خیرات میں اللہ تعالیٰ مال کی کمی بیشی نہیں دیکھتا وہ تو دینے والے کے جذبے اور خلوص کو دیکھتا ہے۔

حدیث: رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا، "قیامت کے دن ایک بندہ اللہ کے حضور حاضر کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا" اے فلاں کیا میں نے تجھے عزت اور شرف نہیں بخشا تھا؟ کیا تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ کیا تیرے قبضے میں گھوڑے اور اونٹ نہیں دیئے (سواری نہیں دی تھی) اور کیا میں نے تجھے مہلت نہیں دی تھی کہ تو اپنی حکومت کو چلاتا اور لوگوں سے مال وصول کرتا تھا"؟ وہ ان نعمتوں کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا" کیا تو سمجھتا تھا کہ ایک دن تجھے ہمارے سامنے حاضر ہونا ہوگا"؟ وہ کہے گا" نہیں "،تو اللہ اس سے کہے گا" جس طرح تو نے مجھے دنیا میں بھلائے رکھا، اسی طرح آج میں تجھے بھلا دوں گا'' (مسلم، الترغیب والترہیب)

پھر ایک دوسرا (منکر قیامت) پیش ہوگا اور اس سے بھی وہی سوالات ہوں گے پھر، پھر ایک تیسرا شخص پیش کیا جائے گا اس سے بھی وہی سوال کئے جائیں گے جو پہلے دو آدمیوں سے (جو کافر تھے) کئے گئے تھے۔ یہ شخص جواب دے گا'' اے میرے رب میں تجھ پر، تیری کتابوں پر، تیرے رسولوں پر ایمان لایا تھا، میں نماز پڑھتا تھا، روزے رکھتا تھا، تیری راہ میں دولت خرچ کرتا تھا"، پھر اسی طرح پوری قوت سے وہ اپنے بہت سے نیک کام گنوائے گا، تب اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا" بس اب رک جاؤ"، پھر اللہ تعالیٰ کہے گا" ہم ابھی تیرے خلاف گواہی دینے والا بلاتے ہیں"، وہ سوچے گا میرے خلاف گواہی کون دے سکتا ہے؟ اس لمحہ اس کے منہ کو مہر لگا کر بند کر دیا جائے گا (کیونکہ یہ گستاخ اللہ کے حضور بھی جھوٹ بولنے سے نہ شرمایا) پھر اس کی ران، اس کے گوشت اور ہڈیوں سے سوال ہوگا، تو یہ سب اس شخص کی تمام تر مکارانہ حرکتوں کو تفصیل سے بیان کر دیں گے، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" یہ وہ آدمی ہے جس نے دنیا میں منافقت برتی (بظاہر پارسا بنا رہا) اور یہ وہ شخص ہے جس پر اللہ غصہ ہوا"۔ (مسلم)

حدیث: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو بعض نمازوں میں دعا کرتے ہوئے سنا'' اے اللہ مجھ سے آسان محاسبہ کرنا'' تو میں نے پوچھا "اے اللہ کے نبی خاتم النبیین ﷺ آسان محاسبے سے کیا مطلب ہے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" آسان محاسبہ یہ ہے کہ اللہ بندے کا نامہ اعمال دیکھے اور اس کی برائیوں سے درگزر فرمائے"۔ پھر فرمایا'' اے عائشہ جس کا حساب لیتے وقت ایک ایک چیز کریدی گئی تو اس کی خیر نہیں''۔ (مسند احمد)

حدیث: حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اس دن کون لوگ کھڑے رہ سکیں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (سورہ المطففین، آیت نمبر 6)

يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ

ترجمہ:" جس دن سب لوگ حساب کتاب کے لیے رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے"۔ (جبکہ وہ دن 50 ہزار برس کا ہے)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" وہ دن مومنین کے لیے ہلکا ہوگا، فرض نماز کی طرح جس طرح مصیبت میں گرفتار آدمی کی راتیں اور دن بہت طویل اور کٹھن ہوتے ہیں، کاٹے نہیں کٹتے اسی طرح مجرموں اور باغیوں کو قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا معلوم ہوگا۔ لیکن مومنین کے لیے قیامت کا دن اتنا مختصر اور ہلکا ہوگا جیسے ایک فرض نماز ادا کر لی جائے"۔ (مشکوٰۃ)

مومنین کے لیے قیامت کے دن انعامات

حدیث: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے، جسے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے اس کے بارے میں کچھ نہیں سنا اور نہ ہی کوئی انسان کبھی اس کا تصور کر سکتا ہے، تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ (سورہ سجدہ) آیت نمبر 17

ترجمہ:'' پھر جیسا کہ کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ان کے اعمال کی جزا میں ان کے لیے چھپا کر رکھا گیا ہے۔ اس کی کسی متنفس کو خبر نہیں ہے''۔

حدیث: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جنت میں ایک کوڑا رکھنے کی جگہ دنیا اور دنیا کے ساز و سامان سے بہتر ہے"۔ (بخاری و مسلم)

حدیث: نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جہنم کو لذتوں اور نفس کی خواہشوں سے گھیر دیا گیا ہے اور جنت کو سختیوں اور مشقتوں سے گھیر دیا گیا ہے"۔ (بخاری مسلم)

حدیث: نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" میں نے جہنم کی آگ سے زیادہ خطرناک چیز کوئی نہیں دیکھی اور جس سے بھاگنے والا سو رہا ہے (اعمال نہیں کر رہا) اور جنت سے زیادہ عمدہ چیز میں نے نہیں دیکھی جس کا چاہنے والا بھی سو رہا ہے (غافل ہے)"۔ (ترمذی)

****

ایمان کا دارو مدار

(ایمان کا دارومدار نبوت پر ہے)

اسلام کی چار اصولی اصطلاحتیں: (1) الہ (2) رسول (3) نبی (4) ایمان

(1) الہ:

زمانہ نیا ہے، زمانے والوں کے ذہن جدت پسند ہو گئے ہیں، ہر چیز میں جدت طرازی نے آج رسالت، نبوت ایمان کے شربتوں کو نئے گلاسوں میں پینا شروع کر دیا ہے۔ جس سے لوگوں کے ایمان متزلزل ہونے لگے ہیں۔ لہٰذا اس بات کی بہت ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو ان مندرجہ بالا 4 لفظوں کے وہی پرانے معنی بتائے جائیں جو ساڑھے چودہ سو برس سے جانے جاتے رہے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ توحید و رسالت وہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر اسلام کی ساری عمارت قائم ہے۔ یعنی کلمہ طیبہ (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) پڑھ کر سب مسلمان ہوتے ہیں۔

ترجمہ: ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ اللہ کے رسول ہیں اب دیکھتے ہیں کہ ''الہ'' کے معنی اور الوہیت کا مدار کس چیز پر ہے؟۔ اور الوہیت (معبود ہونا) اور عبدیت (بندہ ہونا) میں فرق کرنے والی چیز کیا ہے؟ آج عام طور پر کہا جاتا ہے ''الہ'' (معبود) وہ ہے جو حاضر و ناظر ہو۔ ''الہ'' وہ ہے جو غیب جانتا ہو۔ الہ وہ ہے جو بیٹا دے، الہ وہ ہے جو شفاء دے، الہ وہ ہے جو مشکل کشا اور حاجت روا ہو۔ دادرس اور فریادرس ہو۔ الہ وہ ہے جو مشکل کشا اور حاجت روا ہو اور اس کے ساتھ دور سے سن لے اور دور سے دیکھ بھی لے۔

اس تفسیر کا مقصد یہ ہے کہ عام مسلمان جو انبیاء کرام علیہ السلام اولیا عظام، اور خصوصاً حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کو غیب کا جاننے والے، حاضر و ناظر، فریادرس، سمجھتے ہیں وہ سب مشرک ہیں۔ کیونکہ انہوں نے بندوں کو الہ مان لیا۔ مشرکین عرب بھی اپنے بتوں کے متعلق یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ غیب جانتے ہیں، فریادرسی کرتے ہیں، وہ بھی مشرک ہیں اور یہ مسلمان بھی۔ نبیوں اور ولیوں میں یہ صفات مان کر مشرکین عرب کی طرح ہی شرک میں گرفتار ہیں۔ جب کہ ہم کہتے ہیں کہ الہ کے یہ معنی ہرگز نہیں اور نہ ہی الوہیت (اللہ ہونے) کا مدار ان چیزوں پر ہے۔ ورنہ از روئے قرآن لاکھوں الہ ماننے پڑیں گے۔

غیب کا جاننا

اگر غیب کا جاننا مدار الوہیت ہے تو قرآن پاک سورۃ العمران آیت نمبر 49 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے فرماتا ہے

ترجمہ: ''اور خبر دیتا ہے تمہیں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو بچاتے ہو''

تو معنی اس کے یہ ہوئے کہ جو کچھ تم گھروں میں بیٹھ کر کھاؤ گے یا بچاؤ گے میں سب کی خبر تم کو دے سکتا ہوں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہر دانے اور پھل پر کھانے والے کی مہر ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ فرما رہے ہیں کہ میں ان مہروں اور پھلوں کو جانتا ہوں اور ان کے کھانے والوں کو بھی پہچانتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو کتنا وسیع علم دیا۔ اب اگر غیب جاننا مدار الوہیت ہو تو از روئے قرآن مجید حضرت عیسیٰؑ 'الہ' ٹھہرے۔

عالم میں تصرف کرنا

اگر عالم پر حکمرانی اور ہوا، پانی، چاند، سورج پر قبضہ الوہیت کا معیار ہو تو از روئے قرآن حضرت سلیمان علیہ السلام کو الہ ماننا پڑے گا۔ قرآن پاک حضرت سلیمانؑ کے متعلق فرماتا ہے۔

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے آندھی اور نرم ہواؤں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا۔ (یعنی ہر قسم کی ہوائیں ان کے حکم پر چلتی ہیں'')۔ سورۃ الانبیا آیت نمبر 81

اب ظاہر ہے ہوا ہی بارش لاتی ہے، لہذا بارش بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے زیر فرماں کر دی گئی۔ بارش سے ہی پیداوار ہے، جس پر تمام جاندار کی بقا کا مدار ہے۔

اس قاعدے سے تو سارا نظام اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے زیر فرماں کر دیا۔ تو الوہیت کے اس قاعدے سے (نعوذ باللہ) انہیں بھی الہ ماننا پڑے گا۔

شفا دینا

1۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے مہمان بھائیوں سے والد (حضرت یعقوب علیہ السلام) کی خیریت معلوم کی۔ معلوم ہوا کہ وہ فراق یوسفی

میں بصارت سے محروم ہو گئے ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: (سورہ یوسف، آیت نمبر 93)

ترجمہ: ’’ میری یہ قمیض لے جاؤ اور میرے والد کے چہرے پر ڈال دو ان کی بصارت لوٹ آئے گی"۔

2۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: (سورہ آل عمران، آیت نمبر 49)

ترجمہ: ’’میں اللہ کے فضل سے پیدائشی اندھوں، کوڑھیوں کو اچھا کر سکتا ہوں اور مردے زندہ کرتا ہوں‘‘۔

اب دیکھئے شفا دینا، مردوں کو زندہ کرنا تو رب کا کام ہے۔

3۔ قرآن پاک (سورہ البقرہ، آیت نمبر 260) کا وہ واقعہ بھی دیکھئے کہ چار ذبح کئے گئے قیمہ کئے گئے پرندے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار پر زندہ ہو کر واپس حاضر ہو گئے، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے باذن اللہ بیماروں کو شفا اور مردوں کو زندگی بخشتے ہیں۔ مفہوم سورۃ البقرۃ آیت نمبر 260 مگر اس کے باوجود رب، رب ہے اور بندہ بندہ ہے۔ بندے کے ہاتھ پر ربّانی کام ظاہر ہوتے ہیں مگر بندہ بندہ ہی رہتا ہے۔

بیٹا دینا

قرآن پاک فرماتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت مریم علیہ السلام کے پاس اس حالت میں آئے، جب آپ علیہ السلام غسل کی تیاری فرما رہی تھیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں تھے، حضرت مریم علیہ السلام دیکھ کر گھبرا گئیں۔ تو جناب جبرائیل علیہ السلام نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا

ترجمہ: ’’میں تمہارے رب کا قاصد ہوں، اس لیے آیا ہوں کہ تمہیں پاک بیٹا دوں‘‘

اب دیکھئے بیٹا یا بیٹی دینا تو رب کا کام ہے، رب کے لیے بھی لفظ ’’یھب‘‘ فرمایا گیا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے لیے بھی ’’یھب" فرمایا گیا۔ دیکھیں بیٹا یا بیٹی دینا رب کا کام ہے۔　　　فرمایا(سورة الشورى ،آيت نمبر49)

يَهَبُ لِمَنْ يَشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: ’’جسے چاہتا ہوں بیٹیاں دیتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں بیٹے‘‘۔

صیغہ ایک معنی ایک مگر نہ اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام ہو گیا نہ جبرائیل علیہ السلام اللہ بنے اگر بیٹا دینا دلیل الوہیت ہوتا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی الہ بن جاتے۔

دور سے سننا اور دیکھنا

قرآن کریم حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔ آپ علیہ السلام ایک جنگل میں سے گزرے تو آپ علیہ السلام نے ایک چیونٹی کو باقی چیونٹیوں سے یہ کہتے ہوئے سنا:　سورۃ النمل۔ آیت نمبر 40

ترجمہ: ’’اے چیونٹیوں اپنے گھر میں گھس جاؤ، ایسا نہ ہو کہ تم کو سلیمان علیہ السلام یا لشکر سلیمان علیہ السلام کچل دے اور انہیں خبر بھی نہ ہو"۔ آپ علیہ السلام اس کی یہ بات سن کر ہنس پڑے۔ مفسرین کا کہنا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی یہ آواز تین میل کے فاصلے سے سنی۔ ایسی باریک آواز تین میل کے فاصلے سے سننا، کتنی دور کی آواز سننا ہے اور پھر چیونٹی کی آواز؟۔ ایسے ہی جب قافلہ قمیض یوسف علیہ السلام لے کر مصر کی بستی سے جدا ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے فرمایا کہ ’’میں یوسف علیہ السلام کی خوشبو پا رہا ہوں‘‘۔ اب کہاں مصر افریقہ کا دارالخلافہ اور کہاں کنعان ملک شام کی بستی اتنی دور سے آپ علیہ السلام نے قمیض یوسفی کی خوشبو پالی۔ اگر دور سے دیکھنا، سننا، بو پانا مدار الوہیت ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام بھی الہ ہونے چاہئیں۔

حاضر و ناظر

اگر ہر جگہ حاضر یعنی متصرف ہونا اور ہر جگہ کو مثل کف دست دیکھنا دلیل الوہیت ہو تو ایک دو نہیں لاکھوں الہ ماننے پڑیں گے۔ قرآن پاک فرماتا ہے، آصف بن برخیا نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا:

ترجمہ: ’’میں آپ کی خدمت میں تخت بلقیس لاؤں گا آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے‘‘　　　(سورۃ النمل۔ آیت نمبر 40)

تخت بلقیس ملک یمن میں شہر سبا میں محل میں مقفل اور حضرت سلیمانؑ فلسطین میں اور تخت حاضر خدمت ہوتا ہے یہ کون پیش کرتا ہے؟ بنی اسرائیل کا ایک ولی۔ نیز قرآن کریم فرماتا ہے:

ترجمہ: ''کہہ دو کہ تم سب کو وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مسلط کیا گیا ہے''۔ (سورۃ السجدہ، آیت نمبر 11)

ترجمہ: ''تم میں سے کسی ایک کو جب موت آتی ہے تو ہمارے بہت سے فرشتے اسے وفات دیتے ہیں''۔ (سورۃ الانعام، آیت نمبر 61)

یعنی مدد گاران ملک الموت اب ملک الموت کے مدد گار ہزار ہا مقامات پر ہزاروں مرنے والوں کی جان نکالتے ہیں، یعنی تمام جہان ان کے سامنے ہے اور ہر جگہ ان کا ہاتھ پہنچتا ہے۔ نیز فرماتا ہے:

ترجمہ: ''ابلیس اور اس کا سارا قبیلہ وذریت تم سب لوگوں کو وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے'' (سورۃ الاعراف، آیت نمبر 27)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان بے ایمانوں کو بہکانے کے لیے اتنی قوت رب کی طرف سے دی گئی کہ وہ بیک وقت تمام انسانوں کو دیکھتے ہیں۔ ان کے خطروں اور دلی ارادوں سے بھی خبردار ہیں اس لیے جب کوئی شخص نیکی کا ارادہ یا خیال بھی کرتا ہے تو یہ اس کو بہکانے کا کام شروع کر دیتے ہیں۔ اگر حاضر و ناظر ہونا۔ مدار الوہیت ہو تو حضرت ملک الموت اور اس کے ساتھی مددگار فرشتے شیطان اور اس کی ساری ذریت الٰہ ہوگی۔

مشکل کشا، فریادرس اور حاجت روا ہونا

یہ چیزیں بھی مدار الوہیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں بلکہ ان بندوں کے تبرکات کو بھی یہ صفات بخشی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ جناب مریم علیہ السلام کو جب دردزہ شروع ہوا، آپ علیہ السلام جنگل میں اکیلی تھیں جہاں نہ مائی تھی نہ دائی۔ اس سے پہلے کبھی یہ تکلیف نہ دیکھی نہ آزمائی تو گھبرا کر بولیں:

ترجمہ: ''ہائے کاش میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور بھولی بسری ہوچکتی''۔ (سورۃ مریم۔ آیت نمبر 23)

اس عرض پر دریائے رحمت جوش میں آیا اور آپ کی دادرسی اور فریادرسی اس طرح فرمائی گئی سورۃ مریم۔ آیت نمبر 25-24 کہ ''سریا نیچے سے آواز آئی ''اے مریمؑ گھبراؤ مت تمہارے رب نے تمہارے قدم کے نیچے ایک سرد آب (پانی کا چشمہ) بنا دیا ہے۔ کھجور کے درخت کے ڈنڈے کو جو سوکھا گھنا ہوا ہے اپنی طرف ہلاؤ، وہ فوراً پکی ہوئی عمدہ کھجوریں گرائے گا۔ یہاں پر حضرت مریم علیہ السلام کی دادرسی پانی اور کھجور سے کی گئی، مگر یہاں پر کھجوریں ان کے ہاتھ سے اور پانی ان کے پاؤں سے پیدا کیا گیا۔ یعنی چشمہ کا پھوٹنا جناب مریم علیہ السلام کے پاؤں مبارک کے رگڑنے سے تھا جیسا کہ آب زم زم کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑھی کی رگڑ سے نکلنا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ولی کا ہاتھ لگنے سے سوکھا ہوا ڈنڈا کھجوریں گرا سکتا ہے اور پیر لگنے سے چشمہ جاری ہوسکتا ہے تو اگر کسی سوکھے ہوئے دل پر ولی کی نظر پڑ جائے تو یہ بھی سرسبز ہو کر معرفت کے پھل پھول دے سکتا ہے۔ نیز قرآن پاک میں سورہ طٰہٰ آیت نمبر 96 میں فرمان الٰہی ہے کہ غرق فرعون کے دن جبرائیل علیہ السلام ایک گھوڑی پر سوار تھے۔ اسی گھوڑی کی ٹاپ سے خشک زمین میں سبزہ پیدا ہوتا تھا۔ سامری نے اس ٹاپ کے نیچے کی کچھ خاک لے لی۔ پھر سامری نے سونے کا بچھڑا بنا کر اس کے منہ میں خاک ڈال دی جس سے وہ زندہ بچھڑے کی سی آواز لگانے لگا اور بنی اسرائیل اس کو پوجنے لگے۔ دیکھئے اس خاک نے اپنا کام کر دیا لیکن سونا فرعون کے ہاں کا تھا اسی لیے اس بچھڑے کی آواز سے لوگوں کو ہدایت نہ ملی۔ گمراہ ہوئے، جیسے بے دین مولویوں کے علمی وعظ سے لوگ صرف اور صرف گمراہ ہی ہوتے ہیں۔ اس آیت نے بتایا کہ مدینہ منورہ کی خاک دافع بلا اور خاک شفا ہے۔ اس لیے اسے خاک شفا کہتے ہیں کہ وہاں کے ذروں نے جناب رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے قدم مبارک چومے ہیں، اگر دافع بلا ہونا الوہیت کا مدار ہے تو جناب مریم علیہ السلام اور جبرائیل علیہ السلام بھی الٰہ ہونے چاہیں بلکہ حکیموں کے شربت، عرق، گولیاں، جنگل کی بوٹیاں سب الٰہ بن جائیں۔ ایک شربت کا نام ہے شربت فریادرس، شربت نورس، شربت مسکین نواز، شربت شفا، شربت دافع بخار، قبض کشا گولیاں تو یہ تو سب الٰہ ہوگئیں (نعوذ باللہ منھا)

خالق و مالک وابدی ہونا

بعض کا خیال ہے کہ الٰہ وہ ہے جو خالق ہو، مالک ہو اور غیر فانی ہو، بے شک اللہ تعالیٰ ان صفات سے موصوف ہے مگر مدار الوہیت یہ چیزیں بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ جب کوئی مملوک پیدا نہ ہوا تھا اور اس کی صفت مالکیت کا ظہور نہ ہوا تھا تب بھی الٰہ تھا۔ نیز جنتی جنت میں دوزخی دوزخ میں غیر فانی ہوں گے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہاں پر ہر جنتی اور دوزخی الٰہ بن جائے گا۔

لطیفہ

موجودہ دور کے ایک موحد مولوی کہیں وعظ کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور دوران وعظ کلمہ طیبہ کے معنی یوں کئے ''لا الٰہ'' نہیں ہے کوئی بیٹا دینے والا، نہیں ہے کوئی فریادرس، نہیں ہے کوئی مشکل کشا، نہیں ہے کوئی حاجت روا۔ الٰہ اللہ ہے اللہ ہی ہے"، اتفاقاً بانی جلسہ سنی تھا۔ اسے اس وعظ سے تکلیف بھی ہوئی اور حیرت بھی۔ صبح کو مولوی

صاحب کو نذرانہ دینے نہ آیا، آخیر مولوی صاحب مجبور ہو کر اس کے گھر گئے اور اس سے نذرانہ ادا کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا "مولوی صاحب نہیں ہے کوئی حاجت روا، نہیں ہے کوئی فریاد رس، بس اللہ۔ یاد رکھیں اللہ تعالیٰ نے وسیلے بنائے ہیں۔ اصل دینے والا وہ خود ہی ہے لیکن اس کا نظام وسیلوں سے چلتا ہے"۔

اب دیکھتے ہیں کہ ''الہ'' الوہیت کے شرعی معنی کیا ہیں؟ یقیناً اللہ تعالیٰ ازلی، ابدی، سمیع، بصیر، حاجت روا، مشکل کشا، خالق، ایک فریاد رس، شفا اور روزی رسا ہے مگر ان چیزوں میں سے کوئی بھی چیز عبد اور معبود کے درمیان باعث فرق نہیں۔ **جو چیز بندہ اور اللہ معبود میں فرق کرے جس کی بنا پر بندہ بندہ ہو اور الہ الہ (معبود، معبود) وہ ایک چیز ہے یعنی غنا اور بے نیازی۔ یعنی بندہ وہ ہے جو نیاز مند ہو اور دوسرے کا حاجت مند ہو اس کی ڈور کسی اور کے ہاتھ میں ہو۔ اس کی صفات اور وہ خود دوسرے کے قبضے میں ہو۔ الہ وہ ہے جو کسی کا حاجت مند نہ ہو، کسی کا نیاز مند نہ ہو، سب سے غنی ہو، بے پرواہ ہو، دیکھیں سورہ اخلاص، اللہ بے نیاز ہے، اس کی بے نیازی کا ثبوت یہ ہے کہ وہ نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کی اولاد۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ کیونکہ سب اس کے حاجت مند ہیں۔ اور وہ سب کا حاجت روا ہے یعنی سورہ اخلاص وہ معیار ہے جس کی بنا پر بندہ بندہ رہتا ہے اور رب رب رہتا ہے۔**

قرآن حکیم فرماتا ہے "اللہ سمیع وبصیر یعنی دیکھنے اور سننے والا ہے"۔ پھر فرماتا ہے "ہم نے انسان کو سمیع وبصیر یعنی سننے والا اور دیکھنے والا بنایا"۔ اللہ زندہ ہے بندے بھی زندہ ہیں۔ مگر پھر اللہ الہ اور بندہ بندہ کیوں؟ اس لیے کہ اللہ بے نیاز ہو کر سمیع وبصیر، حی وقیوم، مالک اور ملک ہے اور بندہ رب کا حاجت مند اور محتاج ہو کر حی وقیوم، سمیع وبصیر اور مالک اور ملک ہے یہ تمام صفات بندے کو رب نے دی ہیں۔ اور جب چاہے وہ یہ صفات ان سے چھین سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات بے نیاز اور غنی ہو کر ہیں اور بندوں کی یہ صفات اس کے حاجت مند اور نیاز مند ہو کر انہیں یہ صفات رب نے دی ہیں اس کی غنی اور بے نیازی کو ذاتی وحقیقی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس نیاز مندی کو مجازی وعطائی یہی الوہیت اور عبدیت کے درمیان باعث فرق ہے۔ بلاشبہ انجن اور سارے ریل کے ڈبے ایک ہی لائن پر اور ایک ہی رفتار سے دوڑتے ہیں مگر عقل مند جانتا ہے کہ دوڑنے والے ڈبے اور دوڑانے والا انجن ہے۔ محتاج ڈبے ہیں اور الہ انجن ہے۔ آئینہ میں سورج کا عکس آ گیا جس سے شیشہ میں روشنی، شعائیں گرمی۔ غرض سورج کی تمام صفات نظر آنے لگیں مگر ہوش مند جانتا ہے کہ سورج سورج ہے اور شیشہ شیشہ۔ یعنی اصل اصل ہے اور سایہ سایہ۔ اب یہ حدیث قدسی دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''جب بندہ مجھ سے قریب ہوتا ہے تو میں اس کی زبان بن جاتا ہوں، جس سے وہ بولتا ہے، اور میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔'' اب یہاں پر حلول ہوتا ہے نہ سرایت بلکہ تجلی ربانی جب بندے پر پڑتی ہے تو بندہ سے خدائی کام ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ **شرک کا دارومدار کسی کو اللہ کے برابر مان لینے پر ہے۔** قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ ''یہ کفار رب کو اپنے بتوں کے برابر کر دیتے ہیں'' - (سورۃ الشعرا۔ آیت نمبر 97)

نیر فرمایا قیامت کے دن مشرکین اپنے معبودین سے کہیں گے۔

ترجمہ: ''ہم بڑی گمراہی میں تھے کیونکہ ہم تم کو رب العالمین کے برابر جانتے تھے'' - (سورۃ الشعرا۔ آیت نمبر 97 - 98)

الحمد اللہ کوئی مسلمان ایسے گندے عقیدے نہیں رکھتا۔ صرف بہ عطائے الٰہی کسی بندے کو علم غیب ماننا، بہ عطائے الٰہی کسی محبوب بندے کا خلق کا فریاد رس مشکل کشا جاننا شرک نہیں۔ صحابہ کرامؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو بہ عطائے الٰہی اپنا حاجت روا بھی جانتے تھے اور مشکل کشا بھی۔ فریاد رس بھی جب ان سے کوئی قصور ہو جاتا تو آپ خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرتے۔ اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ مجھے پاک کر دیجئے۔ اور کیوں نہ کہتے جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے متعلق خود فرما رہا ہے۔ ''میرا محبوب ان کو پاک کرتا ہے اور کتاب وحکمت یعنی قرآن وحدیث سکھاتا ہے'' اور اللہ تعالیٰ سورۃ توبہ آیت نمبر 11 میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اے میرے محبوب ان کے صدقات وصول کرو اور انہیں ان صدقات کے ذریعے سے ظاہری اور باطنی طور پر صاف کرو اور ان کے لیے دعائے رحمت کرو کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی دعا ان کے دلوں کا چین ہے''

ان آیات سے معلوم ہوا کہ صرف قرآن وحدیث اور روزہ، نماز وغیرہ ہمیں پاک وصاف نہیں کر سکتے جب تک نگاہ مصطفی ﷺ نہ ہو۔ قرآن وحدیث روحانی صابن و پانی ہے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا نگاہِ عنایت روحانی طور پر پاک کرنے والا ہاتھ ہے۔ صابن اور پانی کسی کا ہاتھ لگے بغیر کپڑے کو پاک وصاف نہیں کرتے۔ نابیناؤں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے آنکھیں مانگیں۔ مرگی والوں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے شفا مانگی۔ جانوروں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے امان

مانگی۔لکڑیوں اور پتھروں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی پناہ لی۔ چنانچہ مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں۔ سیدنا ربیعہ ابن کعب اسلمیؓ نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے جنت مانگی الفاظ یہ ہیں

ترجمہ ''حضور میں آپ خاتم النبیین ﷺ سے یہ مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ رہوں۔فرمایا کیا اس کے علاوہ کچھ اور؟۔عرض کیا یہی مراد ہے'' ۔معلوم ہوا کہ حضور بہ عطائے پروردگار مرادیں دیتے ہیں۔فریادرسی فرماتے ہیں۔دادرسی کرتے ہیں۔اگر کسی بندے کو علم غیب بہ عطائے الٰہی ماننا، دادرس، فریادرس، مشکل کشا، حاجت روا سمجھنا ہی شرک ہوتا تو (نعوذ باللہ) تمام صحابہ کرامؓ مشرک ہوجاتے۔حیرت ہے کہ انبیاء کرام علیہ السلام کا علم غیب، مشکل کشا، حاجت روا ہونا۔ایسا ظاہر مسئلہ ہے کہ جس کا اس زمانے کے کفار بھی انکار نہ کرسکتے تھے۔قرآن کریم فرماتا ہے کہ جب فرعون اور فرعونیوں پر کوئی عذاب الٰہی آتا تھا تو بھاگتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور کہتے۔

ترجمہ: ''اے موسیٰ علیہ السلام اگر اس بار آپ ہم سے یہ عذاب الٰہی دفع کردیں تو ہم آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے'' اور آپ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے۔'' سورۃ الاعراف آیت نمبر 134

رب تعالیٰ بھی اور ان کے ساتھ کلیم اللہ بھی فرعونیوں کی اس حاضری اور عرض ومعروض، حاجت روائی، مشکل کشائی اور فریادرسی کی درخواست کو شرک قرار نہیں دیتے تھے اور رب تعالیٰ وہ عذاب اٹھالیتا تھا۔خود رب تعالیٰ سورۃ الاعراف آیت نمبر 135 فرماتا ہے:

ترجمہ: ''پھر جب ان سے ہم وہ عذاب اٹھا لیتے ، جبھی وہ پھر جاتے تھے" ، اگر ان کا یہ کام شرک ہوتا تو اس پر تو عذاب زیادہ ہونا چاہیے تھا نہ کہ اٹھایا جانا۔

افسوس کے اس زمانے کے بعض کلمہ گو ان لوگوں سے بھی زیادہ ناسمجھ ہیں۔معلوم ہوا کہ شرک کا مدار اسی بات پر ہے کہ کسی بندے کو رب کے برابر سمجھا جائے۔رب کے برابر سمجھنے کی دو صورتیں ہیں۔ایک یہ کہ بندے کو اتنا اونچا کیا جائے کہ اس کو رب کے برابر درجہ دے دیا جائے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرح خالق، مالک، غیب دان، فریادرس، مستقل ذاتی طور پر مان لیا جائے اور یہ مانا جائے کہ بعض چیزوں میں بندے اللہ کے محتاج ہیں۔اور بعض باتوں میں رب بندوں کا دست نگر۔(خدانخواستہ) یہ دونوں صورتیں شرک ہیں۔عرب کے کفار ان دونوں قسم کے شرک میں گرفتار تھے۔بعض کفار فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں اور بعض اپنے بتوں کو خدا کے بیٹے مانتے تھے اور ظاہر ہے کہ باپ بیٹے ایک دوسرے کے حاجت مند ہوتے ہیں۔رب تعالیٰ نے فرمایا:

لم یلد و لم یو لد و لم یکن لہ کفوا احد

نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا، نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

تو الہ وہ ہستی ہے جو سورہ اخلاص پر پوری اترے اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمام دنیا میں کوئی ہستی ہمارے معبود ہمارے اللہ کی صفات پر پوری نہیں اترتی۔اس لیے اللہ صرف اور صرف رب تعالیٰ اور رب کے محبوب حضرت محمد مصطفی خاتم النبیین ﷺ ہیں۔اس لیے بہ عطائے الٰہی کسی محبوب بندے کا خلق کا فریادرس مشکل کشا جاننا، نہ شرک ہے نہ کفر ہے۔اب دیکھنا یہ کہ الہ کا تصور کیسے دیا جائے۔اس کے لیے ہم سب سے پہلے الہ کی تعریف کرتے ہیں۔

پہلا ''ھُوَ اللہُ احد ایک ہے'' ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔قادر مطلق ہے۔اس کا کوئی آغاز نہیں، اس کا کوئی انجام نہیں، وہی ہے جو لوگوں کی مدد کرتا ہے لیکن خود اس کو کبھی بھی کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی۔اس کا کوئی ثانی نہیں یعنی ہمسر نہیں۔یعنی جہاں میں اس جیسا کوئی نہیں۔یہ اللہ کی تعریف ہے۔اب اگر کوئی الہ کی تعریف کرتا ہے تو اسے ان صفات پر پورا ہونا ہوگا۔اب ہم اس تعریف کو سورہ اخلاص پر پرکھتے ہیں۔فرض کیا کہ ہندو کہتے ہیں کہ بھگوان رجیش اوشو خدا ہے۔اس نے کہا ہے کہ میں ایک ہوں یعنی اپنی صفات میں اچھوتا یعنی مجھ جیسا کوئی نہیں ہے۔آگے دیکھتے ہیں۔

دوسرا " اللہ الصمد " اللہ بے نیاز ہے۔اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔وہ باقی تمام کی مدد کرتا ہے۔ہم تو رجیش کے متعلق جانتے ہیں کہ وہ شوگر کا مریض اور دمہ کا مریض تھا۔تو جو اپنے مرض کا علاج نہ کرسکے وہ کسی کا کیا کرے گا؟ وہ قیدی بنایا گیا۔اسے زہر دیا گیا۔اسے یونان سے باہر نکالا گیا، غرض کے بے شمار چیزیں ہیں کہ وہ محتاج تھا۔وہ اپنی مدد نہ کرسکا تو کسی کو کیا دیتا؟

تیسرے **لم یلد و لم یو لد**

ترجمہ: ''نہ وہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا۔''

جبکہ بھگوان رجنیش دسمبر 1931 میں جبل پور میں پیدا ہوا19 جنوری 1990 میں انتقال ہوا، جب اس کے گھر پونا جائیں تو باہر لکھا ہوا ہے (نہ کبھی پیدا ہوا نہ کبھی مرا) لیکن اس نے دسمبر 1931-1990 تک زمین کا دورہ کیا۔ اسے 21 ممالک میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی گئی۔ ویزہ ہی نہ دیا گیا۔ اندازہ کیجئے کہ خدا زمین میں پھر رہا ہے اور اسے 21 ممالک میں داخلے کی اجازت نہیں مل رہی۔ کیا یہ خدا ہے؟

چوتھا و لم یا کن له کفو اا حد

ترجمہ: ''اور اس کا کوئی ہمسر نہیں''

جہاں میں اس جیسا کوئی نہیں، کوئی نہیں، جس کے ساتھ اس کا موازنہ کیا جائے۔ کیا ہم سوچ سکتے ہیں کہ خدا کیا ہے؟ ہم خدا کی تصویر ذہن میں لا ہی نہیں سکتے لیکن جب ہم بھگوان رجنیش کو دیکھتے ہیں تو اس کے لمبے بال تھے، سفید رنگ کی لمبی داڑھی تھی اور چغہ پہنتا تھا۔ وہ لمحہ جس میں ہم خدا کی تصویر بنالیں وہ شیطانی تصور کا لمحہ ہے تو اللہ تو وہ ہے جس کی مندرجہ بالا تعریف سورہ اخلاص میں بتائی گئی ہے۔ یعنی اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کا کوئی باپ ہے نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ ایک مسلمان اپنے اللہ کے اس تصور پر اس کسوٹی پر کسی بھی ہستی کو نہیں لاتا۔ ہم تو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے لیے کہتے ہیں

تم خدا نہیں بخدا نہیں
پر ذات خدا سے جدا نہیں

(2) رسول:

کلمہ طیبہ کے دو جز ہیں لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ۔ رسالت کے معنی بھیجنا اور بعثت کے معنی بھی بھیجنا۔ لیکن رسالت کے معنی کچھ دے کر بھیجنا اور بعثت صرف بھیجنا۔ رسول کا مختصر ترجمہ ''پیغام رساں وفیض رساں''۔ رسول 2 قسم کے ہوتے ہیں۔

1۔ بے اختیار

2۔ بااختیار

بے اختیار: رسول بعض فرشتے ہیں جن کے سردار حضرت جبرائیلؑ ہیں۔ بے اختیار پیغام رساں نہ حاکم ہوتا ہے اور نہ اسے قوم پر اتنے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔

بااختیار: جس کے پاس اختیارات ہوں

رسول کی ضرورت:

ہم رب تعالیٰ سے بہت دور ہیں بلا واسطہ رب سے فیض یاب نہیں ہو سکتے۔ ہم ظلمت ہیں۔ وہ نور ہیں۔ ہم مجبور وہ مقدور، ہم مقہور وہ قاہر۔ جب قلب اور قالب کے درمیان رگوں اور پٹھوں، شریانوں وغیرہ کی ضرورت ہے کہ یہ شریانیں اور رگیں قلب کا فیض ہڈی اور گوشت تک پہنچاتی ہیں۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ رب و مربوب، عابد و معبود، خالق و مخلوق بندہ و بندہ نواز۔ محتاج و کارساز کے درمیان کوئی ایسا برزخ کبریٰ ہو جو رب سے فیض لے کر ہمیں دے سکے۔ یعنی ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان ایک برزخ ضروری ہے۔ اس برزخ کا نام رسول ہے اور اسی وساطت کا نام رسالت ہے۔ عقیدہ رسالت کے لیے تین باتوں کا ماننا ضروری ہے۔

1۔ ہم براہ راست رب سے کوئی نعمت نہیں لے سکتے۔ جو کچھ ملے گا وسیلہ رسول سے ملے گا ورنہ رسالت کی ضرورت ہی نہ رہتی اور اس دنیا میں رسول کی ضرورت بے کار ہو جاتی کیونکہ ہم لینے والے رب دینے والا۔ پھر رسول کی کیا ضرورت رہی؟۔

2۔ دوسرے یہ کہ رسول ہماری طرح بے بس نہیں ہوتے وہ رب سے لے بھی سکتے ہیں اور ہمیں دے بھی سکتے ہیں۔

3۔ تیرے یہ کہ رسول دینے والے رب کو بھی جانتے ہیں اور لینے والے امتیوں کو بھی پہچانتے ہیں۔

ان دو علموں کے بغیر لینا اور دینا محقق نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں ہم بھی اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور رسول بھی مگر ہماری آمد کو قرآن پاک سورہ الصافات آیت نمبر 96 نے خلق یعنی پیدائش فرمایا ہے۔

واللہ خلقکم و ماتعملون

ترجمہ: ''اور اللہ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا''۔

اور ہم نے جن اور انس کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا مگر رسول کی دنیا میں تشریف آوری کو بعثت اور رسالت سے تعبیر فرمایا۔

ھو الذی بعث فی الامین رسولا

ترجمہ:''اللہ وہ ہے جس نے رسول بھیجا "۔ (سورۃ الجمعہ،آیت نمبر ۲)

غرض لفظ''بعثت''اور''رسالت''صرف نبیوں کے لیے استعمال ہوا ہے اور ہمارے واسطے نہیں۔یعنی ہم صرف اللہ کی مخلوق ہیں اور رسول''مخلوق''بھی ہیں اور''رسول''بھی اور اس کے''معبوث''بھی۔اس فرق کی چند وجوہات ہیں۔

1۔ ایک یہ کہ ہم دنیا میں اپنے کام کے لیے اپنی ذمہ داری پر آتے ہیں اور رسول دنیا میں رب کے کام کے لیے رب کی ذمہ داری پر تشریف لاتے ہیں۔کسی ملک میں کوئی شخص اپنے کام کے لیے جاتا ہے اور کوئی مملکت کا سفیر بن کر حکومت کے کام کے لیے،حکومت کی ذمہ داری پر جاتے ہیں۔یقینا دونوں کے جانے میں فرق ہے۔اس کے خرچ اور سفر کے تمام خراجات حکومت کے ذمہ ہوں گے۔اس کی ہر بات حکومت کی بات ہوگی۔برخلاف خود اپنی ذمہ داری پر جانے والے کے۔

2۔ دوسرے یہ ہے کہ ہم دنیا میں بننے کے لیے آئے ہیں کہ درست عقائد اختیار کر کے مومن بنیں۔نیک اعمال کر کے متقی پرہیزگار بنیں۔مگر رسول دوسروں کو بنانے کے لیے آئے ہیں تا کہ لوگ اس کے ذریعے متقی پرہیزگار بنیں۔اسلام کے جہاز میں ہم بھی سوار ہیں اور رسول بھی۔مگر ہم پار لگنے کے لیے اور رسول ہم کو پار لگانے کے لیے۔جیسے جہاز میں مسافر بھی سوار ہوتے ہیں اور پائلٹ بھی۔مسافر پار لگنے کے لیے اور پائلٹ پار لگانے کے لیے۔اس وجہ سے مسافر کرایہ دے کر سوار ہوتے ہیں اور پائلٹ تنخواہ لے کر۔

3۔ تیسرے یہ کہ ہم لوگ دنیا میں ناسمجھ آتے ہیں۔یہاں آکر سیکھتے ہیں۔رسول سب کچھ اللہ کے ہاں سے سیکھ کر آتے ہیں۔اس لیے ہم لوگ یہاں کے ماحول کے مطابق بن جاتے ہیں۔گندے ماحول میں آکر گندے ہو جاتے ہیں مگر رسول گندے ماحول میں آکر بھی ستھرے ہی رہتے ہیں۔یعنی وہ ماحول کو بدل دیتے ہیں۔سب سے کامیاب وہ شخص ہے جو پاک ستھرا ہو کر جیئے۔رب کو یاد کرے اور نماز کا پابند ہو۔قرآن پاک فرماتا ہے:(سورہ الشمّس،آیت نمبر 9)

ترجمہ:''بے شک کامیاب ہوا وہ جو پاک صاف ہوا اور اپنے رب کو یاد کیا اور نماز ادا کی"۔

معلوم ہوا کہ پاکی اور صفائی کامیابی کا پہلا زینہ ہے۔سوال یہ ہے کہ پاک کرنے والا کون؟ قرآن پاک سورۃ البقرہ۔آیت نمبر 129 میں کہتا ہے:

ترجمہ:''یہ نبی لوگوں کو پاک کرتے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتے ہیں"۔

معلوم ہوا کہ پاک ہونے والے ہم اور پاک کرنے والے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ۔

ہمارے پاس چار چیزیں ہیں:

1۔جسم　　2۔دماغ　　3۔دل　　4۔روح

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے بھی ہمیں چار چیزیں عطا کی ہیں:

1۔شریعت　　2۔طریقت　　3۔معرفت　　4۔حقیقت

شریعت سے بدن کو پاک کیا طریقت سے ہمارے دماغ وخیالات کو پاکیزگی بخشی معرفت دل کو اور حقیقت سے روح کو پاک وصاف فرمایا۔گویا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ہم کو چار قسم کی گندگیاں دور فرمانے کے لیے چار قسم کے پانی بخشے ہیں۔رہا ہمارا نفس امارہ وہ ایسا نجس ہے جو کسی پانی سے پاک وصاف نہیں ہوتا۔اس کو پاک کرنے کے لیے عشق مصطفی خاتم النبیین ﷺ کی آگ عطا فرمائی۔جس سے نفس کو جلا کر اس کی حقیقت بدل دو۔''تبدل''حقیقت ناپاک کو پاک کر دیتی ہے۔بہرحال مخلوق کو رسول کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسے زمین کو پانی کی،چمن کو بارش کی،جیسے زمین کا حصہ کسی وقت بھی بارش سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ایسے ہی کوئی فرد یا بشر خواہ کسی بھی درجے یا مرتبے کا نہ ہو۔کسی وقت زندگی موت،قبر ونشر میں حضور خاتم النبیین ﷺ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور جیسے چمن کا ہر برگ وبار،گل وخار،بارش کا مرہون منت ہوتا ہے۔اس طرح مخلوق کا ہر کمال نبوت کا مرہون منت ہوتا ہے۔رب کی قسم جسے جو ملا انہی کے ہاتھوں ملا ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہم سب کو بھی باران کرم حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے سیرابی نصیب فرمائے۔

اب کچھ لوگ یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ جب رسول پاک خاتم النبیین ﷺ اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ سب کچھ لے سکتے تو پھر ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جبرائیل امین کا واسطہ کیوں رکھا گیا؟ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ: (سورۃ فاطر۔آیت نمبر 1)

مفہوم :''اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بازوؤں والے قاصد بنایا''۔

اور فرمایا: (سورۃ البقرہ۔آیت نمبر 97)

ترجمہ:''حضرت جبرائیل علیہ السلام نے یہ قرآن آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے دل پر اتارا''۔

اس کا مطلب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول خاتم النبیین ﷺ ان کے حاجت مند ہوتے ہیں؟ اس لیے قرآن کریم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام اور ان کے معاونین فرشتوں کو رسول فرمایا۔اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ وحی کی آمد اور جبرائیلؑ کا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر آنا قانون کے اجراء کے لیے ہے نہ کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے علم کے لیئے۔رب تعالیٰ نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو سب کچھ پہلے ہی سکھا پڑھا کر بھیجا ہے۔مگر قوانین الٰہی کا بندوں میں اجرا اُس وقت ہوگا۔جب بذریعہ وحی وہ قانون نازل فرمایا جائے گا۔اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ ُھدی للمتقین" " (یہ قرآن پرہیزگاروں کے لیے ہادی ہے (ہدایت ہے)"۔یعنی اے محبوب تمہارا ہادی نہیں تم تو پہلے سے ہدایت یافتہ ہو۔کہیں بھی ھدی لک نہ فرمایا:

2۔ دوسرے یہ کہ نزول قرآن کا سلسلہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی عمر شریف کے چالیس سال بعد شروع ہوا مگر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی چالیس سالہ زندگی صدق،امانت،راست گفتاری و پاک بازی کا مرقع تھی کہ کفار نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو امین وصادق کا خطاب دیا تھا۔اگر آپ خاتم النبیین ﷺ کی ہدایت نزول قرآن پر موقوف ہوتی تو آپ خاتم النبیین ﷺ کے یہ چالیس سال اپنے ماحول کے مطابق عام اہل عرب کی طرح گزرتے۔حدیث سے ثابت ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ ایک مدت دراز تک شرک اور کفر تو کیا کبھی کھیل کود،تماشہ،جھوٹ،شراب وغیرہ کے قریب بھی نہ گئے۔کبھی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور نہ کھایا۔اب یہ ہدایت کس فرشتے یا وحی کے ذریعے سے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ تک آئی تھی؟

3۔ تیسرے یہ ہے کہ جب پہلی وحی نازل ہوئی تو اس وقت آپ خاتم النبیین ﷺ غار حرا میں چھ ماہ سے اعتکاف،نماز،سجدہ ورکوع وغیرہ،عبادات میں مشغول تھے۔اب غور کا مقام ہے کہ اس زمانہ میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے یہ عبادتیں کس سے سیکھیں۔

4۔ چوتھے یہ ہے کہ خیال جاتا ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو نماز تحفہ معراج کی رات لامکان میں پہنچ کر عطا ہوئی۔اور معراج کے سویرے فجر کی نماز نہ پڑھائی گئی،ظہر کے وقت سے متواتر دوروز تک جبرائیل امین علیہ السلام حاضر ہوتے رہے اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو ہر وقت کی نماز پڑھاتے رہے۔تب نماز پنج گانہ جاری کی گئی،مگر یہ غور کیا کہ معراج کی رات فرش سے عرش جاتے ہوئے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے سارے انبیاء کرام علیہ السلام کو نماز پڑھائی۔آپ خاتم النبیین ﷺ امام اور سارے انبیاء علیہ السلام مقتدی،اب غور کریں نماز لینے جارہے ہیں مگر نماز پڑھا کر جارہے ہیں اور کن کو نماز پڑھائی؟ انبیاء علیہ السلام کو جو کہ اپنی اپنی امتوں کو نماز پڑھاتے ،بتاتے اور سکھاتے رہے اور یہ مسئلہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ نماز کا امام شرعاً وہ ہوتا ہے جو تمام مقتدیوں سے زیادہ نماز کے مسائل سے واقف ہوتا ہے۔

5۔ پانچویں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر تمام وحی بواسطہ جبرائیلؑ نہ ہوتی تھی۔وحی کا بیشتر حصہ وہ ہے جو بلاواسطہ جبرائیلؑ حضور خاتم النبیین ﷺ پر القاء ہوتا تھا۔رب تعالیٰ فرماتا ہے

ترجمہ''ہمارا محبوب اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتا وہ وحی الٰہی سے بولتے ہیں جو ان کی طرف کی جاتی ہے''. (سورۃ النجم۔آیت نمبر 4-3)

اور ظاہر ہے کہ ہر کلام پر جبرائیل امین وحی لے کر نہ آتے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا''پھر وہ قریب سے قریب تر ہوئے چنانچہ دو کمانوں (کا فاصلہ رہ گیا) یا اس سے بھی کم پھر رب نے اپنے بندے کو جو وحی کی ہوگی۔'' اور اس قرب خاص کے وقت جو وحی کی گئی وہاں جبرائیل امین کا گمان وخیال بھی نہیں پہنچ سکا تھا۔بہر حال یہ ماننا ہی پڑے گا کہ رب العالمین اور محبوب کے درمیان جناب جبرائیل علیہ السلام کی آمد و رفت اور وحی کا سلسلہ اجراء قوانین کے لیے تھا نہ کہ نبی کے علم کے لیے ورنہ پھر جیسے ہم حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے امتی ہیں اور جیسے ہم حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ایسے ہی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ جبرائیل امین علیہ السلام کا کلمہ پڑھتے؟ یعنی خبر دینے والا۔

کلمہ طیبہ نام ہے''توحید'' کا ''واحدانیت'' کا اس کے دو جز ہیں۔لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) پہلے جز میں توحید کا ذکر ہے،دوسرے میں محمد رسول اللہ نبوت کا ذکر ہے۔اب دیکھئے نام کلمہ توحید مگر ذکر محبوب کا۔معلوم ہوا کہ پہلے جز میں توحید کے کاغذ کا ذکر ہے۔اور دوسرے میں اس کاغذ پر سرکاری مہر کا۔یعنی مدار نجات توحید نہیں

ہے۔ بلکہ ایمان ہے اور مدار ایمان ''محبت'' ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مدار نجات محبت ہے۔ اس کے چند دلائل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبوت کو توحید کے ساتھ وہی نسبت ہے جو سو یا ہزار کے نوٹ کی تحریر کو اس کاغذ کے ساتھ ہوتی ہے کہ جب نوٹ سرکاری تحریر کے ساتھ ہو تو ایک وقت نہیں بلکہ ہر وقت 100 روپیہ قیمت رکھتا ہے لیکن اگر یہ سرکاری تحریر مٹادی جائے تو صرف کاغذ کی کوئی قیمت نہیں۔

1۔ اسی طرح باز اراحادیث میں اُسی توحید کی قیمت ہوگی جس پر نبوت کی مہر ہوگی۔

2۔ ''اگر فقط توحید نجات کے لیے کافی ہوتی تو اس کلمہ طیبہ میں دوسرا جز قطعاً نہ ہوتا۔

3۔ تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مردوں کو مومنین اور عورتوں کو مومنات فرمایا ہے۔ اگر صرف توحید نجات کے لیے کافی ہوتی تو کہیں نہ کہیں موحدین یا موحدات سے مخاطب ضرور کیا جاتا۔

4۔ چوتھے یہ کہ مسلمانوں کے علاوہ اور بہت سے فرقے توحید کے قائل ہیں جیسے، سکھ، آریہ اور بعض عیسائی بھی۔ لیکن انہیں مسلمان نہیں کہا جاتا اور نہ ہی ان کی نجات ہے؟ کیوں؟ صرف نبوت کے انکار سے توحید کو نبوت کے شیشے میں دیکھیں۔ کعبہ کا نظارہ، سبز گنبد، سنہری جالیوں کے جھروکوں سے کریں، تب مومن بنیں گے۔

5۔ پانچویں یہ کہ حضرت آدمؑ سے لے کر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ تک دنیا میں بہت سے آسمانی دین آئے اور ان سب کو الگ الگ دین مانا گیا کیوں اس لیے نہیں کہ ان دینوں کی توحید مختلف تھیں۔ نہیں بلکہ اس لیے کہ ان کی نبوتیں مختلف اور نبی جدا تھے۔ جیسے دین موسوی، دین عیسوی وغیرہ۔ اس لیے کہ دین موسوی کے نبی حضرت موسیٰ تھے اور دین عیسوی کے نبی حضرت عیسیٰؑ تھے۔ تو معلوم ہوا کہ دین بنتا ہے نبوت سے، خالی توحید اور دین رب نے کبھی دنیا میں نہیں بھیجا۔

6۔ چھٹے یہ کہ قبر میں ہر مردے سے توحید اور دین کے سوال کے بعد نبوت کا سوال ہوتا ہے۔ اگر صرف عقیدہ توحید کافی ہوتا تو صرف پہلے ہی جواب پر مردہ بخش دیا جاتا ہے۔

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ نجات کا دارومدار عقیدہ توحید پر نہیں ہے بلکہ ایمان پر ہے اور ایمان کا دارومدار نبوت پر ہے۔ یہاں یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ ایک وقت میں مختلف مقامات پر ہزار ہا مردے دفن ہوتے ہیں اور ایک ہی ساعت اور ایک ہی آن میں ان ہزار ہا مقامات پر سوالات قبر ہوتے ہیں، ایک جمال اتنی جگہوں پر کیسے دکھائی دے سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ''ایک سورج بیک وقت ہزار ہا جگہ سے دیکھا جاتا ہے اور ہر جگہ یہی ارشاد کیا جاتا ہے۔ ''وہ سورج ہے'' آج سائنس کے دریافت کردہ T.V نے اس مسئلہ کو حل کر دیا ہے۔ ایک شخص ایک وقت میں ہر جگہ نظر آسکتا ہے اور اسی کی آواز کو لاکھوں جگہ سنا جاسکتا ہے۔ جب نار کی طاقت کا یہ حال ہے تو نور کی طاقت کا کیا پوچھنا؟

ایک اعتراض یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم مسلمان جنھوں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا زندگی میں کبھی دیدار کیا ہی نہیں وہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو کیسے پہنچانیں گے؟ اور ابوجہل، ابولہب وغیرہ اور کفار اور مشرکین مدینہ جنھوں نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو دیکھا ہے کہ وہ آپ خاتم النبیین ﷺ کو کیسے نہیں پہچانیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مادی تعلقات میں پہچان دیکھنے بھالنے سے ہوتی ہے مگر روحانی اور ایمانی تعلق میں پہچان اس آنکھ کے دیدار پر موقوف نہیں۔ زندگی میں جس شخص کا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے ایمانی تعلق ہوگا وہ آپ خاتم النبیین ﷺ کو ضرور پہچان لے گا اور جسے آپ خاتم النبیین ﷺ سے ایمانی رشتہ نہ ہوگا وہ ہرگز نہ پہچان سکے گا۔ چاہے مرتے دم تک حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو دیکھتا رہا ہو۔ بعض خوش نصیب خواب میں اور بعض اہل کمال حضرات کشف میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی زیارت کرتے ہیں اور دیکھتے ہی پہچان کر فدا ہوجاتے ہیں۔ بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ **نجات کا مدار توحید پر نہیں بلکہ ایمان پر ہے اور ایمان کا مدار نبوت پر ہے اور مدار ایمان محبت ہے۔**

3- نبی:

نبی کا مطلب خبر والا۔ اس خبر والا میں تین احتمال ہیں۔ اس کا مطلب ہے ''خبر دینے والا'' اخبار یا تار یا ٹی وی، کتب یا اجتہاد سے مسائل بتانے والا عالم اور مجتہد۔ مگر فرش والوں کو عرش کی خبریں دینے والا عالم غیب کی باتیں بتانے والا، جہاں خبر رسانی کے اسباب معطل اور بے کار رہوں، وہاں کی خبریں دینے والی ذات نبی ہے۔ جو لوگ نبی کے علوم غیبیہ کا انکار کریں وہ درحقیقت ان کی نبوت ہی کے منکر ہیں اور جو لوگ کہتے ہیں کہ نبی مسائل شریعت بتانے والے ہیں وہ نبی، عالم اور مجتہد میں کیا فرق کریں گے؟ ہمارے مادی جسم کو نور نظر کی ضرورت ہے۔ پھر نور نظر نور ہونے کے باوجود ایک دوسری خارجی روشنی کا حاجت مند ہے کہ ہماری آنکھ اندھیرے میں کام نہیں کرسکتی۔ اس طرح ہمارے قلب کو نور عقل کی ضرورت ہے۔ پھر نور عقل اگرچہ نور ہے لیکن اس کے لیے نور نبوت بے حد ضروری ہے۔ بے نور نبوت انسانی عقل باعث کفر ہے۔ انسانی عقل سے مشین انجن بھی بنایا سکتا ہے، ہوا، پانی پر راج اور قبضہ کرسکتا ہے۔ مگر ایمان اور عرفان تیار نہیں کرسکتا یا یہ سمجھ لیں کہ عقل سے آسمان اور زمین کی پیمائش ہوسکتی ہے۔ عقل سے مادی دنیا کی چیزوں کو پہچان سکتے ہیں لیکن اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتے۔ اگر ایمان کے لیے صرف عقل انسانی کافی ہوتی تو یونان کے عقلا میں سے کوئی بھی بے دین نہ ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص اپنے وطن کی گلی کوچوں سے خوب واقف ہوتا ہے اجنبی جگہ کے لیے رہبر کا محتاج ہوتا ہے۔ایسا رہبر جو یا تو وہاں کا باشندہ ہو، یا وہاں آتا جاتا رہتا ہو۔ہماری عقل اس سفلی دنیا کی چیز ہے۔اسے عالم بالا اور دوسری دنیا سے کیا تعلق؟ وہاں سے وہی باخبر ہوگا جو اُس عالم میں رہ کر آیا ہو یا وہاں آتا جاتا رہتا ہو۔اللہ تعالیٰ کے جو بندے ان دونوں جہانوں سے تعلق رکھتے ہیں انہیں انبیاء کہتے ہیں۔یہ غیب کی خبریں دیتے ہیں۔ان کے پیروں کاروں کو اولیاءاللہ کہتے ہیں۔لہٰذا ضروری ہے کہ عاقل اس دنیا کی باتوں میں اپنی عقل پر اعتماد نہ کرے بلکہ بارگاہ انبیاء، اولیاء میں اپنی ناقص اور ناکارہ عقل بالائے طاق رکھ کر طفل مکتب بن کر حاضر ہو تا کہ وہاں کا فیض پا سکے۔وہی ڈول کنویں سے پانی لاتا ہے جو خالی ہو کر جاتا ہے لیکن موجودہ دور میں مسلمان اپنی عقل ودانش پر ایسے نازاں ہوتے ہیں کہ ہر دینی حکم میں عقل کو دخل دینے لگتے ہیں۔چاہیے تو یہ تھا کہ اگر کسی دینی حکم کی حکمت عقل سے سمجھ میں آجاتی تو اللہ کا شکر ادا کرتے اور اگر نہ آتی تو بلا چوں و چراں قبول کرتے۔مگر ایسا نہ کیا اور بے شمار بے پَر کے مجتہد پیدا ہوتے گئے۔

تو نبی دنیا میں، قبر میں، حشر میں ہر جگہ دستگیری فرماتے ہیں اور انہیں غیب کا علم بھی ہوتا ہے۔تو نبی کی شان یہ ہے کہ وہ خالق کی بھی خبر رکھے اور مخلوق کی بھی۔مخلوق میں آسمانوں کی بھی خبر رکھتا ہو اور زمین اور زمینی چیزوں کی بھی، جیسے قابل طبیب مریض کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کی رگ رگ کا پتہ لگا لیتا ہے۔ایسے ہی ہمارے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ہاتھ ہر ایک کی نبض ایمان پر ہے۔اس کے لیے چند احادیث باب مناقب سیدعمرؓ میں سے ہیں۔

ایک بار حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ، حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف فرما تھے، رات کا وقت تھا آسمان تاروں سے جگمگا رہا تھا۔حضرت عائشہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کوئی ایسا شخص بھی ہے جس کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہیں؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فوراً جواب دیا کہ ہاں عمرؓ کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں۔حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میرے والد کی نیکیوں کا کیا حال ہے۔فرمایا ان کی ہجرت کی رات کی خدمت جناب عمرؓ کی تمام نیکیوں سے افضل ہے۔معلوم ہوا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اپنے امتی کی ہر نیکی سے خبردار ہیں۔یہ ہیں خبر رکھنے والے نبی۔

2۔ بخاری شریف جلد اول۔میں ہے کہ جنگ بدر میں حضرت حارثؓ غائبانہ تیر سے شہید ہو گئے۔ان کی والدہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پاس آئیں تو کہا یا رسول اللہ اگر میرا بیٹا جنت میں ہو تو میں صبر کروں۔ورنہ میں اپنے بیٹے پر ایسا روؤں کہ لوگوں میں چرچا ہو جائے۔یہاں پر بھی آپ خاتم النبیین ﷺ نے یہ نہ فرمایا کہ مائی مجھے کیا پتہ کہ تیرا بیٹا کہاں ہے؟ بلکہ یہ فرمایا ''اللہ کی بندی جنتیں آٹھ ہیں جن میں سب سے اونچا طبقہ جنت الفردوس کا ہے۔تیرا بیٹا اس میں ہے'' یہ ہیں ہمارے خبردار نبی۔

3۔ مشکوٰۃ شریف، باب فضل صدقہ، کتاب الذکوٰۃ میں ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ازواج مطہرات نے بارہ گاہ نبوت میں عرض کیا۔

ترجمہ: ''اے حبیب اللہ (خاتم النبیین ﷺ) ہم میں سے سب سے پہلے آپ (خاتم النبیین ﷺ) سے کون ملے گا۔فرمایا ''تم میں سے لمبے ہاتھ والی ہمیں پہلے ملے گی''۔ہم نے اپنے ہاتھ ناپے تو بی بی سودہؓ ہم سب میں لمبے ہاتھ والی تھیں۔مگر ہمیں معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھ سے مراد صدقہ خیرات کرنے والی ہے۔چنانچہ سب سے پہلے حضرت بی بی زینبؓ کی وفات ہوئی اور وہ سب سے زیادہ صدقہ کرنے والی تھیں۔

4۔ بخاری شریف باب الطہارۃ میں حدیث پاک ہے کہ ایک مرتبہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ دو قبروں پر سے گزرے اور فرمایا کہ ان قبروں میں نہایت معمولی گناہوں کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔ان میں سے ایک چغلی کھاتا تھا اور دوسرا پیشاب سے بچتا نہ تھا۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک تر شاخ کے دو ٹکڑے کئے اور ایک ایک قبر پر رکھ دیئے اور فرمایا کہ جب تک یہ تر رہیں گے ان کی تسبیح کی برکت سے دونوں قبروں میں عذاب ہلکا ہو جائے گا۔اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے۔

1۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی نگاہ کے لیے کوئی مٹی آڑ نہیں بن سکتی۔آپ خاتم النبیین ﷺ غائب اور حاضر کو یکساں ملاحظہ فرماتے ہیں۔

2۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ہر شخص کے ہر نیک اور بدعمل سے خبردار ہیں۔

3۔ ہر شاخ، پھول، یا پھول کی پتیاں قبروں پر ڈالنا سنت سے ثابت ہے۔ان کے ذکر سے قبر کا عذاب ہلکا ہو جاتا ہے۔

ایک اہم نکتہ:

مجمع قیامت میں شفیع کو ڈھونڈنے والے، محدثین، مفسرین، علماء، فقہاء، اولیاء، صوفیا، غوث، قطب، سب ہی ہوں گے مگر کسی کو یاد ہی نہ ہوگا کہ آج شفاعت کا سہرا نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے سر مبارک پر ہے۔حالانکہ دنیا میں سب کو اس بات کا علم تھا اور سب کو معلوم تھا کہ شفاعت کے دروازے کو صرف حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ہی کھول سکتے ہیں۔لیکن وہاں ایسے بھولیں گے کہ کسی کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا نام لینا یاد نہ ہوگا۔محض اپنے قیاس سے دیگر انبیاء علیہ السلام کے پاس شفاعت کے لیے جائیں گے۔اور وہ حضرات بھی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا پتہ نہ بتا سکیں گے سوائے حضرت عیسیٰؑ کے اس میں بھی ایک راز ہے اور وہ یہ ہے کہ ''اگر مخلوق پہلے ہی حضور

اقدس خاتم النبیین ﷺ کے آستانے پر حاضر ہو جاتی اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ان کی شفاعت فرمادیتے تو کوئی کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ اس شفاعت میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی کیا خصوصیت ہے۔ ہم تو اتفاقاً یہاں آگئے اور شفاعت ہوگئی۔ کسی اور نبی کے پاس جاتے تو وہ شفاعت کروادیتے۔ اس لیے سب کی زبانیں بند کرنے کے لیے پہلے سے دروازوں پر پھیرا لیا جائے گا اور ہر جگہ بھیک منگوائی جائے گی اور سب سے منوالیا جائے گا کہ آج حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے سوا کوئی خبر لینے والا نہیں ہے۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے زمانہ مبارک میں صحابہ کرامؓ ہر حاجت کے لیے آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تھے حتیٰ کہ بارش کے لیے دعا کرواتے۔ بلکہ انسان تو انسان جانور اور حجر وشجر بھی جانتے ہیں کہ یہ نبی ہمارے خبر لینے والے ہیں۔ یہ ہے نبی بمعنی خبر لینے والا۔

4-ایمان:-

یہ لفظ امن سے بنا ہے اس کے معنی ہیں امن دینا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہے یعنی اپنے بندوں کو اپنے قہر وعذاب سے امن دینے والا۔ یہ بندے کی صفت بھی ہے کہ بندے کو قرآن کریم نے "مومن" فرمایا ہے۔ شریعت میں ان عقیدوں کا نام ایمان ہے جن کو اختیار کرنے سے انسان کفر سے بچ کر مومنوں کی جماعت میں آجاتا ہے۔

جان ایمان کیا ہے؟

کلمہ پڑھنا اور ایمان مفصل اور ایمان مجمل:۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ط

ترجمہ: میں ایمان لایا اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر اور یہ کہ اچھی اور بری تقدیر اس کی طرف سے ہے۔ اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر۔"

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَآئِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَار "بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ ط

ترجمہ: "میں ایمان لایا اللہ پر جیسا کہ وہ اپنے ناموں اور صفتوں کے ساتھ ہے اور میں نے اس کے تمام حکموں کو قبول کیا زبان سے اقرار کیا اور دل سے یقین کیا"۔

جان ایمان صرف ایک چیز ہے اور وہ نبوت کا الوہیت سے یعنی نبی خاتم النبیین ﷺ کو اللہ سے ملانا جہاں اللہ اور رسول ﷺ میں جدائی کی انسان کافر ہوا اور جہاں اللہ کو رسول خاتم النبیین ﷺ سے ملایا مومن ہو گیا۔ قرآن پاک سورۃ النساء۔ آیت نمبر 151۔150 کا فتویٰ ملاحظہ کیجئے!

ترجمہ: "اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق اور جدائی کر دیں اور کہتے ہیں ہم بعض پر ایمان لائیں گے اور بعض کے ساتھ کفر کریں گے اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی راستہ اختیار کریں یہ لوگ پکے کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔" "قرآن پاک سے ثابت ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ میں جدائی سمجھنا کفر ہے تو لامحالہ اللہ اور اس کے رسول کو ملانا ایمان ہوا۔ ملانے کا مطلب نہ تو یہ ہے کہ رسول کو خدا مان لیا جائے اور نہ یہ کہ رب کو رسول تصور کر لیا جائے۔ اللہ اللہ ہے اور نبی نبی ہے۔ بلکہ ملانے کا مطلب بطور تمثیل یوں سمجھیں کہ نوٹ میں کاغذ بھی ہے اور شاہی مہر بھی اب مہر کاغذ نہیں ہے اور کاغذ مہر نہیں ہے مگر مہر کاغذ سے ایسی ملی ہوئی ہے کہ اگر کاغذ سے الگ ہو جائے تو کاغذ بے قیمت ہو جائے۔ ایک ہے لیمپ اس کی چمنی کا رنگ ہرا ہے تو چمنی کا رنگ بتی کے نور سے ایسا ملا ہوا ہے کہ گھر کے جس کونے میں بتی کا نور ہوگا وہاں چمنی کا رنگ ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ بتی کا نور رہے اور چمنی کا نور نظر نہ آئے۔"

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (سورہ نور۔ آیت نمبر 35) ترجمہ: "مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ" اس آیت کریمہ کی چند تفاسیر ہیں جن میں سے ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ توحید الٰہی گویا نور ہے اور ذات پاک محمد خاتم النبیین ﷺ گویا زجاجہ یعنی چمنی۔

بھلا غور تو کریں کہ کلمہ طیبہ ہے تو توحید مگر اس میں توحید کے بعد حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی رسالت کا بھی ذکر ہے اور ترتیب ذکر یوں ہے اول جز "لا الہ الا اللہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بعد میں ہے اور ذکر دوئم محمد رسول اللہ میں حضور خاتم النبیین ﷺ کا نام پہلے ہے تاکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا نام اللہ کے نام سے ملا رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے نام میں لفظ تک کی جدائی منظور نہ فرمائی (کہ یہ وہ کلمہ ہے جو عرش پر لکھا ہوا حضرت آدم علیہ السلام نے دیکھا تھا) تو کسی اور جگہ یہ تفریق اور جدائی کیوں پسند فرمائے گا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

1- وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ "فرمابرداری کرو اللہ اور اس کے رسول کی۔ (سورۃ آل عمران۔ آیت نمبر 131)

2- وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا "جس نے فرمانبرداری کی اللہ اور اس کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) کی وہ کامیاب ہو گیا"۔ (سورۃ الاحزاب، آیت نمبر 71)

3- اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ" ترجمہ اللہ اور اس کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا"۔ (سورۃ توبہ۔آیت نمبر 74)

4- وَ مَنْ یَّخْرُجْ مِنْ بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ" ترجمہ: جو اپنے گھر سے نکل پڑا اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے"۔ (سورۃ النساء۔آیت نمبر 100)

5- وَ فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَ رَسُوْلُہٗ" ترجمہ: اور عنقریب اللہ اور اسکا رسول تمہارے اعمال دیکھیں گے" -(سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۰۵)

6- لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ" ترجمہ: اللہ و رسول سے آگے نہ بڑھو"۔ (سورۃ الحجرات۔آیت نمبر 1)

7- فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ" ترجمہ: پس اللہ اور اس کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) پر ایمان لاؤ"۔ (سورۃ العمران ۔179 سورۃ النساء۔آیت نمبر 171)

8- وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ" ترجمہ:"اور کہا انہوں نے کہ ہم کو اللہ رسول (خاتم النبیین ﷺ) اپنے فضل سے اور دیں گے"۔ (سورۃ توبہ۔آیت نمبر 59)

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے شاعر خاص حضرت حسان ؓ ابن ثابت فرماتے ہیں "ضَمَّ الْاِلٰہُ اِسْمَ النَّبِیِّ بِاِسْمِہٖ اِذْ قَالَ فِی الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْھَدُ وا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا۔ نماز پنج گانہ کی تکبیر اور اذان کہہ کر دیکھ لو کہ موذن اشھد ان لا الہ اللہ کہتے ہی اشھد ان محمد الرسول اللہ کہتا ہے۔ خیال رہے کہ حضرت حسان ؓ وہ خوش نصیب نعت گو صحابی ؓ تھے جن کے ایک ایک شعر پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے جھوم جھوم کر دعائیں دیں ہیں ان کے اشعار بارگاہ نبوت سے قبولیت بلکہ داد حاصل کر چکے ہیں۔ ذرا اپنے دین پر غور کریں کہ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب خاتم النبیین ﷺ کی سنتوں کو اپنے فرائض سے اس طرح ملایا کہ کوئی عبادت سنتوں سے خالی نہیں۔ نماز پنجگانہ میں فجر کی سنتوں کی افادیت سب پر عیاں ہے۔ ظہر کے چار فرض چھ سنتیں، مغرب کی نماز میں فرض تین اور سنتیں اور نفل 4، نماز فرض پڑھنے لگیں تو سبحانک اللہ پڑھنا، اعوذ باللہ پڑھنا، بسم اللہ پڑھنا سنت پھر تلاوت قرآن کریم، فرض، رکوع، سجدہ فرض، روزہ رمضان فرض، شروع کیا سحری سے، سحری کرنا افطار کرنا، تراویح پڑھنا سنت۔ پھر بچے کے پیدا ہوتے ہی کان میں اذان دینا سنت، عقیقہ سنت، ختنہ سنت، بچے کی پرورش کرنا سنت، بالغ ہونے کے بعد فرائض شروع ہوتے ہیں۔ اس وقت تک ہم سنتوں کے سائے میں پرورش پاتے ہیں۔ پھر روزی کمانا، کھانا، نکاح کرنا، بیوی بچوں کا پالنا سب سنت ہے۔ مرتے وقت مرنے والے کو کلمہ کی تلقین کرنا یا کلمہ پڑھانا سنت ہے۔ میت کا رخ کعبہ کی طرف کرنا سنت، بعد موت کفن کے تین یا پانچ کپڑے سنت، دفن اور غسل کے طریقے سنت غرض یہ کہ ہر جگہ فرض سنتوں سے ملے ہوئے ہیں۔

قرآن پاک علمی شکل میں نازل ہوا اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ذات مبارک عملی صورت میں ہمارے سامنے آئی۔ ہماری عملی زندگی سنتوں کا نمونہ ہے اس لیے ہمارا نام اہل فرض یا اہل واجب یا اہل مستحب نہیں رکھا گیا بلکہ سنت والے کے سائے میں رہنے والے اہل سنت والجماعت رکھا گیا۔

بہرحال روح ایمان، اللہ رسول کو ملانا ہے۔ شیطان اور صدہا قسم کے کفار اللہ کی ذات، فرشتے، جنت، دوزخ سب کو جانتے اور مانتے ہیں مگر پھر بھی کافر کے کافر ہیں کیوں؟ اس لیے کہ اللہ کے ساتھ رسول خاتم النبیین ﷺ کو نہیں ملاتے۔ ایک انصاری نے اپنے کھیت کو پانی دینے کا مقدمہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں پیش کیا مگر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا اس کے متعلق سورۃ النساء، آیت نمبر 65 اتری:

ترجمہ:۔"اے محبوب آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ اپنے اختلافات میں آپ (خاتم النبیین ﷺ) کو حاکم نہ مانیں پھر آپ کے فیصلے سے دل تنگ نہ ہوں اور سر تسلیم خم کر دیں"۔

بعض صحابہ اکرام ؓ کی آواز آپ خاتم النبیین ﷺ کی نسبت اونچی ہو جاتی تھی ان کے متعلق عرض ہوا ترجمہ:"اے ایمان والو اپنی آوازیں اپنے نبی خاتم النبیین ﷺ کی آواز سے اونچی مت کرو اور ان کی بارگاہ میں اونچا نہ بولو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو"۔(الحجرات۔آیت نمبر 2)

دیکھئے ان انصاری اور ان اونچا بولنے والے حضرات نے کسی ایمان عقیدے کا انکار نہ کیا تھا۔ توحید، قیامت، ملائکہ، جنت، دوزخ وغیرہ سب کے اقراری تھے بلکہ نبوت کا انکار بھی نہیں کیا تھا۔ بس لوازمات نبوت خاتم النبیین ﷺ میں سے ایک شے میں قصور ہو گیا تھا یعنی "حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ادب" اور آپ خاتم النبیین ﷺ پر اعتماد" رب نے اس کو بھی کفر قرار دے دیا۔ کیونکہ نیکیاں تو صرف کفر سے ضبط ہوتی ہیں مطلب یہ نکلا کہ تمام عقائد ایمان کا ڈھانچہ ہیں اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ادب و احترام اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی ذات کو اللہ کی ذات کے ساتھ ملانا روح ایمان ہے۔

تم　خدا　نہیں　،　بخدا　نہیں

پر　ذات　خدا　سے　جُدا　نہیں

ایمان کامل (حضور پاک ﷺ سے محبت دینِ حق کی شرط اوّل):

حضور نورِ مجسم سیّد عالم خاتم النبیین ﷺ سے محبت وعقیدت ایمان کی جان ہے۔

حضور نورِ مجسم سیّد عالم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: "تم میں کوئی مومن نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ وہ اپنے ماں باپ اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھے محبوب نہ جانے"۔

نیز فرمایا "جن میں یہ تین خوبیاں ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت کو پالیں گے:

اوّل: یہ کہ اللہ ورسول خاتم النبیین ﷺ کی محبت سب سے زیادہ ہو۔

دوم: یہ کہ اللہ کے لیے دوستی اور دشمنی رکھتا ہو۔

سوم: یہ کہ کفروشرک کو اتنا بُرا جانے جس طرح آگ میں ڈالے جانے کو بُرا جانتا ہے"۔ (بخاری)

مسلم شریف کی حدیث کا مضمون ہے ایک شخص بحضور نبوی خاتم النبیین ﷺ حاضر ہوئے عرض کی "یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ قیامت کب آئے گی "؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" تونے اس کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے"- عرض کی" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں نے اس کے لیے نہ تو کوئی زیادہ نمازیں پڑھی ہیں اور نہ ہی کوئی صدقہ وغیرہ زیادہ کیا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ سے محبت رکھتا ہوں"۔ (مسلم)

ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ حُب رسول مدار ایمان ہے۔جس مومن کے دل میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی محبت کامل ہوگی اُس کا ایمان کامل ہو گا۔اگر کسی کے دل میں حضور خاتم النبیین ﷺ کی محبت مطلقاً نہیں ہے تو وہ قطعاً ایمان سے محروم ہے۔

محبت کا معیار محبوب کا اتباع اور اس کی پیروی ہے۔محب محبوب کا مطیع وتابع ہوتا ہے۔قرآن مجید میں سورۃ آل عمران آیت نمبر۔31 میں فرمایا:

ترجمہ:"اے رسول محترم آپ (خاتم النبیین ﷺ) فرمادیجیے کہ اے لوگو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔میری اتباع کرو۔اللہ تعالیٰ تمھیں اپنا محبوب بنائے گا"

اس آیت سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ محبت کی شرط اتباع اور اطاعت ہے۔لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا صرف۔

شریعت کی پابندی اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا اتباع معیارِ محبت ہے؟ یا اس میں کوئی اور قید بھی ہے؟

اگر مطلقاً اتباع رسول کو معیار محبت قرار دیا جائے تو پھر وہ منافق بھی جو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا بظاہر اتباع کرتے تھے۔اللہ کے محبوب قرار پائیں گے۔کیونکہ قرآن سے واضح ہے کہ منافقین کلمہ پڑھتے تھے نمازیں ادا کرتے تھے زکوٰۃ دیتے تھے جہاد میں شریک ہوتے تھے۔

حتیٰ کہ بخاری کی حدیث میں یہاں تک تصریح ہے کہ آخر زمانہ میں ایک گمراہ وبے دین قوم ہوگی۔وہ قرآن پڑھے گی مگر قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہ اترے گا۔

سچے اور مخلص مسلمان ان کی نمازوں کے مقابلے میں اپنی نمازوں کو حقیر جانیں گے۔

تو اگر مطلقاً حضور خاتم النبیین ﷺ کے اتباع اور شریعت کی پابندی کو معیار محبت خدا اور رسول خاتم النبیین ﷺ مانا جائے تو پھر منافقین اور مذکورہ بالا حدیث میں جس بے دین قوم کا ذکر ہے۔باوجود بے دین اور منافق ہونے کے اللہ کے محبوب اور منافق قرار پا جائیں گے۔اور یہ ظاہر ہے کہ منافق ہرگز اللہ کا محبوب نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ حضور پاک ﷺ کی محبت کے نشہ میں۔اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ عشق ومحبت کے جذبات سے مجبور ہوکر بتقاضائے محبت رسول خاتم النبیین ﷺ رسول خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت واتباع اور شریعت کی پابندی حب خدا اور حب رسول خاتم النبیین ﷺ ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فلاں شخص یا فلاں گروہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی محبت والفت میں سرشار ہوکر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت واتباع کر رہے ہیں۔اور فلاں بغیر محبت کے محض نقل کر رہے ہیں۔اور حب رسول کے بغیر منافقوں کی طرح شریعت کی پابندی کر رہے ہیں تو اس سوال کے جواب کے لیے محبت کے صحیح معیار کے تلاش کی ضرورت ہے۔اور صحیح معیار محبت کی رہنمائی بھی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ہی ارشاد سے واضح ہوجاتی ہے۔

ایک قول ہے کہ: "جب کسی کو کسی سے محبت ہوجاتی ہے تو اُس کو (محبوب کا عیب دیکھنے سے) اندھا (اور محبوب کا عیب سننے سے بہرہ کردیتی ہے)"۔

اس حدیث مقدس سے محبت کا معیار صحیح یہ معلوم ہوا کہ مدعی محبت کی آنکھ اور کان محبوب کا عیب دیکھنے اور سننے سے پاک ہو۔

عقل سلیم کے نزدیک بھی محبت کا معیار یہ ہی ہے۔ کیونکہ محبت کا مرکز۔ حسن و جمال ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ محبت والی آنکھ کو محبوب کی ذات میں کوئی عیب نظر آئے اگر کسی کو محبوب میں عیب نظر آتے ہوں تو وہ اپنے دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے۔ اس معیار پر جتنے بھی فرقے اب پیدا ہو گئے ہیں انہیں پرکھ لینا چاہیئے۔

ایک گروہ حضور پاک کے دوست اور محبوب خلفائے راشدین وصحابہ کرام کو کافر ومنافق کہہ کر ذات رسول پر کافروں اور منافقوں سے محبت کرنے کا عیب لگا رہا ہے۔ کوئی آلِ پاک نبی خاتم النبیین ﷺ کی شان میں گستاخی کر کے حضور خاتم النبیین ﷺ کی شان گھٹا رہا ہے۔

ایک ٹولا حضور خاتم النبیین ﷺ کے خاتم الانبیاء علیہ السلام ہونے کا انکار کر کے شانِ خاتمیت رسالت خاتم النبیین ﷺ کی توہین کر رہا ہے۔

ایک جماعت حضور خاتم النبیین ﷺ کی تشریعی حیثیت منصب رسالت اور حضور خاتم النبیین ﷺ کی احادیث کا انکار کر کے آپ کی توہین میں مصروف ہے۔ کوئی کہتا ہے معاذ اللہ حضور خاتم النبیین ﷺ مر کر مٹی میں مل گئے۔ وہ تو ہمارے جیسے انسان اور ہمارے بڑے بھائی کی طرح ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں ہے۔

کسی کا قول یہ ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کا علم شیطان سے بھی کم ہے کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ سے بے شمار غلطیاں ہوئی ہیں۔ اِس لیے اللہ نے ان پر عتاب کیا۔ کوئی کہتا ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کے روضہء اقدس کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا شرک ہے۔ (معاذ اللہ)

ایسا کہنے اور حضور خاتم النبیین ﷺ کی شان میں ایسا عقیدہ رکھنے والے فرقے نماز پڑھتے ہیں۔ روزے رکھتے ہیں۔ حج زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ تقویٰ وطہارت کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔

اسلام کی تبلیغ واشاعت کے ادارے بھی قائم کرتے ہیں۔ مگر انصاف اور دیانت کے ساتھ غور کریں۔ کون صحیح معیار محبت پر پورا اترتا ہے۔

محبت والی آنکھ کو تو محبوب میں کوئی عیب نظر ہی نہیں آتا وہ تو محبوب کو ہر خوبی وشرف اور ہر فضل وکمال کا جامع دیکھتا ہے اور جنہیں خدا کے مقدس ومطہر معصوم رسول میں عیب نظر آتے ہیں جو بے عیب رسول کو عیب لگائیں۔ اُن کی شان کو گھٹائیں۔ وہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے دعویٰ محبت میں (باوجود شریعت کی پابندی کے) کیونکر صادق وسچے ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا آیت فاتبعونی یحببکم اللہ کا مفہوم صحیح یہ ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ذات اقدس کو ایسا محبوب بناؤ کہ ہر لمحہ وہر آن آنکھیں اُن کے جمال اور کمال کو دیکھنے میں اور زبان ان کے فضل وکمال کے بیان کرنے ہی میں مصروف رہیں۔ ہر قسم کی محبت کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی محبت پر قربان کر دینا چاہیئے اور اس بے عیب طیب وطاہر سراج منیر روشنی کے مینار مقدس ومطہر رسول کے عشق ومحبت میں مخمور ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور شریعت کی پابندی کریں تب اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا محبوب بنا لے گا ورنہ کچھ نہیں۔

ثنائے محمد جو کرتے رہیں گے
وہ دامن مرادوں سے بھرتے رہیں گے
وہ لمحات بخشش کا ساماں ہونگے
جو ذکر نبی میں گزرتے رہیں گے

****

ایمان کامل حاصل کرنے کا طریقہ

ایک مسلمان کے لئے سب سے زیادہ ضروری اور فرض چیز نماز کی پابندی ہے۔بس انسان نماز شروع کردے یعنی حاضری کا پابند ہوجائے آہستہ آہستہ حضوری بھی آجاتی ہے۔شروع میں جیسی بھی نماز ہو بس نیت نیک رکھے۔اس لئے کہ کبھی نماز میں دل لگتا ہے کبھی نہیں لگتا، کبھی ذہن میں سکون ہوتا ہے کبھی بے سکونی کی حالت ہوتی ہے، کبھی وسوسے ہوتے ہیں اور کبھی پریشان خیالیاں حملہ آور ہوتی ہیں۔نماز کے دوران یکسوئی کی کیفیت تو شاذ و نادر ہی ہوتی ہوگی۔اس لئے دل میں یہ ہی خیال رہتا ہے کہ میری اس نماز کا کیا فائدہ ؟ مجھے اس نماز سے کیا ملے گا؟ لیکن ہمیں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ عمارت کو تعمیر کرنے کے لئے شروع میں صرف بنیاد مضبوط کرنے کی طرف توجہ دی جاتی ہے، اس کے خوشنما ہونے کی طرف نہیں دیکھا جاتا۔بنیاد میں تو بس ہر طرح کے پتھر اور روڑے، بجری وغیرہ بھر دی جاتی ہے اور بعد میں اس پر ہی ایک عالیشان محل تیار کیا جاتا ہے۔

نماز کے دوران وسواس اور پریشان خیالیوں کے بارے میں ان کے اختیاری اور غیر اختیاری ہونے کا فرق ضرور معلوم کرتے رہنا چاہئے۔جو وسوسے اور خیالات انسان اپنے دل میں خود لاتا ہے ان کو روکنا اس کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے اس اختیار کو استعمال کرنا فرض ہے۔اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنی توجہ کو نماز کے الفاظ کے معنی کی طرف پھیر دیا جائے۔دل میں ایک وقت میں دو خیالات جمع ہونے کی گنجائش نہیں ہوتی اس لئے جونہی دل نماز کے الفاظ کے معنی کی طرف متوجہ ہوگا وسوسے اس وقت ختم ہوجائیں گے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک سورہ الاحزاب آیت نمبر 4 میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''کسی آدمی کے جسم میں اللہ تعالیٰ نے دو دل نہیں رکھے''

اس کا مطلب یہ ہے کہ دل ایک ہے یہ دو طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔اس کے برعکس جو وسوسے غیر اختیاری طور پر پیدا ہوں ان کی طرف توجہ ہی نہیں دینی چاہئے بلکہ ان کو نظر انداز کردیا جائے۔

نماز کے اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی زندگی کا اصل راز یہ ہے کہ دنیا کو دل میں نہ رکھو، دنیا دل میں رکھنے کی چیز نہیں ہے اس کو بقدر ضرورت صرف ہاتھوں میں تھامے رکھو۔دنیا دل میں سمانے کی چیز نہیں ہے اس کا ہاتھ میں رکھنا نقصان دہ نہیں ہے، دل میں سمانا خطرناک ہے۔دل تو بس اللہ تعالیٰ کے رہنے کی جگہ ہے نہ معلوم کس وقت نور حق اور رحمت الٰہی دل پر جلوہ گر ہوجائے۔اس لئے اس بات کا ہمیشہ خیال رکھا جائے کہ دل کو دنیا کی فضولیات سے خالی رکھا جائے تو اس میں عاجزی، انکساری، حلیمی، توکل، عجز کے شگوفے کھلتے ہیں اور پھر ان شگوفوں کی خوشبو عجب اور کبر کی بدبو کو دل سے نکال باہر کرتی ہے۔نماز کا اصل مقصد دل کی توجہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف راسخ کرنا ہے۔

پھر عبادت میں استقامت ضروری ہے اور عبادت کی یہی استقامت انسان کی سب سے بڑی کرامت ہے۔عبادت میں استقامت رکھنے والے لوگ ہی مستجاب الدعوات ہوتے ہیں ان کی تمام دعائیں قبول ہوتی ہیں۔نماز کے علاوہ ذکر، تلاوت قرآن پاک، مجاہدہ، ریاضت کرنے والوں کی نہ کوئی حد ہوتی ہے اور نہ کوئی انتہا۔نماز میں استقامت اور دنیا کی فضولیات سے بچنے کے بعد اگلی منزل اللہ کے ساتھ نسبت قائم کرنے کی ہے۔نسبت ایک لگاؤ اور ایک تعلق کا نام ہے، یہ تعلق دونوں طرف سے ہوتا ہے۔بندے کو اللہ سے اور اللہ کو بندے سے۔پھر آہستہ آہستہ یہی باطنی تعلق معرفت الٰہی کا دریچہ کھول دیتی ہے۔

نسبت کا تعلق اگرچہ باطن سے ہے اور باطن انسان کے ظاہر کی چاردیواری میں مقید ہوتا ہے۔یعنی انسان کا ظاہر اور باطن ایک ہی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔دونوں پہیوں کی جسامت، ناپ، سائز، گولائی اور صفائی اگر برابر اور یکساں نہ ہوگی تو گاڑی اصل منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے گی اور اصل منزل مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے۔جس کا ذریعہ شریعت کے احکام کی پابندی ہے، ان احکامات میں بعض ظاہر کے مطابق ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، لین دین، شہادت، وصیت و وراثت اور دیگر جملہ حقوق العباد اور بعض باطن کے مطابق ہیں جیسے حب الٰہی، حب رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم، خوف خدا، یاد خدا، تقویٰ، توکل وغیرہ۔

مسلمان ہونے اور حلال روزی کمانے کے بعد نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نوافل تہجد اور وظائف کے پڑھنے سے دین اسلام کی ایک دیوار کھڑی ہوجاتی ہے، لیکن یہ دیوار ایک سیکنڈ بھی کھڑی نہیں رہ سکتی، جب تک اس دیوار کو حقوق العباد کا پلاسٹر نہ کیا جائے۔اصل میں دین اسلام کا دوسرا نام حقوق العباد ہے، یاد رکھیں حقوق اللہ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل سماعت بھی ہے اور قابل معافی بھی، لیکن حقوق العباد کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل سماعت ہے لیکن قابل معافی نہیں ہے، جب تک وہ معاف نہ کرے جس کا حق مارا گیا ہے۔

اپنے ظاہر و باطن کو شریعت کی راہ پر توازن اور اعتدال سے چلانے ہی سے عبدیت (بندہ ہونا) کا سفر طے ہوتا ہے، اور اگر عبدیت میسر ہوجائے تو ولایت اور اوتادیت، ابدالیت، قطبیت، غوثیت وغیرہ سب اس عبدیت پر قربان۔

حق کو راضی کرنے میں سرفہرست ذکر ہے تلاوت قرآن پاک بھی ذکر اللہ ہے۔

قرآن پاک کی سورہ فاطر آیت نمبر 32 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: ''پھر یہ کتاب قرآن ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی، جن کو ہم نے اپنے بندوں میں پسند فرمایا۔ پھر بعض تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں متوسط درجے کے ہیں اور بعض ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے جاتے ہیں یہ بڑا فضل ہے''۔

اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔

1) ایک وہ لوگ جو صاحب ایمان ہیں لیکن صاحب عمل نہیں ہیں، بلکہ ایسے عمل کرتے ہیں کہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں لیکن اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں میں سے خارج نہیں ہوتے (یعنی دوستی رہتی ہے) اس لئے کہا جاتا ہے کہ ولایت عامہ ہر مومن کو حاصل ہے یعنی (سورۃ البقرہ آیت نمبر 247)

اللہ ولیُ الَّذین اٰمَنُوا (اللہ ہر ایمان والے کا دوست ہے)

2) اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں میں وہ لوگ شامل ہیں جو صاحب ایمان ہیں۔ اور صاحب عمل بھی۔ یہ لوگ اپنی اپنی استعداد اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کے مطابق نیکیاں کر کے ترقی حاصل کرتے ہیں، کوئی متوسط درجے تک ترقی کرتا ہے کوئی اس سے آگے، اور کوئی اس سے آگے، ترقی کی کوئی انتہا نہیں، ترقی پا کر کوئی متقی بنتا ہے کوئی ولی، کوئی ابدال، کوئی اوتاد، کوئی اخیار، کوئی قطب، کوئی غوث، کوئی شہید، کوئی صدیق۔ انبیاء سے نیچے صدیقین کا درجہ بہت بلند ہے۔

یعنی ولایت عامہ کے لوگ جو ایمان تو رکھتے ہیں لیکن عمل نہیں کرتے۔ اس درجے میں گریڈ نمبر 1 کی سب سے نچلی سطح پر شمار ہوتے ہیں، یہی لوگ اگر نیک عمل کر کے اپنے گریڈ میں ترقی کرتے جائیں تو انہیں ولایت خاصہ حاصل ہو جاتی ہے، دوسرے لفظوں میں یہ اولیاء کہلاتے ہیں۔ کیونکہ صالحین کے زمرے میں غوث، قطب، اوتاد، اخیار، ابدال اور اولیاء کا شمار ہے، اولیاء کی تعداد کسی کو معلوم نہیں پر چالیس متقیوں میں ایک ولی ہوتا ہے اور نہ ہی اولیاء اکرام ایک دوسرے سے واقفیت رکھتے ہیں جبکہ غوث، قطب، اوتاد، اخیار، ابدال ایک دوسرے کو جانتے ہیں اور یہ لوگ ایک دوسرے کی ڈیوٹی سے بھی واقف ہوتے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ توفیق کسے کہتے ہیں؟

قرآن پاک سورہ آل عمران آیت نمبر 101 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے،

ترجمہ: ''اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑتا ہے تو وہ ضرور راہ راست کی ہدایت کیا جاتا ہے''۔

انفرادی طور پر توفیق الٰہی بھی ایک عظیم نعمت ہے۔ لیکن اگر کسی شخص سے گناہ سرزد ہوتے رہیں تو اس سے انوار و برکات منقطع ہو جاتے ہیں۔ اور توفیق سلب ہو جاتی ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ توفیق کا دارومدار انسان کے اپنے اعمال پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں پہل کرنا ہر انسان کا انفرادی فرض ہے۔ اگر نیت میں خلوص ہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت خود آگے بڑھ کر اسے سنبھال لیتی ہے۔

ہر اطاعت کے اپنے اپنے انوار و برکات ہوتے ہیں اور ہر اطاعت سے دوسری اطاعت کا سلسلہ چلتا ہے، اور اس میں ایسا سامان جمع ہونے لگتا ہے جس کو توفیق کہتے ہیں۔ اطاعت وعبادت میں جس طرح توفیق حاصل ہوتی ہے نافرمانی اور گناہوں میں مبتلا ہونے سے اس طرح توفیق بند ہو جاتی ہے یا سلب کر لی جاتی ہے۔

مختصر طور پر یہ کہ ایمان ہر مومن میں ہوتا ہے اور ایمان کا ایک نور ہوتا ہے، اگر چہ اس کے آثار پورے طور پر ظاہر نہ ہوں۔ جیسے کوئی حسین اپنے چہرے پر سیاہی مل لے تو چہرہ سیاہ ہو جائے گا اور جب وہ صابن سے اسے دھو لے تو پھر صاف اور چمکدار چہرہ نکل آئے گا۔ ایسے ہی بعض مسلمانوں کا نور ایمان گناہوں کی وجہ سے ڈھکا چھپا رہتا ہے، مگر جب توبہ کر لیتے ہیں تو قلب اسی وقت منور ہو جاتا ہے، پھر اس قلب کی روشنی چہرے کو بھی منور کر دیتی ہے۔

ہر انسان جسم اور روح کا مرکب ہے، اعضائے بدنی (ظاہری) کے سڈول (خوبصورت) ہونے کا نام خوبصورتی ہے اور اعضائے روحانی (باطنی) کے متوسط اور متوازن ہونے کا نام خوب سیرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو حسن سیرت مطلوب ہے۔ قرآن پاک کی ساری تعلیمات کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ قوائے باطنی کو پاکیزہ، معتدل، اور حسین بنا کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کر دیا جائے۔ جس شخص کی باطنی قویٰ کی روحانی ترکیب کو حسن اعتدال میں رہبر عالم حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ جس قدر زیادہ مناسبت، مشابہت، اور موافقت حاصل ہوگی، اسی تناسب سے اسے قرب الٰہی، حب الٰہی اور محبوبیت کا درجہ عطا ہوگا۔ اور اس طرح اس کے برعکس عشق رسول خاتم النبیین ﷺ کی اس کسوٹی کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے، یہی اصل طریقت ہے۔ اور اس کا حاصل ہو جانا کرامت ہے، اور اس کو فنافی الرسول کا مرتبہ کہا جاتا ہے۔

جس طرح ہر مسلمان کے باطن میں نور ایمان کی کچھ نہ کچھ شعاعیں ضرور مستور (چھپی ہوئی) ہوتی ہیں۔ اس طرح ہر صاحب ایمان کے دل میں حب رسول خاتم النبیین ﷺ اور احترام رسول خاتم النبیین ﷺ کا جذبہ بھی کسی نہ کسی حد تک یقیناً موجزن ہوتا ہے۔ اس میں اچھے، بہت اچھے اور بُرے مسلمان کی تخصیص نہیں ہوتی بلکہ تجربہ شاید یہ ہے کہ جن لوگوں نے ناموس رسالت ﷺ پر جان عزیز کو نثار کیا اور رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے نام پر قربان ہوئے، ظاہری طور پر نہ تو وہ عالم تھے اور نہ ہی اپنے زہد اور تقویٰ میں ممتاز تھے۔ اس لئے کہ ایک عام انسان کا شعور اور لاشعور جس شدت اور دیوانگی کے ساتھ شان رسالت کے حق میں مضطرب ہوتا ہے، اس کی بنیاد عقیدے سے

زیادہ عقیدت پر مبنی ہے۔

خواص میں یہ عقیدت ایک جذبہ ہے اور عوام میں یہ جذبہ ایک جنوں کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ یہ ایک خودکار تخلیقی عمل کی طرح جنم لیتا ہے اور پھر فطرت انسان کے نہاں خانوں میں پوشیدہ رہتا ہے، جس کا بسا اوقات انسان کو خود بھی علم نہیں ہوتا۔

نیک لوگوں میں عقیدت رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدت پائی جاتی ہے اور نسبتاً کم نیک لوگوں میں عقیدت رسول خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شدت پائی جاتی ہے۔ احترام رسالت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ وہ پوشیدہ حقیقت ہے جو ہر اچھے اور برے انسان کے لاشعور میں اس طرح جاری وساری رہتی ہے جس طرح خون اس کی رگوں میں گردش کرتا رہتا ہے۔

قرآن پاک سورۃ الاحزاب آیت نمبر 56 میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: "بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر۔ اے ایمان والو تم بھی نبی (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود بھیجو اور ادب کے ساتھ سلام"۔ مندرجہ ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دے کر اس کی تعمیل کا مطالبہ نہیں کیا ہے بلکہ خود اپنے ایک عمل کی مثال دے کر اس کی تقلید کی فرمائش کی ہے۔ ایک (عبد) بندہ کی فضیلت کا اس سے بڑھ کر کوئی درجہ تصور میں لانا بھی محال ہے درود شریف کے فضائل میں کچھ باتیں ہیں۔

ہم درود شریف پڑھ کر اس محسن انسانیت کا تھوڑا سا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس عظیم ذات نے اس اُمت پر کیا ہے۔

دوسرے یہ کہ درود شریف پڑھنے والے کو اپنی استعداد اور خلوص کے مطابق صاحب درود (نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی توجہ کا شرف ضرور حاصل ہوتا ہے۔

قرآن پاک نے متقی لوگوں کی صفات بیان کی ہیں کہ متقی تو صاحب جمال لوگ ہیں، نیک چلن ہیں پاکباز ہیں، ایمان دار ہیں سخی، عادل، صادق، نرم دل، غیظ اور دوسری نفسانی خواہشات کو ضبط رکھنے والے، تکبر سے پاک، فساد عیب جوئی، طعن، تضحیک و توہین کا مرتکب ہونے سے بے نیاز۔

ان کا ظاہری لباس بھی دیدہ زیب ہوتا ہے اور ان کا باطنی لباس تو اس سے بھی زیادہ خوش جمال اور باعث زینت ہوتا ہے۔ اس لباس کا نام تقویٰ ہے اسی کو سیرت کہتے ہیں۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ ان کا ظاہر ڈنکے کی چوٹ پر پکار پکار کر ان کے متقی ہونے کا اعلان نہیں کرتا ہے اور اگر کسی کے باطن میں یہ بات آجائے کہ وہ صاحب تقویٰ ہے تو ان کے تقویٰ کا لباس تار تار ہو کر انہیں تکبر کے خارزار میں تنہا چھوڑ دیتا ہے۔ یہ ایک دودھاری تلوار ہے اس کی زد سے زندہ سلامت بچ کر وہی خوش نصیب نکلتے ہیں جن کا تقویٰ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان کامل حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل باتوں کا ہونا بہت ضروری ہے،

1۔ نماز

2۔ دل دنیا کی فضولیات سے خالی ہونا

3۔ نسبت قائم کرنا

4۔ ذکر الٰہی میں مشغول رہنا

5۔ شریعت کی پابندی کرنا

6۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کی جستجو کرتے رہنا

7۔ حقوق العباد کا پورے طور سے خیال رکھنا

8۔ نبی کریم خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات سے محبت کرنا

9۔ نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر چلنا

10۔ تعمیر سیرت یعنی تقویٰ کا حصول

برسوں کی ریاضت، زندگی بھر کا مجاہدہ اور کوشش کے بعد اگر یہ احساس طاری رہے کہ مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ تو درحقیقت اس کو سب کچھ حاصل ہو گیا ہے۔ لیکن جونہی کسی کے دل میں یہ خیال ابھرا کہ اب میرا قلب عاجزی وانکساری کا مسکن بن گیا ہے، تو خطرہ ہے کہ شاید وہ پہلے سے بھی زیادہ کبر عظیم میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اس دودھاری تلوار سے بچ بچ کر چلنا ہی کامیابی کا اصل راز ہے۔

****

روح ایمان اور جان ایمان

رسول کریم خاتم النبیین ﷺ کو چاہنا ایمان ہے اور سب سے زیادہ چاہنا کمال ایمان ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہے یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ ابجد کے حساب سے ایمان کا جو عدد ہے وہی عدد حب محمد خاتم النبیین ﷺ کا ہے۔ ایمان کا عدد ہے ایک سو دو (102) اور ایک سو دو ہی عدد ''حُبِ محمد خاتم النبیین ﷺ" کا بھی ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی قابل دید ہے جو عدد کفر کا ہے وہی عدد ''ہجر محمد'' خاتم النبیین ﷺ کا بھی ہے۔ کفر کا عدد (300) تین سو اور ''ہجر محمد'' خاتم النبیین ﷺ کا عدد بھی 300 ہے۔ ہجر کہتے ہیں قطع تعلق کر لینے کو۔ الغرض نبی کی محبت ہی ایمان ہے۔ لہٰذا وہ جھوٹے ہیں جو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی محبت کے مدعی بھی ہیں، مگر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی سچی محبت سے تہی دامن ہیں۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب خاتم النبیین ﷺ سے تعلق اور بے تعلقی کو خود اپنے سے تعلق اور بے تعلق کا معیار قرار دیا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے ایمانی تعلق پیدا کئے بغیر رب تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا عقل سے بالاتر ہے۔ اس لیے رب تعالیٰ جسے اپنا بنانا چاہتا ہے پہلے اسے اپنے حبیب خاتم النبیین ﷺ کا بنا دیتا ہے اور جسے اپنے سے دور رکھنا چاہتا ہے اسے اپنے حبیب خاتم النبیین ﷺ سے دور رکھتا ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے جو چیز منسوب ہوگئی سراپا خیر بن گئی۔ نبی خاتم النبیین ﷺ کا لایا ہوا دین ''خیر الادیان'' نبی خاتم النبیین ﷺ پر نازل کی ہوئی کتاب ''خیر الکتب'' نبی خاتم النبیین ﷺ کا شہر ''خیر البلاد'' نبی خاتم النبیین ﷺ کا زمانہ ''خیر القرون'' وغیرہ وغیرہ۔ المختصر اس خیر مجسم سے جسے نسبت ہوگئی وہ سراپا صاحب خیر اور بے مثال و بے نظیر ہوگیا۔ پھر نبی کی امت خیر امت کیوں نہ قرار پائے؟

امت محمد یہ خاتم النبیین ﷺ کی عظمت وفضیلت، شرافت، کرامت، سربلندی کو سمجھنے کے لیے یہی کیا کم ہے کہ امم سابقہ کو یا ایُھَا المَسَا کِیُن یعنی ''اے محتاجو'' کہہ کر خطاب فرمانے والا رب قدیر اپنے محبوب کی امت کو یا ایھا الذین آمنو (اے ایمان والو) فرما کر نہایت ہی مسرور کن، وجد آفرین اور پیار بھرے انداز سے مخاطب کر کے اپنی محبت اس امت سے ظاہر فرماتا ہے۔ اس مقام پر یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ قرآن پاک میں 88 مقامات پر ''یا ایھاالّذین آمنو'' کہہ کر خطاب فرمایا گیا ہے اور اسم الٰہی ''حلیم'' کے عدد بھی 88 ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صرف وہ مومنین ہی اس اسم الٰہی کے خاص مظہر ہیں جو حلم وعقل کو اپنا قوت بازو بنا کر آزمائشوں کی اس کائنات میں کامیابی وخوش بختی کے سایہ میں نہایت ہی سبک روی کے ساتھ رواں دواں ہیں۔ یہاں حلم کے ساتھ عقل کو اس لیے جوڑ دیا گیا ہے کہ انسانوں کیلئے بغیر عقل کے حلم کا وجود ناممکن ہے۔ جو جتنا بڑا عاقل ہوگا وہ اتنا ہی بڑا حلیم بھی ہوگا۔ تو اب اسم حلیم کا سایہ جس پر ہوگا اس کا عاقل ہونا بھی ضروری ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حقیقی معنوں میں عاقل کہلانے کا حقدار وہی ہے جو ایمان والا ہے۔

ایمان کے معنی

ایقان، یقین کرنا۔ ایمان، یقین کا تعلق قلب یعنی دل سے ہے۔ کہ دل میں جو خیالات وعقائد جگہ کر لیتے ہیں اور مستحکم ہو جاتے ہیں انہیں کو یقین کہا جاتا ہے۔ لہٰذا انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے قلب کو ایسے خیالات کا خزینہ بنائے جو اس کے ارادوں کی تکمیل اور مقاصد کے حصول کا واقعی ذریعہ بن سکیں اور ایسے خیالات سے پاک وصاف رکھے جو اس کی ناکامی اور نامرادی، ذلت وخواری کا سبب ہوں اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے قلب کی پاکیزگی ہی کو ذریعہ کامیابی وکامران قرار دیا ہے۔ فرمایا

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰھَا وَ قَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰھَا (الشمس: 9-10)

ترجمہ: ''بے شک کامیاب ہوا (وہ) جس نے اس (دل) کو پاک کیا اور تحقیق ناکام ہوا (وہ) جس نے اس (دل) کو گندگی سے آلودہ کرلیا"۔ نیز فرمایا

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی (اعلیٰ: 14)

ترجمہ: "بے شک کامیاب ہوا (وہ) جس نے (دل کو) پاک کرلیا"۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''خبردار ہو جاؤ بے شک انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو ٹھیک ہوگیا تو تمام بدن ٹھیک ہوگیا اور اگر وہ بگڑ گیا تو تمام بدن بگڑ گیا، سنو وہ دل ہے، سنو وہ دل ہے، سنو وہ دل ہے''۔ (بخاری ومسلم)

قرآن کریم دل کی تین حالتیں یا تین قسمیں بیان فرماتا ہے۔

(1) قلب اثم (2) قلب سلیم (3) قلب منیب

جومندرجہ ذیل آیات سے معلوم ہوئیں

وَ لَاتَکْتُمُو االشَّھَادَۃَ ؕ وَمَنْ یَّکْتُمْھَافَاِنَّہٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُہٗ ؕ (سورۃالبقرہ2:283)

ترجمہ:''اور گواہی نہ چھپاؤاور جوگواہی چھپائے تو بے شک اس کا دل گناہ گار ہے''

اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ؕ (سورۃالشعراء26:89)

ترجمہ:" مگر جواللہ کے دربار میں قلب سلیم لے کرحاضر ہوا"۔

مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ وَ جَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبِ ؕ (سورۃق50:33)

ترجمہ:''جورحمان سے بے دیکھے ڈرتا رہااوراللہ کی طرف رجوع کرنے والا دل لے کرآیا''۔

قلب اثم

وہ دل جو ناکام ونامراد، ذلیل وخوار کرنے والے عقائدوخیالات سے آلودہ اوراوہام کا مرکز ہو۔یعنی ایسے اقدام اوراعمال کرنے پرآمادہ کرے جوانسان کی ذلت و خواری کا باعث اور مقصد میں ناکامی کا ذریعہ بنیں۔

قلب سلیم

وہ دل جو برے خیالات،عقائد سے پاک صاف اور ایسے یقین کا مرکز ہوجوانسان کوایسے راستے کی رہنمائی اور رہبری کرے جواس کوکامیابی اور کامرانی کی منزل کی طرف لے جائے اور مقاصد میں کامیابی کا ذریعہ بنے۔

قلب منیب

وہ دل جس میں برے خیال پیدا ہوں تو وہ رد کردے اور ایسے عقائداور ایسا یقین پیدا کرے جوذریعہ فلاح اور بہبود ہوں۔یعنی دل میں اچھائی اور برائی کا امتیاز ہواور برائی کی طرف لے جانے والے خیالات کومسترد کردینے اورنیکی پرآمادہ کرنے والے عقائدویقین کو پیدا کرنے کی صلاحیت ہو۔ہم زبان سے کتنا ہی کہیں **لا الہ الا اللّٰہ اور محمد رسول اللہ** نہ کہیں تو ہمارے دل میں ایمان آ ہی نہیں سکتا۔گویا ایمان کا اولین مرحلہ نبی کی تصدیق ہے کہ ایمان کا داعی اول نبی کے سوا کوئی نہیں۔''امنو باللہ'' کی صدا بلند کرنے والا نبی کے علاوہ کون ہے؟ پس ایمان نبی ہی سے ملتا ہے یا یوں کہیے کہ نبی ہی ہمارے دل کو" قلب اثم "بننے سے بچا کر "قلب سلیم "یا "قلب منیب "بناتا ہے۔ایمان کاتعلق دل سے ہے جس نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے لائے ہوئے دین کے تمام امور کی تصدیق دل سے کردی وہ مومن ہوگیااور جس نے دل سے نہ مانا وہ مومن نہیں۔

اگرچہ ایمان کاتعلق قلب سے ہے لیکن اس کوثابت کرنے کے لیے زبان سے اقرار کرنا شرط ہے کہ جوشخص زبان سے اقرار کئے بغیر مرگیا۔اس کومومن نہیں کہا جاسکتا ہے۔ چاہے اس نے ساری زندگی نیک کام کئے ہوں۔زمانہ جاہلیت میں عبداللہ بن جدعان نامی شخص کی نیکیاں بہت تھیں،ام المومنین حضرت عائشہؓ نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا" کیا عبداللہ بن جدعان کواس کی نیکیوں کا ثواب ملے گا"؟۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" نہیں کیونکہ اس نے کبھی اللہ سے توبہ نہیں کی"۔(صحیح مسلم)

مگر ایسے لوگ جن کا ایمان لانا بصورت اقرار ثابت تونہیں لیکن وہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے بہت قریب رہے بلکہ معاون اور مددگار بھی رہے۔علماء محققین کے نزدیک ان کا حال اللہ تعالیٰ کے سپرد کردینا چاہیے۔ہمارے لیے ان کے متعلق فیصلہ کرنے سے بہتر خاموش رہنا ہے۔جیسے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے چچا حضرت ابوطالب وغیرہ،غرضیکہ زبانی اقرار ایمان کی شرط ہے جس کے بغیر ثبوت ایمان کی کوئی دلیل نہیں ہوسکتی۔یعنی ایمان تصدیق بالقلب کا نام ہے اور زبان سے اقرار اس کی شرط ہے۔جس کے بغیر ایمان کا اعلان و اظہار ممکن نہیں۔اب رہا معاملہ اعمال کا جن کے مجموعہ کا نام اسلام ہے۔یہ نہ ایمان کا جز ہیں نہ شرط۔اس اعتبار سے مومن کتنا ہی گناہ گار، بدکار، بدکردار ہو بہر حال مومن رہے گا،اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔تاہم ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ مومن اللہ اوراس کے احکام کا پوری طرح پابند ہو۔لیکن یہی اعمال،ایمان کے بغیر قبول نہیں ہوتے نہ ایسے شخص کومومن یا مسلم کہتے ہیں جواللہ اوراس کے رسول پر ایمان لائے بغیر اعمال کرے۔

ایمان کی اہمیت

ایمان جسم ہے،اعمال زیور ہیں،زیور سے جسم کا حسن بڑھتا ہے،اعمال سے ایمان کا حسن چمکتا ہے۔جسم نہیں تو زیور بے کار۔اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایمان بڑی دولت ہے۔جس کی حفاظت ہر عزیز ترین چیز سے زیادہ عزیز ہونی چاہیے۔اس کی حفاظت بھی بڑی مشکل ہے۔ایمان کا دشمن بڑا ہی طاقت ور، بڑا ہی مکار اور چالباز ہوتا ہے جو

سامنے سے کامیاب نہیں ہوتا تو پیچھے سے حملہ کرتا ہے۔ظاہر میں کامیاب نہیں ہوتا تو باطن کو قابو میں کرتا ہے۔اسے برائی کو اچھائی بنانے ، بے دینی کو دین بنانے ،حرام کو حلال بنانے کا فن خوب آتا ہے۔ یہ رسول خاتم النبیین ﷺ کی اہانت کو توحید کی عظمت بنا دیتا ہے اور سنت کے انکار کو قرآن پر مکمل ایمان قرار دے دیتا ہے۔علماء ،صوفیاء، اولیاء، صالحین کی تنقیص اوران سے متنفر کرنے کی کوششوں کو دین کی عظیم خدمت قرار دے دیتا ہے۔اعمال وکردار کو برباد کرنا اس کا شیوہ ہے اور عریانیت اور فحاشی میں مبتلا کردینا اس کا محبوب مشغلہ ہے۔ یہ تہذیبی اور بد اخلاقی اس کے نزدیک فیشن ہے۔ جدت پسندی (ماڈرن ازم) کا بھوت سوار کر دینا اس کا آلہ تباہی و بربادی ہے۔ بڑا ہی ظالم ہے کھلا دشمن ہے۔اس سے مقابلہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔اس سے بچنے کے لیے کسی ایسے دامن میں پناہ لینی پڑتی ہے۔جس نے علم اور عمل کے ذریعے ، ریاضت اور مجاہدے کے ذریعے ،احکام شرعیہ کی مکمل پابندی کے ذریعے بارگاہ اقدس میں قرب خاص حاصل کرلیا ہو۔مقربین میں اس کا شمار ہونے لگا ہو، ہر قسم کے خوف وحزن سے وہ آزاد ہو چکا ہو۔ وہ اللہ کا ایسا محبوب بن چکا ہو کہ اس کے کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں قدرت الٰہی کا مظہر بن گئے ہوں۔وہ ایسا مستجاب دعا ہو کہ مانگنے سے پہلے اسے ملتا ہو۔ نامرادوں کو بامراد کر دیتا ہو۔بھکاریوں کی جھولیاں بھر دیتا ہو۔اس کے دامن سے وابستہ ہو کر دولت ایمان کی حفاظت ممکن ہے ورنہ خطرہ ہی خطرہ ہے۔بقول حضرت بایزید بسطامیؒ ’’جس کا کوئی شیخ نہیں اس کا شیخ شیطان بن جاتا ہے‘‘

دشمن شیخ بن جائے تو سوچ لیجئے انجام کیا ہوگا؟ شیخ کا مطلب رہبر، استاد، پیشوا، راہنما، اس لیے اگر کوئی رہبر نہ ہو تو ساری دولت راکھ ہو کر اڑ جائے گی۔سراب کے سوا کچھ نہ رہے گا اور بندہ پیاسا تڑپتا رہ جائے گا۔ایمان نور ہے، شمع ہے، چراغ ہے اس کا تیل ’’عمل صالح ہیں‘‘، جتنے اعمال صالح ہوں گے ایمان کی روشنی زیادہ ہوگی۔مومن کے چہرے پر نور ایمان ہی کا ہوتا ہے جو نمازوں کی پابندی کرنے ، سچ بولنے، رزق حلال کھانے سے ظاہر ہوتا ہے، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ملاحظہ ہو جس سے ایمان کے لیے اعمال کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت ابو مالک اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ’’طہارت نصف ایمان ہے۔نماز نور ہے، صدقہ کرنا دلیل ہے، صبر کرنا روشنی ہے، اور قرآن تیرے لیے حجت ہے، ہر شخص جو صبح کرتا ہے وہ اپنی جان کو فروخت کر دیتا ہے یا اس کو آزاد کرا لیتا ہے یا ہلاکت میں ڈال دیتا ہے‘‘۔(صحیح مسلم، مشکوۃ المصابیح)

حدیث مبارک کے آخری حصہ پر غور فرمائیے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان جب صبح کو اٹھ کر اپنے کاروبار معیشت میں مصروف ہوتا ہے تو گویا وہ اپنے آپ کو فروخت کرنے کے لیے بازار میں پہنچ جاتا ہے۔ جہاں اس کے دو خریدار ہوتے ہیں۔رحمان اور شیطان۔پس اگر اس کا ہر عمل اللہ اور اس کے احکام کے مطابق ہوتا ہے اور سارا دن اطاعت اور فرمانبرداری میں گزرتا ہے تو وہ بڑا خوش نصیب ہے کہ اللہ نے اسے خریدا اور وہ جہنم کی آگ سے آزاد ہو گیا۔اور اگر وہ سارا دن فریب مکاری، بدکاری، جھوٹ اور ان جیسے برے اعمال میں مبتلا رہا تو گویا اس نے اپنے آپ کو شیطان کے سپرد کر دیا اور اس نے اسے ہلاک کر ڈالا کہ شیطان جس پر قبضہ کر لیتا ہے اسے بُری طرح تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ایسے شخص میں اور جانور میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔

ایمان درخت کی مانند ہے، نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ارشاد کے مطابق اس کی بہتر (72) یا اس سے زیادہ شاخیں ہیں۔گویا بڑا ہی گھنا اور سایہ دار درخت ہے جو مصیبت زدوں کو اپنی پناہ میں لے لیتا ہے۔بے چین مسافر اس کے سایہ میں آکر منزل مقصود پاتے ہیں۔اس سایہ کا مقابلہ دنیا کے درختوں کے سایہ سے نہیں کیا جاتا۔ یہ صرف اس کو نظر آتا ہے جو اس کی پناہ میں آکر راحت اور سکون حاصل کرتا ہے۔ یہ سایہ صرف دنیاوی زندگی ہی کی فلاح اور بہبود کا ضامن نہیں بلکہ آخرت میں جہنم سے آزادی کی ضمانت بھی دیتا ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ارشاد کے مطابق مومن یقیناً جنت میں داخل ہوگا۔ایمان کی ان شاخوں کا ذکر حدیث شریف میں ہے۔

1۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ’’ایمان کی 72 شاخیں ہیں سب سے افضل کلمہ طیبہ کا اعتقاد اور سب سے ادنی راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا، اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے‘‘(مسلم شریف، بخاری شریف 9)

2۔ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا اس نے ایمان کا مزا چکھ لیا جو اللہ کی ربوبیت اور اسلام کے دین کامل ہونے اور محمد خاتم النبیین ﷺ کی رسالت پر راضی ہو گیا (مسلم شریف)

3۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جس شخص میں تین باتیں ہوں وہ ایمان کی مٹھاس پالے گا:

1۔اللہ اور اس کا رسول خاتم النبیین ﷺ اس کو سب سے زیادہ محبوب ہوں۔ 2۔جس شخص سے محبت کرے صرف اللہ ہی کے لیے کرے۔

3۔کفر سے چھٹکارا پا لینے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹنا اسے آگ میں ڈالے جانے سے زیادہ ناپسند ہو"۔(مسلم شریف)

ایمان کی حلاوت اور مٹھاس کا اندازہ کرنا ہوتو صحابہ کرام رضوان اللہ علیم اجمعین کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کیجئے۔ یہ حلاوت ایمان ہی کا اثر تھا کہ یہ نفوس قدسیہ فاقے کر کے، خون کی ندیاں بہا کر اسلام کی حفاظت میں کامیاب ہوئے۔ یہ انہی کے ایثار وقربانی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم اسلام کے وارث ہیں اور انہی کے نقش قدم پر چل کر ہم اپنی آئندہ نسل کو اسلام کا وارث بنا سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سورہ آل عمران 139 آیت میں فرماتا ہے ''اور تم سستی نہ کرو اور غمگین نہ ہو اور تم ہی غالب رہو گے اگر (کامل) مومن ہو''۔ ایمان درحقیقت اللہ اور بندے کے درمیان بواسطہ رسول ایک معاہدہ ہے کہ بندہ رسول کے سامنے اعلان ایمان کر کے اپنا سب کچھ رسول کو سونپ دیتا ہے۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ اللہ سے اس کا سودا کرتے ہیں۔

رسول خاتم النبیین ﷺ کی سفارش پر اللہ بندے کا مال خرید لیتا ہے اور بطور قیمت جنت کا وعدہ فرماتا ہے۔ رسول بندے کو سودا ہو جانے اور اس کے بدلے جنت مل جانے کی خوشخبری سناتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ:

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا''۔ (الرعد آیت 31)

ترجمہ: ''اللہ نے وعدہ فرمایا اللہ اپنے بندے کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔ (روم آیت 6)

ایمان قبول کرنا

ایمان قبول کرنا کتنا آسان ہے۔ دو جملے کہے اور مومن ہو گئے لیکن ذمہ داری کتنی بھاری ہے کہ اب بندہ اللہ کا ہو گیا۔ اس کی ہر چیز اللہ کی ہو گئی۔ جسم، جان، مال، عیال سب اللہ کی امانت۔ یہ اس کا کرم ہے کہ سودہ ہو جانے کے بعد بھی ان چیزوں کے استعمال کی اس نے اجازت دی کہ ان کو استعمال کر سکتے ہو لیکن اس کی رضا کے مطابق۔ امانت میں خیانت نہ ہو۔ آنکھ سے وہ دیکھو، کان سے وہ سنو، جس کے دیکھنے اور سننے کی مالک اجازت دے۔ دل میں وہ رکھو جس کے رکھنے کی مالک اجازت دے۔ ہاتھوں سے وہ چھوؤ جس کے چھونے کی مالک اجازت دے۔ پیروں سے اس طرف چلو جہاں جانے کی مالک اجازت دے۔ جسم کو اس غذا سے پالو جس کو مالک نے تمہارے لیے حلال کیا۔ پورا جسم امانت ہے، خیانت نہ ہو۔ اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ ہو۔ اگر گردن کٹانے کا موقع ملے تو زندگی سے زیادہ موت پیاری معلوم ہو۔ مال کے ایثار کی ضرورت پڑے تو جس کا ہے اسی کو لوٹانے میں لگ جائیں۔ اہل وعیال کو بھی اس طرح اللہ کا مطیع بنائیں، اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے ہیں تو ہمارے ہیں ورنہ ان سے کوئی رشتہ نہیں اور اگر امانت میں خیانت کی تو بڑا ہی برا انجام ہے کہ وہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔ سودا کینسل اور ٹھکانہ جہنم کی آگ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کو میری ذات اپنے والدین، اپنی اولاد اور اپنے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو "۔ (بخاری ومسلم)

ایک روایت میں مال کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ منشاء ارشاد یہ ہے کہ عبادات اور دیگر جملہ احکام کی پابندی کے باوجود اگر مومن کا دل حُب رسول خاتم النبیین ﷺ سے خالی ہو تو وہ متقی ہے نہ زاہد کہ قرب الٰہی کے تمام مراتب کا ذریعہ صرف حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی محبت ہے، ایسی محبت جس کا مظاہرہ صحابہ کرامؓ نے کیا کہ غزوہ بدر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے بیٹے اور حضرت حذیفہؓ اپنے باپ کو قتل کرنے کے لیے تلوار کو لہراتے ہوئے آگے بڑھے اور حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں کو قتل کر ڈالا۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ حضور پاک کی محبت ہی کو اصل ایمان اور جان ایمان سمجھتے تھے۔ اور مومن جو کچھ کرتا ہے اس کو رسول ہی کی اتباع اور پیروی جان کر کرتا ہے۔ ہم نماز اسی لیے پڑھتے ہیں کہ اس کو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے پڑھا اور اس کو اللہ کی پسندیدہ عبادت کہا۔

عمرو بن زبیرؓ نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے طواف کعبہ کے درمیان حجر اسود کو چومنے سے قبل فرمایا '' تو ایک پتھر ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اور اگر میں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے ہرگز نہ چومتا''۔ یہ فرمانے کے بعد آپ نے حجر اسود کو چوما۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ جب مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کو آپ خاتم النبیین ﷺ کی میزبانی کا شرف نصیب ہوا وہ خود بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ نے میرے دو منزلہ مکان میں اپنے لیے نیچے کی منزل پسند فرمائی۔ میں اور میری اہلیہ اوپر کی منزل میں تھے۔ ہم دونوں ساری رات نہ سو سکے اور ایک کونے میں بیٹھے رہے اس خوف سے کہ کہیں ہمارے چلنے سے چھت کی مٹی جھڑے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کو تکلیف پہنچے۔ صبح کو میں نے حضور خاتم النبیین ﷺ سے گزارش کی کہ میرے آقا آپ خاتم النبیین ﷺ اوپر قیام فرمائیں مجھے یہ گوارا نہیں کہ ہم اوپر ہوں اور اللہ کا رسول خاتم النبیین ﷺ نیچے اور وحی آرہی ہو لیکن نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا '' میرے لیے اور ملاقات کے لیے آنے والوں کے لیے یہی آسان ہے کہ ہم نیچے والے حصے میں رہیں'' پھر ایک رات ایسا ہوا کہ ہمارا پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا، پانی بہنے لگا میں نے

اور میری اہلیہ نے پانی جذب کرنے کے لیے اس پر لحاف ڈال دیا کہ کہیں یہ پانی نیچے نہ ٹپکنے لگے اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو تکلیف پہنچے ہمارے پاس ایک ہی لحاف تھا ہم دونوں نے ساری رات اسی طرح گزار دی، صبح میں نے بہت اصرار کے ساتھ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے گزارش کی کہ آپ خاتم النبیین ﷺ اوپر تشریف فرما ہوں، ہمارے لیے یہ قابل برداشت ہے، ہی نہیں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نیچے رہیں اور ہم اوپر۔ پس آقا نے کرم فرمایا اور پھر اوپر والی منزل میں قیام پذیر ہو گئے''۔

یہی حضرت ابوایوب انصاری ؓ بتاتے ہیں کہ ہم حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے لیے کھانا بھیجا کرتے تھے اور جب آپ کھانا کھا کر واپس کرتے تو ہم کھانا کھاتے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کا بچا ہوا تمام کھانا کھاتے۔ ایک دن کھانا بھیجا تو ویسے ہی واپس آ گیا، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ''اس کے اندر سے اس چیز کی بو آ رہی تھی جسے میں نہیں کھا سکتا، تم کھاؤ تمہارے لیے جائز ہے''، حضرت ابوایوب انصاری فرماتے ہیں کہ اس دن کے بعد سے کبھی ہم نے کھانے میں لہسن اور پیاز استعمال نہیں کیا۔

سن 6 ہجری میں احادیث و کتب سیرت میں حدیبیہ کا واقعہ موجود ہے۔ اہل مکہ کی طرف سے قبیلہ قریش کا نہایت معزز، معمر سردار عروہ بن مسعود ثقفی ؓ بحیثیت سفیر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے گفتگو کرنے کے بعد اپنی قوم میں واپس پہنچا تو اس نے دربار نبوی خاتم النبیین ﷺ کا حال بیان کرتے ہوئے بتایا۔ ''اے میری قوم واللہ میں نے دیکھا کہ جب محمد خاتم النبیین ﷺ تھوکتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی صحابی کی ہتھیلی پر ہوتا ہے جسے وہ اپنے چہرے اور کھال پر مل لیتا ہے۔ جب وہ کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو سب تعمیل کے لیے دوڑتے ہیں۔ جب وہ وضو کرتے ہیں تو ان کے اصحاب وضو کا دھون حاصل کرنے کے لیے ایسے جھگڑتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تلواریں چلیں گی، جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو سب خاموشی سے سنتے ہیں گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھ گئے ہیں۔ ان کے ساتھی ان کی اتنی تعظیم کرتے ہیں کہ کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر دیکھ نہیں سکتا۔ اے میری قوم واللہ میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی جا چکا ہوں لیکن میں نے کسی بادشاہ کے درباریوں کو اپنے بادشاہ کی اتنی تعظیم کرتے نہیں دیکھا''۔

یہ عروہ بن مسعود ؓ سن 9 ہجری میں مشرف با اسلام ہوئے اس وقت ان کی متعدد بیویاں تھیں، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا صرف چار رکھو باقی عورتوں کو الگ کر دو۔ آپ ؓ نے حکم کی تعمیل کی آپ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے اجازت لے کر قبیلہ میں واپس تشریف لے گئے۔ اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے انکار کیا ، فجر کے وقت اپنے گھر کی چھت پر چڑھ کر اذان دے رہے تھے کہ ایک ثقفی نے آپ کو تیر مارا۔ جس سے آپ شہید ہو گئے۔ انا اللہ وانا اللہ راجعون۔

حضرت عمرو بن عاص ؓ فرماتے ہیں "اگر کوئی مجھ سے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی شکل صورت کے متعلق پوچھے تو میں کچھ نہ بتا سکوں گا۔ کیونکہ میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے سامنے اپنی آنکھیں اوپر نہیں اٹھا پاتا تھا"۔

حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں "حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما ہوتے لیکن ہم میں سے کسی کی جرات نہ تھی کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے چہرہ مبارک کو نظر بھر کر دیکھ سکتا۔ سوائے حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کے کہ یہ دونوں آپ خاتم النبیین ﷺ کی طرف دیکھتے اور تبسم فرماتے اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ان دونوں کو ملاحظہ فرماتے اور مسکراتے"۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہ ؓ کا یہ واقعہ ہے کہ ''معاہدہ حدیبیہ کے بعد جب ابوسفیان مدینہ منورہ آیا سیدھا اپنی بیٹی ام حبیبہ ؓ کے پاس پہنچا، بیٹی نے باپ کو برسوں کے بعد دیکھا تھا، کیونکہ وہ ہجرت مدینہ سے پہلے ہی اپنے شوہر کے ہمراہ مکہ سے حبشہ ہجرت کر گئیں تھیں۔ حبشہ میں ان کا شوہر عبداللہ بن جحش مرتد ہو کر مر گیا تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے عمرو بن امیہ کے ذریعے شاہ حبش (نجاشی) کو یہ کام سپرد کیا کہ وہ ام حبیبہ کو آپ خاتم النبیین ﷺ سے نکاح کا پیغام دے۔ نجاشی نے یہ خدمت انجام دی اور ان کا نکاح اُسی کے دربار میں ہوا۔ چار ہزار درہم بطور مہر بھی نجاشی ہی نے ام حبیبہ ؓ کو ادا کئے۔ پھر آپ ؓ مدینہ تشریف لائیں۔ غرضیکہ باپ بیٹی کی ملاقات ایک عرصے کے بعد ہوئی تھی لیکن ام حبیبہ ؓ کو احترام رسول خاتم النبیین ﷺ کا اس قدر خیال تھا کہ جب ابوسفیان حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگا تو آپ ؓ نے فرمایا کہ ''یہ بستر نبوت ہے۔ آپ مشرک ہیں۔ آپ اس پر نہیں بیٹھ سکتے'' یہ کہتے ہوئے وہ بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان کو بیٹی کا یہ رویہ اس قدر ناگوار گزرا کہ فوراً گھر سے نکل گیا۔ لیکن ام حبیبہ ؓ نے اس کی پرواہ نہ کی اور رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے احترام میں فرق نہ آنے دیا۔

صحابہ کرام ؓ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کے ادب و احترام کے پورے عنوان کو سمجھ لیا تھا اور اس پر عمل کی انتہا کی ایسی حد کو پہنچایا کہ اس سے زیادہ کسی انسان کے لیے کسی انسان کی تعظیم کرنا ممکن ہی نہیں۔ حتیٰ کہ دوست نے کبھی آپ خاتم النبیین ﷺ کو یار کہہ کر نہ پکارا۔ بیوی نے کبھی شوہر نہ کہا۔ بیٹی نے کبھی باپ نہ کہا، چچا نے بیٹا اور بھتیجا نہ کہا۔ سسر نے داماد نہ کہا، بڑوں نے نام سے نہ بلایا۔ سب نے یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ، یا نبی اللہ خاتم النبیین ﷺ کہہ کر پکارا اور یہی کہا جو رب نے کہنا سکھایا۔ ایسے الفاظ کبھی

استعمال نہ کئے جو عام طور پر سب کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ جب آپ خاتم النبیین ﷺ نے کسی سے سوال کیا کہ کیا تم جانتے ہو؟ تو جانتے ہوئے بھی یہی جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول خاتم النبیین ﷺ بہتر جانتا ہے۔ جب کسی سے پوچھا کہ ''میں بڑا ہوں یا تم''، تو بڑا ہونے کے باوجود (عمر میں) جواب دیا'' یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ بڑے تو آپ ﷺ ہی ہیں لیکن عمر میری زیادہ ہے''۔ صرف احترام ہی نہ کیا بلکہ احترام میں بھی نہایت ادب سے کام لیا کہ کہیں گستاخی نہ ہو جائے۔ کیونکہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے گستاخی کی صورت میں صرف اعمال ہی برباد نہ ہوں گے بلکہ ایمان بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔

دیدہ دلیری

نہ جانے کس قدر دیدہ دلیر ہیں وہ لوگ جو آقا خاتم النبیین ﷺ کی شان میں گستاخانہ الفاظ بولتے ہیں اور لکھتے ہیں، مثلاً وہ ہماری ہی طرح بشر تھے۔ وہ ہماری ہی طرح عاجز اور لاچار تھے۔ انہیں تو دیوار کے پیچھے تک کا علم نہ تھا۔ ان کی حیثیت ایک ڈاکیے جیسی تھی۔ یہاں پر صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ امت میں فقہی اعتبار سے، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی چار مکتب ہیں۔ کوئی ایسی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی کہ ان مکاتب فکر کے علما نے ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگانا تو درکنار کبھی کسی کو گمراہ یا بُرا ہی کہا ہو۔ یا اس فقہی تقسیم کی وجہ سے امت میں کسی قسم کا انتشار ہوا ہو۔ اس کے برعکس سب ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں اور کرتے تھے۔

بطور مثال

حضرت امام شافعیؒ جب بغداد میں قیام پذیر تھے تو آپؒ فرماتے ہیں میں ابو حنیفہؒ سے تبرک حاصل کرتا ہوں اور جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو میں دو رکعت نفل پڑھ کر ان کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں اور ان کے وسیلے سے اللہ سے دعا کرتا ہوں تو میری ضرورت پوری ہو جاتی ہے (خیرات الحسان)

نیز علما نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ جب امام ابو حنیفہؒ کے مزار پر حاضر ہوئے تو انہوں نے ان کی مسجد میں نماز حنفی طریقے پر ادا کی۔ نہ رفع یدین کیا اور نہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھی۔ جب آپ سے اس کی وجہ معلوم کی گئی تو فرمایا "مجھے شرم آتی ہے کہ میں صاحب مزار کی مخالفت کروں"۔

فقہی اختلاف شرعی احکامات کی طریقہ تعمیل میں ہے۔ عقائد میں نہیں ہے۔ مثلاً نماز میں رفع یدین کرنا یا نہ کرنا، آمین آواز سے کہنا یا آہستہ کہنا، تراویح 20 رکعت یا 8 پڑھنا۔ اسی طرح زکوٰۃ اور حج کے بعض مسائل میں اختلاف، حدود تعزیرات میں اختلاف اور یہ اختلاف کبھی بھی امت میں انتشار کا باعث نہیں ہوا۔ اس میں نہ کفر اور شرک کی دفع عائد ہوتی ہے نہ گمراہی اور ضلالت کا فتویٰ لگایا جاتا ہے۔ ہاں اس قسم کا اختلاف گستاخی سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم کے کسی بھی حکم کا منکر کافر کہلائے گا۔ کہ مالک حقیقی کے احکام کا انکار کیا جو کہ گستاخی ہے۔ اب اللہ اور رسول خاتم النبیین ﷺ کا گستاخ بلاشبہ کافر ہے۔ پس ایک شخص چاہے بظاہر کتنا ہی متقی اور پرہیزگار ہو اور وہ تمام احکامات قرآن و حدیث پر ایمان رکھتا ہو۔ صرف حضرت عیسیٰؑ کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کا انکار کرتا ہے تو بتائیں کہ ہم اسے کیا کہیں گے؟ اگر ہم تھوڑا بھی دین کا علم رکھتے ہیں تو فوراً ہمارا جواب یہی ہوگا کہ وہ شخص کافر ہے۔ مرتد ہے اور اگر وہ اسلامی حکومت کا باشندہ ہے تو اس پر ارتداد کی فرد جرم عائد ہوتی ہے اور اسے اصول شریعت کے مطابق قتل کر دیا جائے گا۔ یہی حال نماز کے منکر، زکوٰۃ کے منکر، زنا، شراب اور سود وغیرہ کے حلال جاننے والے کا ہوگا۔ غرضیکہ فقہی مکاتب فکر کا اختلاف امت کے لیے کبھی بھی مضر نہ ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے تو۔ ہاں تو امت انتشار، فرقہ بندی اور گروہ بندی میں اس وقت مبتلا ہوئی جب گستاخی کا دروازہ کھلا جس کے ذمہ دار وہ جاہل اور ضمیر فروش لوگ ہیں جنھوں نے جبہ و دستار پہن کر امت کو دھوکہ دیا اور منبر رسول خاتم النبیین ﷺ پر قابض ہو گئے اور پہلے رسول خاتم النبیین ﷺ کی شان میں گستاخیاں شروع کر دیں اور پھر ان کے زبان و قلم بے عیب نبی پر عیوب و نقائص کے داغ لگانے میں مصروف ہو گئے۔ کسی نے میرے آقا خاتم النبیین ﷺ کی ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالا تو کسی نے ان کے غیر متناہی علم کو محدود اور ناقص کہا، کسی نے آپ خاتم النبیین ﷺ کی تعریف اور توصیف کے لیے منعقد کی جانے والی محافل میلاد کو بدعت ٹھہرایا۔ کسی کا سارا زور ان خاتم النبیین ﷺ کو مردہ ثابت کرنے پر صرف ہوا۔ کسی نے اُن کی شفاعت حقہ کا انکار کیا۔ کوئی احادیث کو مشکوک اور ناقابل عمل ثابت کرنے کے مشن پر لگا۔ حتیٰ کہ امت مسلمہ کو مشرک اور بدعتی کہنا ایک عام بات ہو گئی۔ جس نے یارسول اللہ کہہ دیا وہ مشرک، جس نے روضہ مبارک یا کسی ولی صالح کے مزار پر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے وہ مشرک، جس نے کسی ولی کے ایصال ثواب کے لیے جانور ذبح کیا وہ مشرک۔ جس نے کسی کے ہاتھوں کو چوما وہ مشرک، جس نے کسی کی قبر کو بوسہ دیا وہ مشرک، جس نے محفل میلاد کی وہ بدعتی، جس نے صلوٰۃ و سلام پڑھا وہ بدعتی، جس نے اپنے مردوں کے ایصال ثواب کے لیے سوئم، چہلم وغیرہ کیا وہ بدعتی، جس نے اذان کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے وہ بدعتی، جس نے محبت بھرا پر تعظیم درود شریف مثلاً درود تاج کا ورد کیا وہ بدعتی، جس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کے لیے دعائے گنج العرش پڑھی وہ بدعتی۔ یقین کیجئے، شرک و بدعت کی اس مشین سے جاری ہونے والے ان فتووں کا اگر اعتبار کیا جائے تو نہ کوئی مسلمان رہے اور نہ ہی اسلام۔

حادثہ یہ ہے کہ جب گستاخان رسول خاتم النبیین ﷺ کے زہر سے امت کو بچانے اور ان کی شرانگیزی سے باخبر کرنے کے لیے علماء ربانی سامنے آئے اور قرآن و حدیث سے انہوں نے ایسے لوگوں کو گمراہ یا مرتد ثابت کیا تو انہی پر فرقہ پرستی، فتنہ پرداری کا الزام لگایا جانے لگا۔ یعنی چراغ بجھانے کی کوشش کرنے والوں کو تحفظ دیا گیا اور تاریکی سے بچانے کے لیے چراغ کی حفاظت کرنے والوں کو مجرم قرار دیا گیا، کیسا عجیب انصاف ہے؟ یقیناً ایسا ہی انصاف ہونا تھا کیونکہ منصف وہ بن بیٹھے جو خود دین کے علم میں زیرو ہیں۔ کسی یونیورسٹی کے ڈگری یافتہ ہو کر، اپنے آپ کو اہل علم میں شمار کرنے لگے یا دولت کے نشے میں مست ہو کر خود فہمی کا شکار ہوئے۔ ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی مریض کا غلط آپریشن کر دینے والے ڈاکٹر سے، دوسرا ڈاکٹر مریض کی ہمدردی میں لڑ رہا ہے۔ لیکن کیا کہیں گے ایسے رشتہ داروں کو جو ہمدردی کرنے والے ڈاکٹر کی حمایت کی بجائے غلط آپریشن کرنے والے ڈاکٹر کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ہم یا تو انہیں جاہل کہیں گے یا اپنے عزیز مریض کا دشمن۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو علما حق کی حمایت کرنے اور ان کی بات پر یقین کرنے کے بجائے گستاخان اسلام و رسول کی حمایت کرتے ہیں۔ **ایسے لوگ یا تو جاہل ہیں یا اسلام اور رسول کے دشمن ہیں ایسے لوگ عام طور پر اس غلط فہمی میں خود بھی مبتلا ہیں اور دوسرں کو بھی اس میں مبتلا کرتے ہیں کہ کسی مسلمان کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ وہ کلمہ پڑھتا ہے اور ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔**

ہمیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ یہ کہنا کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے، بڑی جہالت اور بڑا ہی غلط تصور ہے۔ اس کے لیے ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے۔

ایک صاحب کی بیٹی کی شادی تھی، نکاح پڑھانے کے لیے مولانا صاحب کو عین وقت پر کسی نے بتایا "لڑکا اور اسکا سارا خاندان مرزائی ہیں" -مولانا نے کہا "یہ معاملہ تو اسلام اور کفر کا ہے۔ عقیدے کا نہیں ہے" -لڑکی کے باپ کو بلایا گیا۔ ان سے مولانا نے کہا "سنا ہے کہ دولہا مرزائی ہے"؟۔ بولے "ہاں وہ لوگ اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں لیکن ہمیں اس سے کیا لینا، لڑکا اچھا ہے، خاندان بھی ہماری ٹکر کا ہے"۔ مولانا نے کہا "یہ سوچیئے کہ آپ مسلمان ہیں اور لڑکا اور اس کا خاندان کافر ہے۔ مرزائی تو کافر اور مرتد ہوتے ہیں۔ اتنا کہنا غضب ہو گیا"؟ صاحب بھنا کر۔ "مولانا یہ سب باتیں چھوڑ یئے میں تو اتنا جانتا ہوں کہ وہ بھی ہماری طرح کلمہ پڑھتے ہیں اور کلمہ پڑھنے والا مسلمان ہوتا ہے۔ آپ لوگ نہ جانے کیوں جس کو چاہے کافر کہہ دیتے ہیں۔ ہم اونچی سوسائٹی کے لوگ مولویوں کے اس چکر میں نہیں پڑتے"۔ مولانا نے یہ سن کر کہا "میں بھی آپ کے چکر میں نہیں پڑتا"۔ یہ کہہ کر مولانا چلے گئے۔ بہر حال یہ تصور بڑا ہی غلط ہے کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے زمانہ مبارک کے سارے منافق مسلمان کہنے کا حق رکھتے تھے کہ وہ بھی کلمہ تو پڑھتے تھے۔ قرآن پاک سے ان کا کلمہ پڑھنا ثابت ہے فرمایا گیا

اِذَا جَآئَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْھَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ ۘ (سورۃ المنافقون آیت نمبر 1)

ترجمہ: ''جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک ضرور آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

اب دیکھئے منافق کتنے زبردست کلمہ گو تھے پھر کیا ان کے کلمہ پڑھنے اور گواہی دینے کو تسلیم کیا گیا۔ تو یہ جاننے کے لیے اس کے بعد کی آیات پر غور کریں

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ ؕ وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ ۞ (سورۃ المنافقون آیت نمبر 1)

ترجمہ: ''اور اللہ جانتا ہے کہ آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق ضرور جھوٹے ہیں۔''

اب ہم کسی کو منافق تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ نفاق کا تعلق قلب سے ہے جس کا حال اللہ اور اس کے رسول کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ہاں اب کفار بھی موجود ہیں۔ مشرک بھی اور مرتد بھی اور مرتدین ہی کا گروہ سب سے زیادہ خطرناک گروہ ہے۔ جن سے مسلمانوں کے ایمان کو خطرہ رہتا ہے کہ یہ لوگ کلمہ پڑھتے ہیں۔ ان کی رشتہ داریاں اہل ایمان سے ہوتی ہیں۔ پس مسلمانوں کے لیے ان سے بچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور دشواری یہ ہے کہ لوگ ہر کلمہ گو کو مسلمان تصور کرتے ہیں۔ ایک انسان کو دوسرے انسان کی بیماری اتنی تیزی سے نہیں لگتی جتنی تیزی سے بدعقیدگی کا مرض لگتا ہے۔ پس ایسے لوگوں سے بہت بچنا اور دور رہنا چاہیے جو خود دینی معلومات سے پوری طرح واقف نہ ہوں ایسے سادہ لوح لوگ بہت جلدی گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اسی لیے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے تاکید فرمائی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اس ارشاد کے راوی ہیں۔

ترجمہ: ''بدعقیدہ لوگ نہ تم سے ملیں نہ تم ان سے ملو گے کہیں وہ تمہیں اپنی گمراہی میں مبتلا نہ کر دیں''۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "عنقریب بہرے، گونگے اور اندھے فتنے ہوں گے جو ان کی طرف جھانکے گا وہ اسے کھینچ لیں گے اور ان میں زبان کھولنا، تلوار چلنے کی طرح ہوگا"۔ (ابوداؤد)

یعنی امت میں فرقے پیدا ہوں گے اور ان سے تعلق رکھنے والے حق سننے، حق بولنے اور حق دیکھنے سے بہرے، گونگے اور اندھے ہوں گے ان کے سامنے حق بات کہنا تلوار چلانے کے برابر اجر رکھے گا۔ ان کا دل ان کا حال کفار و منافقین جیسا ہوگا۔

قرآن پاک سورہ بقرہ۔آیت نمبر 18 میں فرمان الٰہی ہے۔ ترجمہ: ''وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں پس وہ (ہدایت کی طرف) نہیں لوٹیں گے"۔
ترجمہ: ''اگر ان کو ہدایت کی تبلیغ کی جائے تو یہ حق سن کر ایسے بپھر پڑھتے ہیں جیسے کسی نے ان پر تلوار چلادی ہو۔''

مسلم شریف کی ایک حدیث ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''ان فتنوں سے پہلے پہلے نیکیاں کرلو جو اندھیری رات کے حصوں کی طرح ہوں گی جن میں آدمی صبح کو مومن اور شام کو کافر ہوگا۔اور شام کو مومن اور صبح کو کافر ہوگا۔اپنے دین کو لوگ دنیاوی مال کے بدلے میں بیچ دیں گے''۔

اس طرح ایک اور حدیث ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''میری امت بعینہ انہی تمام برائیوں میں مبتلا ہوگی جن میں بنی اسرائیل مبتلا ہوئے۔یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی اپنی ماں سے بدکاری کا مرتکب ہوا تھا تو میری امت میں بھی ایسا ہوگا۔بنی اسرائیل 72 فرقوں میں بٹ گئے تھے، میری امت تہتر 73 فرقوں میں بٹ جائے گی، سوائے ایک فرقے کے سب دوزخ میں جائیں گے''۔صحابہؓ نے عرض کیا "وہ کون لوگ ہوں گے"؟، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جو لوگ میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقے پر چلیں گے''۔(سنن ابن ماجہ)

خلاصہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی گستاخی، بڑی گمراہی ہے، جس کا مرتکب بالاتفاق امت مرتد ہے۔یہ گستاخی چاہے احکام شریعت کے انکار کی صورت میں ہو یا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی توہین اور ان کو ایک عام، اپنے جیسا انسان سمجھنے کی صورت میں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سد باب کرتے ہوئے اہل ایمان کو اپنے محبوب خاتم النبیین ﷺ کے لیے ایسے الفاظ تک استعمال کرنے کی ممانعت فرمادی جس میں توہین و گستاخی کا شائبہ ہو اور اس سے دشمن کو خوشی حاصل ہوتی ہو۔پس نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا ادب واحترام اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی تعظیم ہی اصل ایمان، روح ایمان اور جان ایمان ہے۔حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جس نے میرے ایک بال کی بے ادبی کی اس پر بھی جنت حرام ہے''۔(جامع صغیر)

صحیح بخاری میں ہے ''جس نے محمد خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت کی اُس نے رب کی اطاعت کی اور جس نے محمد خاتم النبیین ﷺ کی نافرمانی کی اس نے رب کی نافرمانی کی''۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا دور ہے آپ خاتم النبیین ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لیے قتل کا حکم ہے۔''بدر کا دن تھا، اسما بنت مروان نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی شان میں گستاخانہ شعر پڑھے۔عمیر بن عدیؓ ایک نابینا صحابی تھے (جو پیچھے کھڑے مسلمانوں کی کامیابی کی دعا کر رہے تھے) انہوں نے اسما بنت مروان کو گستاخانہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا تو منت مان لی کہ جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ جنگ سے خیریت سے لوٹ آئیں گے تو میں اسما بنت مروان کو قتل کر دوں گا۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ جنگ سے بخیریت واپس آتے ہیں تو ایک رات عمیر بن عدی چپکے چپکے اسما بنت مروان کے گھر جا کر اسے مار دیتے ہیں اور صبح کے وقت فجر کی نماز میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھتے ہیں۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سلام پھیرتے ہیں اور پھر حضرت عمیر بن عدیؓ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں، ''عمیر رات اسما کو قتل کر دیا ہے''؟ عمیر بن عدی سر جھکا کر کہتے ہیں۔"حضور خاتم النبیین ﷺ میں نے ایسا کر دیا ہے۔آپ خاتم النبیین ﷺ کوئی حد ہے یا قصاص ہے تو مجھے بتایئے؟ میں اس کے لیے تیار ہوں"۔یہ کہا اور اپنی گردن جھکا دی۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''کوئی حد نہیں، کوئی قصاص نہیں کیونکہ ناموس رسالت خاتم النبیین ﷺ پر قتل کیا گیا اور ناموس مصطفی خاتم النبیین ﷺ کے تحفظ پر ظالم کو قتل کرنا اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرنا ہے''۔

پھر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ''اگر تم چاہتے ہو کہ آج ایسے شخص کو دیکھو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو'' یہ سن کر حضرت عمر فاروقؓ نے فوراً کہا ''اے لوگو دیکھو یہ نابینا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہم سب سے نمبر لے گیا'' حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''عمرؓ خاموش عمیر کو نابینا مت کہو یہی تو اصل بینا ہے، جسے ناموس مصطفی خاتم النبیین ﷺ کی سمجھ آ گئی''۔(سیرت ابن ہشام)

اس لیے علماء امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا مرتد ہے۔علما یہی کرتے ہیں کہ اپنی ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے لوگوں کے اعمال واقوال کا جائزہ لیتے رہتے ہیں اور جہاں مضر ایمان بیکٹیریا پاتے ہیں اس سے لوگوں کو باخبر کرتے ہیں اور اس زہر سے بچنے کی تاکید کرتے ہیں۔
پس جسے ایمان عزیز ہوتا ہے وہ علما کی بات تسلیم کر کے اپنے ایمان کی حفاظت کر لیتا ہے۔پس ایمان کو عزیز رکھیئے اور اس کی حفاظت کے لیے علما کی رہبری کو قبول کیجئے۔
بعد از خدا بزرگ تو ہی قصہ مختصر۔

مغز قران ، روح ایمان ، جان دین
ہست حُبِ رحمۃ اللعالمین

ایمان کی سب سے بڑی خوبی (اخلاق)

حُسن اخلاق سید المرسلین کی صفت ہے اور صدیقینؓ کے اعمال میں سب سے افضل یہی ہے اور حقیقت میں نصف دین اور ثمرہ مجاہدہ متقین اور نتیجہ ریاضت مجاہدین اسی کو کہتے ہیں اور اخلاق بدز ہر قاتل اور مہلک ہیں اور ذلت وخواری ورسوائی اخلاق بدہی کا ثمرہ ہوتی ہیں۔خدا کے قرب سے دور کرتے ہیں اور شیطان کے گروہ میں منسلک کرتے ہیں اخلاق بدقلوب کی ایسی بیماریاں ہیں جن سے حیات ابدی جاتی رہتی ہے۔ہر ایک دل میں کوئی نہ کوئی مرض ہوتا ہے اگر اس کا علاج نہ کیا جائے تو صد مرض لا علاج پیدا ہو جاتے ہیں اس لیے ہر شخص کو ان امراض کا پہچاننا اور ان کے اسباب کا جاننا اور پھر ان کے علاج واصلاح کے لیے مستعد ہونا ضروری ہے۔

اچھے اخلاق کے فضائل اور برے اخلاق کی مذمت:-

رب العزت نے اپنے حبیب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ثناء میں ان پر اپنی نعمت کا اظہار کر کے سورۃ القلم۔آیت نمبر 4 میں فرمایا

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ

ترجمہ''اور بیشک تو پیدا ہوا ہے بڑے اخلاق پر'' (اور تمہیں پیدا کیا گیا بڑے اخلاق کے ساتھ) اس کا مطلب یہ ہوا کہ حسن اخلاق ایمان کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

حضرت عائشہ ؓ فرماتی تھیں " آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کا خلق قرآن تھا" اور جب سورہ الاعراف، آیت نمبر 199 اُتری۔

خُذِ الۡعَفۡوَ وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰهِلِیۡنَ

ترجمہ:''آپ (خاتم النبیین ﷺ) معاف کرنا اختیار کرو، نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کرو''۔

تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے جبرائیلؑ سے سوال کیا" اس سے کیا مراد ہے"؟ انہوں نے عرض کیا کہ ''جناب حدیث سے جب تک سوال نہ کروں مجھ کو معلوم نہیں'' پھر حضرت جبرائیلؑ آسمان پر گئے اور تشریف لا کر عرض کیا کہ ''اس سے یہ غرض ہے کہ آپ ﷺ سے جو علیحدہ ہوں ان سے آپ ملیں اور جو آپ خاتم النبیین ﷺ کو نہ دیں ان کو آپ مرحمت فرمائیں اور جو کوئی آپ خاتم النبیین ﷺ پر ظلم کرے، آپ خاتم النبیین ﷺ اس کو معاف کریں''۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ عمدہ اخلاق کو پورا کروں''۔(السلسلۃ الصحیحۃ)

ایک اور شخص نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا کہ نحوست کیا چیز ہے؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: سُوْءُ الْخُلُقِ ''یعنی بد خلقی''۔(سنن ابی داؤد)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''نیکی اخلاق و کردار کی اچھائی کا نام ہے، اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں خلش پیدا کرے اور تو اس بات کو ناپسند کرے کہ لوگ اس سے آگاہ ہوں۔'' (مسلم)

ایک اور موقع پر آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' جس نے اپنے اخلاق کو درست کر لیا اس کے لئے جنت کے بالائی حصہ میں گھر بنایا جائے گا''۔(مشکوۃ المصابیح)

حضرت فضیلؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ سے کسی نے ذکر کیا کہ فلاں عورت دن کو روزہ رکھتی ہے رات کو تہجد پڑھتی ہے مگر بد خلق ہے ہمسایوں کو اپنی زبان سے ایذا دیتی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا ''اس میں کچھ خیر نہیں وہ دوزخیوں میں سے ہے''۔(مسند احمد)

کسی نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا" کونسا اسلام افضل ہے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جس سے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں"۔ پھر پوچھا" کونسا ایمان افضل ہے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" اچھا اخلاق"۔(السلسلۃ الصحیحۃ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" یقیناً ایمان میں کامل ترین مومن اچھے اخلاق والا ہے اور بے شک اچھا اخلاق روزے اور نماز کے مقام تک پہنچ جاتا ہے" -(السلسلۃ الصحیحۃ)

روایت میں آتا ہے قبیلہ مزینہ کے ایک شخص سے روایت ہے کہ لوگوں نے عرض کیا" اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ! انسان کو جو کچھ عطا ہوا ہے اس میں سب سے بہتر کیا ہے"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" حسن اخلاق" -(بیہقی شعب الایمان)

حضرت جریر بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تجھ کو اللہ تعالیٰ نے خوبصورت بنایا ہے اپنے خلق کو بھی خوبصورت کر''۔

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ " آنحضرت خاتم النبیین ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ خلیق تھے"۔(بخاری)

رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص (جھگڑے کے وقت) جھوٹ بولنا چھوڑ دے حالانکہ وہ حق پر نہیں ہے، اس کے لیے اطراف جنت میں ایک مکان بنایا جائے گا، جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے اس کے لیے جنت کے بیچ میں ایک مکان بنایا جائے گا اور جو شخص اپنے اخلاق اچھے بنائے اس کے لیے اعلیٰ جنت میں ایک مکان بنایا جائے گا"۔(جامع ترمذی)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ام حبیبہؓ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ''اگر کسی عورت کے دنیا میں دو شوہر تھے اور وہ دونوں مر گئے اور جنتی ہوئے وہ عورت کس کو ملے گی'' آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''دنیا میں اس کے ساتھ جو زیادہ اخلاق کے ساتھ رہا ہوگا۔اے ام حبیبہ اخلاق دین دنیا کی نعمت لے اڑے گا''۔(ابن کثیر)

نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن مومن کے میزان میں اخلاق حسنہ سے بھاری کوئی چیز نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ بے حیاء، بدزبان سے نفرت کرتا ہے"۔(جامع ترمذی)

رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "کیا میں تمہیں ایسے لوگوں کی خبر نہ دوں جو جہنم کی آگ پر یا جہنم کی آگ ان پر حرام ہے؟ جہنم کی آگ لوگوں کے قریب رہنے والے، آسانی کرنے والے، اور نرم اخلاق والے پر حرام ہے"(۔جامع ترمذی)

اور روایت میں ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کی خدمت میں کچھ قریش کی عورتیں جمع تھیں اور آپ خاتم النبیین ﷺ سے زور زور سے باتیں کر رہی تھیں۔ جب حضرت عمرؓ کی آواز سنی تو جلدی سے پردے میں ہو گئیں۔حضرت عمرؓ جو خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ خاتم النبیین ﷺ کو ہنستا پایا۔انہوں نے آپ خاتم النبیین ﷺ کے ہنسنے کا سبب پوچھا آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''مجھے ان عورتوں کی بات پر ہنسی آئی جو میرے پاس تھیں جب تمہاری آواز سنی تو فوراً پردہ کر لیا''۔حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ حضور آپ خاتم النبیین ﷺ زیادہ مستحق ہیبت تھے پھر عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ بے وقوفو مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے نہیں ڈرتیں انہوں نے جواب دیا ہاں تمہارا خوف ہے کیونکہ تم آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کی نسبت سخت مزاج ہو پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اے عمرؓ یہ تو عورتیں ہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جب شیطان کسی راہ پر تمہیں چلتا دیکھتا ہے تو تمہارا راستہ چھوڑ کر دوسری راہ پر چل دیتا ہے''۔

کسی نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا" آپ خاتم النبیین ﷺ فحش گو، بدکلامی کرنے والے اور بازار میں چیخنے والے نہیں تھے، آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے، بلکہ عفو ودرگزر فرما دیتے تھے"(۔جامع ترمذی)

حضرت لقمان علیہ السلام حکیم سے ان کے بیٹے نے پوچھا "انسان میں کونسی خصلت اچھی ہے "؟ فرمایا ''دین'' اس نے پوچھا "اگر دو ہوں تو کون سی ہوں "؟ فرمایا" دین اور مال"، پوچھا "اگر تین ہوں "؟ فرمایا" دین، مال اور حیا" ۔پوچھا "اگر چار ہوں "؟ فرمایا" دین، مال، حیا اور حسن خلق"، پوچھا "اگر پانچ ہوں "؟ فرمایا" دین، مال، حیا، حسن خلق اور سخاوت" ۔پوچھا "اگر چھ ہوں "؟ تو انہوں نے ارشاد کیا" بیٹا پانچ خصلتوں کے جمع ہونے سے انسان متقی اور اللہ کا ولی اور شیطان سے بری ہو جاتا ہے۔زیادہ کی کیا حاجت ہے "؟

اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں "جو کوئی بد خلقی کرتا ہے، وہ اپنی جان کو ستاتا ہے"۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں " آدمی اپنے حسن خلق کی بدولت جنت کے اعلیٰ درجے کو پہنچ جاتا ہے گو عبادت نہ کرتا ہو اور بد خلقی کے باعث اسفل طبقہ جہنم کو پہنچ جاتا ہے گو عابد ہی ہو" اور یحییٰ بن معاذؒ کا قول ہے **"حسن خلق روزی کا خزانہ ہے"**۔اور وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں "بد خلق آدمی کی مثال ٹھیکتے ہوئے گھڑے کی سی ہے نہ جڑ سکے نہ مٹی ہو سکے"۔

حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے سوال کیا" کرم کیا چیز ہے "؟ آپؓ نے فرمایا" جو خدائے تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتے ہیں

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقَاکُمْ (سورۃ الحجرات آیۃ نمبر 13)

ترجمہ ''بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے بہتر وہ ہے جو متقی ہے'' -

پوچھا "نسب کیا ہے "؟ آپؓ نے فرمایا **"جو خوش خلق زیادہ ہو وہی خوش نسب زیادہ ہے"**۔(گویا کرم ہونا، تقویٰ کا ہونا ہے اور حسن خلق کے بغیر تقویٰ نہیں۔)

حضرت ابن عطارؒ کا قول ہے "جس کسی کو شرف (عزت) کا رتبہ حاصل ہے صرف حسن اخلاق کے باعث ہوا ہے"۔

حسن خلق عین ایمان ہے اور سوء خلق عین نفاق۔

علماء کرام نے سب علامات حسن خلق کی جمع کر دی ہیں اور فرمایا کہ **خوش خلق وہ آدمی ہے کہ کثیر الحیا، کثیر الصلاح، کم آزار، کم سخن، غیر فضول، کثیر العمل، کم لغزش، راست گفتار، نیکوکار، صاحب وقار، صابر، شاکر، راضی، حلیم، رفیق ہو۔ بدگفتار، چغلخور، غیبت کنندہ، جلد باز، کینہ ور، بخیل، حاسد نہ ہو لیکن بغض وغضب اللہ کے واسطے کرے اور حب ورضا بھی اللہ ہی کے لیے کرے، اتنی باتوں سے خوش خلق ہوتا ہے۔**

حاتم اصمؒ فرماتے ہیں کہ مومن فکر عبرت میں مشغول رہتا ہے اور منافق حرص اور امید میں، مومن خدا کے سوا کسی سے توقع نہیں رکھتا اور منافق اللہ کے علاوہ ہر ایک سے توقع رکھتا ہے۔ مومن سوائے اللہ کے سب سے نڈر ہے اور منافق اللہ کے علاوہ ہر ایک سے ڈرتا ہے۔ مومن مال دیتا ہے دین نہیں دیتا۔ اور منافق دین دیتا ہے مال نہیں دیتا۔ مومن نیکی کر کے روتا ہے منافق گناہ کر کے ہنستا ہے **مومن کو خلوت اور تنہائی اچھی معلوم ہوتی ہے اور منافق کو جلوت اور جماعت اچھی معلوم ہوتی ہے مومن کھیتی کرتا ہے** اور پھر بگاڑنے سے ڈرتا ہے۔ منافق بیخکنی کرتا ہے اور خرمن کی توقع کرتا ہے۔ مومن امر و نہی لوگوں کی اصلاح کے لیے کرتا ہے اور منافق امر و نہی فساد کے لیے کرتا ہے۔

حسن خلق کا اول امتحان ہر تکلیف پر صبر کرنے سے ہوتا ہے پس جو کوئی دوسرے کی بدخلقی کی شکایت کرے یہ اس کی اپنی بدخلقی کی دلیل ہے کیونکہ حسن خلق ایذا اور جفا کی برداشت کا نام ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک روز آنحضرت خاتم النبیین ﷺ ایک چادر موٹے کنارے کی پہن کر چلے جا رہے تھے آپ کے ہمراہ حضرت انسؓ تھے ایک اعرابی آپ خاتم النبیین ﷺ کو راستے میں ملا اس نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو چادر میں دیکھ کر اس کو زور سے کھینچا کہ چادر کا کنارہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی گردن مبارک میں پھنس گیا اور کہا "اے محمد خاتم النبیین ﷺ تمہارے پاس جو اللہ کا مال ہے اس میں سے مجھے بھی دو۔ آپ ﷺ نے ہنس کر اس کی طرف دیکھا اور مال اس کو دلوا دیا۔ قریش نے جب ایذا اور ضرب اس کی یاد دلائی تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''الٰہی میری قوم کو بخش دینا یہ نہیں جانتے'' (یہ نہیں جانتے کہ برداشت کرنے کا دوسرا نام حسن خلق ہے اور حسن خلق کا دوسرا نام ایمان ہے)

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کسی جنگل میں جاتے تھے۔ ایک سپاہی ملا اس نے کہا کہ ''تو بندہ ہے''؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں پوچھا بستی کدھر ہے؟ آپ نے قبرستان کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے کہا کہ ''میں آبادی پوچھتا ہوں'' آپ نے فرمایا کہ ''قبرستان ہی آبادی ہے''۔ اس وجہ سے سپاہی کو غصہ آیا سر میں ایسا کوڑا مارا کہ سر پھٹ گیا اور ان کو شہر میں پکڑ لایا۔ جب دوست اور آشنا جمع ہوئے اور حال پوچھا تو سپاہی نے ماجرا بیان کیا انہوں نے آپ کو پہچان کر کہا "یہ ابراہیم بن ادھمؒ ہیں"۔ سپاہی گھوڑے پر سے اتر پڑا اور آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا اور عذر کرنے لگا۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ نے کیوں فرمایا تھا کہ ''میں بندہ ہوں" آپ نے فرمایا "اس نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ تو کس شخص کا بندہ ہے بلکہ یہ پوچھا تھا کہ تو بندہ ہے چونکہ میں بندہ خدا تھا اس لیے کہہ دیا کہ میں بندہ ہوں۔ جب اس نے مجھ کو مارا تو میں نے اس کے لیے جنت کی دعا مانگی"۔ لوگوں نے کہا "اس نے تو آپ پر ظلم کیا تھا"۔ آپ نے فرمایا" مجھ کو یقین تھا کہ اس مصیبت پر مجھ کو ثواب ملے گا تو میں نے یہ اچھا نہ جانا کہ اس کے باعث تو مجھے ثواب ملے اور میرے باعث اس کو عذاب ہو''۔

ابو عثمانؒ کو کسی شخص نے بنظر امتحان دعوت کے بہانے سے بلایا جب آپ اس کے گھر گئے تو کہا کہ ''اس وقت تو مجھ سے کچھ نہ بن سکا'' (یعنی دعوت کا انتظام نہ کر سکا)'' آپ وہاں سے واپس آ گئے۔ جب بہت دور نکل آئے تو وہ شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ جو اس وقت موجود ہے اس پر قناعت کیجئے جب دروازے پر پہنچے تو پھر بولا کہ ''اس وقت تو مجھ سے کچھ نہیں بن پڑے گا'' آپ پھر لوٹ آئے اسی طرح کئی بار بلایا اور لوٹایا مگر آپ ایک ذرہ بھر مکدر نہ ہوئے پھر وہ شخص پاؤں پر گر پڑا اور کہا کہ ''میں نے آپ کو آزمانا چاہا تھا سبحان اللہ کیا خلق ہے آپ کا؟ آپ نے فرمایا کہ یہ جو بات تو نے میری دیکھی ہے یہ تو صفت کتے کی ہے جب بلاؤ چلا آئے اور جب ہٹاؤ تو ہٹ جائے''۔

یہ بھی انہی کا ذکر ہے کہ ایک روز سوار ہو کر کسی کوچے میں سے گزر رہے تھے کہ کسی نے اوپر سے ان کے سر کے اوپر راکھ پھینکی آپ نے کہا ''الحمدللہ'' لوگوں نے کہا کہ یہ الحمدللہ کہنے کا کونسا وقت ہے؟ آپ نے فرمایا ''جو سر آگ کے قابل تھا اس پر صرف خاک پھینکی گئی تو الحمدللہ نہ کہوں تو پھر کیا کہوں''؟ مالک بن دینارؒ ایک روز بصرہ کی گلیوں میں سے گزر رہے تھے ایک عورت نے آپ کو دیکھ کر کہا'' او ریاکار'' مالک بن دینارؒ نے اس کو دیکھ کر کہا ''بصرہ کے لوگ میرا نام بھول گئے تھے اچھا ہوا تو نے انہیں یاد دلا دیا''۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے نفس ریاضت سے ڈھیلے ہو کر ان کے اخلاق اعتدال پر آ گئے تھے اور دغا اور خیانت سے دل خالی ہو گیا۔ اس کا ثمرہ یہ ہوا کہ تقدیر الٰہی پر راضی ہوئے جو کہ سب سے بڑی ضرورت حسن خلق کی ہے کیونکہ جو شخص خدا کے کام کو نہ جانے اور اس پر راضی نہ ہو یہ تو اس کی نہایت بدخلقی ہے۔ پس اگر کوئی شخص مندرجہ بالا علامات اپنے اخلاق میں پائے تو ایسے اخلاق کو کامل نہ خیال کرے اور نہ دھوکا کھائے بلکہ ریاضت اور مجاہدے میں لگا رہے یہاں تک کہ درجہ حسن خلق نصیب ہو جائے یہ عظیم الشان ہے مقربین اور صدیقین ہی اس کو پہچانتے ہیں۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن مبارکؒ حسن اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں، خندہ پیشانی سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور کسی کو تکلیف نہ دینے کا نام حسن خلق ہے۔

کسی شخص نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے حسن اخلاق کے بارے میں پوچھا آپ خاتم النبیین ﷺ نے قرآن پاک کی سورۃ الاعراف۔ آیت نمبر 199 تلاوت کی:

خُذِالْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْ فِ وَاَعْرِ ضْ عَنِ الْجٰهِلِيْن

''معاف کرنا اختیار کرو، نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیرلو۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "**اللہ تعالیٰ جب کسی گھرانے کے لیے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو ان میں شفقت و مہربانی پیدا فرما دیتا ہے اور یہ مہربانی اگر کسی مخلوق کی شکل میں ظاہر ہوتی تو دنیا کی کوئی چیز بھی اس سے زیادہ خوبصورت نہ ہوتی اور بداخلاق اگر کسی مخلوق کی صورت میں ظاہر ہوتا تو اس سے زیادہ بدصورت کوئی چیز دنیا میں نہ ہوتی**"

امیر المومنین سیدنا حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں'' کہ اگر انسان میں 9 حصہ اخلاق حسنہ ہوں اور ایک حصہ بداخلاقی تو یہ دسواں حصہ نو حصوں پر غالب آ جائے گا۔پس زبان کی لغزش سے بچو''۔

رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:"منافق میں دو خصلتیں (صفتیں) جمع نہیں ہوسکتی ہیں:حسن اخلاق اور دین کی سمجھ"۔(جامع ترمذی)

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا"مومن آدمی اپنے اعلیٰ اخلاق سے سارے دن کے روزہ دار اور ساری رات کے تہجد گذار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے"۔(سنن ابوداؤد)

ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی خاتم النبیین ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا"میزان اعمال میں حسن اخلاق سے زیادہ بھاری چیز کوئی نہیں"۔(سنن ابوداؤد)

حضرت ابودرداؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ''سب سے پہلے میزان میں حسن اخلاق اور سخاوت کو رکھا جائے گا''۔

جب اللہ نے ایمان کو پیدا فرمایا تو اس نے عرض کیا"اے اللہ (عزوجل) مجھے قوت عطا فرما تو اللہ تعالیٰ نے اسے حسن اخلاق اور سخاوت سے تقویت بخشی اور جب اللہ تعالیٰ نے کفر کو پیدا فرمایا تو اس نے عرض کی"اے اللہ مجھے قوت بخش"۔تو اللہ تعالیٰ نے اسے بخل اور بداخلاقی سے قوت بخشی''۔

حضرت زید بن سعنہؓ جو پہلے ایک یہودی عالم تھے انہوں نے حضور خاتم النبیین ﷺ سے کھجوروں کا سودا کیا،معاہدے کے مطابق کھجوریں دینے کی وقت میں ابھی دو دن باقی تھے کہ انہوں نے بھرے مجمع میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا دامن اقدس پکڑ کر انتہائی تلخ و ترش لہجے میں آپ خاتم النبیین ﷺ سے کھجوروں کا مطالبہ کیا اور چلا چلا کر کہا''اے محمد خاتم النبیین ﷺ تم سب عبدالمطلب کی اولاد کا یہی طریقہ ہے کہ تم لوگ لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں دیر لگاتے ہو"،یہ منظر دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ کو جلال آ گیا اور نہایت ہی غضبناک نظروں سے گھورا اور کہا"اے اللہ کے دشمن تو اللہ کے رسول ﷺ سے ایسی باتیں کرتا ہے۔اللہ کی قسم اگر اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ کا ادب مانع نہ ہوتا تو میں ابھی ابھی تیری گردن تلوار سے اڑا دیتا"۔یہ سن کر آپ خاتم النبیین ﷺ نے کمال انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا''اے عمرؓ تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟تمہیں تو چاہیے تھا کہ مجھے ادائے حق کی ترغیب دیتے اور اس کو تقاضے میں نرمی کے لیے کہہ کر ہم دونوں کی مدد کرتے"۔پھر حضرت عمرؓ سے کہا"اے عمر اس کو اس کے حق کے برابر کھجوریں دے دو اور کچھ زیادہ بھی دے دو''۔حضرت عمر فاروقؓ نے جب اس کو اس کے حق سے زیادہ کھجوریں دیں تو حضرت زید بن سعنہؓ نے کہا"اے عمرؓ میرے حق سے زیادہ کیوں دے رہے ہو"؟آپؓ نے فرمایا"چونکہ میں نے اپنی ٹیڑھی،ترچھی (یعنی غضبناک) نظروں سے تجھے خوف زدہ کر دیا تھا اسی لیے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے تمہاری دلجوئی کے لیے تمہیں تمہارے حق سے زیادہ کھجوریں دینے کا مجھے حکم دیا ہے"۔یہ سن کر حضرت زید بن سعنہؓ نے کہا"اے عمرؓ کیا تم مجھے پہچانتے ہو کہ میں زید بن سعنہ ہوں"؟،حضرت عمرؓ نے فرمایا"وہی زید بن سعنہ جو یہودیوں کا بہت بڑا عالم ہے"؟انہوں نے کہا"جی ہاں"یہ سن کر حضرت عمر فاروقؓ نے کہا"تو پھر تم نے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ ایسی گستاخی کیوں کی"؟ حضرت زید بن سعنہؓ نے جواب دیا"اے عمرؓ دراصل بات یہ ہے کہ میں نے تورات میں جتنی نشانیاں نبی آخرالزماں کی پڑھی تھیں ان سب کو میں نے آپ خاتم النبیین ﷺ میں موجود پایا مگر دو نشانیوں کے بارے میں مجھے امتحان کرنا باقی تھا۔ایک یہ کہ نبی آخرالزمان خاتم النبیین ﷺ کا حلم (یعنی نرمی) جہل (یعنی جہالت) پر غالب رہے گا اور دوسرا یہ کہ جس قدر زیادہ ان کے ساتھ جہل کا برتاؤ کیا جائے گا اسی قدر ان کا حلم (یعنی نرمی) بڑھتا جائے گا۔لہٰذا اس ترکیب سے میں نے ان دونوں نشانیوں کو آپ ﷺ میں دیکھ لیا اور اب میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ ہی نبی برحق ہیں اور اے عمر میں بہت ہی مالدار آدمی ہوں میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ''میں نے اپنا آدھا مال حبیب خدا حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی امت پر صدقہ کیا''پھر آپؓ بارہ گارہ رسالت میں حاضر ہوئے اور کلمہ پڑھ کر دامن مصطفی ﷺ میں آ گئے"۔

حضرت شیخ ابوطاہرؒ ایک دن اپنے گدھے پر سوار بازار میں سے گزر رہے تھے۔ایک مرید گدھے کی لگام تھامے ہوئے ساتھ ساتھ تھا،کسی شخص نے شیخ کو دیکھ کر پکارا "دیکھو یہ پیر زندیق آ رہا ہے"(معاذ اللہ) جب مرید نے یہ بات سنی تو اس کی ارادت اور غیرت نے جوش مارا اور اسے مارنے کے لیے دوڑ پڑا،حضرت شیخ ابوطاہرؒ نے اپنے مرید کو آواز دی اور فرمایا"اگر تم نے خاموشی اختیار کی اور اس کا پیچھا چھوڑ دیا تو تمہیں آج ایک نصیحت آمیز چیز سمجھاؤں گا"۔مرید نے مرشد برحق کی بات سن کر حکم کی تعمیل کی۔جب مرشد اپنی قیام گاہ پر پہنچے تو اپنے مرید سے کہا"میرا فلاں صندوق اٹھا لاؤ"،مرید جب صندوق لایا تو اس میں بے شمار خطوط تھے۔جن کو لوگوں نے آپ کے نام لکھا تھا،آپ نے وہ

خطوط نکلوائے اور اپنے مرید سے کہا "ان کو پڑھو"۔ جب مرید نے پڑھا تو ہر خط میں ہر کسی نے آپ کو ہر خط میں ہر کسی نے آپ کو شیخ الاسلام، کسی نے شیخ زاہد، کسی نے شیخ المومنین بطور القاب لکھا ہوا تھا۔ آپ نے مرید کو سمجھاتے ہوئے کہا "یہ سب القاب و خطاب ہیں، میرا نام نہیں ہیں حالانکہ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ ہر شخص نے اپنے فہم، علم، عقل، حسن ظن، اعتقاد کے مطابق مجھے مخاطب کیا ہے۔ اب اگر اس شخص نے اپنے اعتقاد کے مطابق مجھے پیر زندیق کہا ہے تو اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے"؟۔ اس نے اپنے حسن ظن اور اخلاق کے مطابق کیا۔

ایک مرتبہ ایک یہودی نے حضرت سیدنا امام مالک بن دینارؒ کے پڑوس میں مکان کرایہ پر لے لیا۔ اس یہودی کا دروازہ آپ کے دروازے سے متصل تھا۔ یہودی نے بغض اور عناد کی بنیاد پر ایک پرنالہ تعمیر کروایا کہ جس کے ذریعے ساری غلاظت آپ کے مکان میں ڈالتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ آپ کی وہ جگہ جہاں پر آپ نماز پڑھا کرتے تھے وہ بھی نجس ہو جاتی۔ بہت عرصے تک وہ یہ عمل کرتا رہا آپ نے کبھی کوئی شکایت نہ کی ایک دن اس یہودی نے خود ہی آ کر عرض کیا "میرے پرنالے کی وجہ سے آپ کو کوئی شکایت تو نہیں ہے"؟ آپ نے فرمایا "نہیں میں نے ایک جھاڑو رکھ لی ہے جونہی پرنالے سے غلاظت نیچے آتی ہے میں اسے جھاڑو سے صاف کر دیتا ہوں اور جگہ دھو دیتا ہوں"۔ یہودی نے کہا "کیا آپ کو اتنی تکلیف ہونے کے باوجود غصہ نہیں آتا"؟ آپؒ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (سورۃ العمران آیت 134)

ترجمہ: ''اور غصہ پینے والے لوگوں سے درگزر کرنے والے اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔''

حضرت سیدنا معروف کرخیؒ ایک دن دریائے دجلہ کے کنارے پر تھے، نوجوانوں کی ایک ٹولی کو دیکھا کہ فسق و فجور میں مبتلا ہے۔ آپ کے مریدوں نے دیکھا، پھر کچھ لوگوں نے آپ کو بددعا کے لیے کہا۔ حضرت معروف کرخیؒ نے ہاتھ اٹھا دیئے اور آپ نے دعا کی۔ ''یا اللہ جس طرح تو نے ان کو اس جہاں میں خوش رکھا ہے، آخرت میں بھی خوش رکھنا''، لوگوں نے کہا "ہم نے تو آپ کو بددعا کے لیے کہا ہے آپ تو دعا دے رہے ہیں"، آپؒ نے فرمایا "اگر اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں خوش رکھے گا تو پہلے دنیا میں ان کو تائب کرے گا" - پھر آپ نے فرمایا "ذرا ٹھہرو میرا مقصد ابھی ظاہر ہو جاتا ہے"، چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد جوں ہی ان کی نظر حضرت معروف کرخیؒ پر پڑی تو انہوں نے اپنے باجے گاجے سب توڑ دیئے، شراب پھینک دی اور زار و قطار رونے لگے اور سب آ کر حضرت معروف کرخیؒ کے قدموں میں گر گئے اور سچے دل سے تائب ہو گئے۔ حضرت معروف کرخیؒ نے ان لوگوں سے فرمایا "دیکھ لیا تم نے کہ مراد حاصل ہو گئی"۔ اس سے دو باتیں سمجھ میں آ گئیں۔

سچ ہے کہ اخلاق میں بڑا اثر ہے۔ اور

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ترجمہ: ''اور بے شک آپ (خاتم النبیین ﷺ) اخلاق کے بڑے درجے پر ہیں''۔ (سورۃ قلم، آیت نمبر 4)

سورہ آل عمران آیت نمبر 134

ترجمہ: ''جو ہر حال میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں، خواہ وہ بدحال ہوں یا خوش حال'' جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور کو معاف کر دیتے ہیں ایسے نیک لوگ اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں"۔

سورہ الاعراف آیت نمبر 199

ترجمہ'' (اے نبی خاتم النبیین ﷺ) نرم رویہ اور درگزر کا طریقہ اختیار کرو نیکی کی تلقین کرتے رہو اور جاہلوں سے اعراض برتو'' (نظر انداز کرو مت الجھو)۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو سب سے اچھے اخلاق والا کہا گیا ہے۔ اس لیے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اچھے اخلاق یا خوش خلقی کو ایمان کے جانچنے کا پیمانہ قرار دیا ہے۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ایمان کے لحاظ سے مکمل ترین لوگ وہ ہیں جن کا اخلاق سب سے اچھا ہے'' اور تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں''۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص کا ایمان کامل ہو اور اس کا اخلاق اچھا نہ ہو۔ کیونکہ اخلاق انسان کی ایسی عادات و اطوار کا نام ہے جو اس کی فطرت بن چکی ہو اور اسکے وجود میں رچ بس گئی ہو۔ عورتوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر اس لیے کیا گیا ہے کیونکہ عورت صنف نازک ہے اور جسمانی لحاظ سے کمزور طبقہ ہے، طاقت ور اور زبردست کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ درجہ نہیں رکھتا جو کمزور اور زیردست کے ساتھ سلوک کرنے والوں کو عطا کیا جاتا ہے۔

حدیث: حضرت نواس بن سمعانؓ سے روایت ہے "میں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے نیکی اور گناہ کے بارے میں پوچھا آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''نیکی خوش خلقی کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو ناپسند کرے کہ لوگ اس گناہ کے بارے میں مطلع ہو جائیں''۔ (مسلم)

حدیث ترجمہ: حضرت ابودرداؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ'' قیامت کے دن بندہ مومن کے میزان میں خوش خلقی سے زیادہ وزنی اور کوئی عمل نہ ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ فحش گو اور بدگو انسان کو ناپسند فرماتا ہے''۔ (ترمذی)

حدیث: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا گیا'' وہ کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے لوگ کثرت سے جنت میں جائیں گے؟'' آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا'' اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور اچھے اخلاق "۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا گیا وہ'' کونسی چیز ہے جس کی وجہ سے لوگ کثرت سے جہنم میں جائیں گے؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' منہ (زبان) اور شرمگاہ'' (ترمذی)

حدیث : حضرت ابوذرؓ اور حضرت ابوعبدالرحمن معاذ بن جبلؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا'' تم جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، گناہ کرنے کے بعد نیکی کرو یہ نیکی اس گناہ کو مٹادے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ"۔ (ترمذی)

اس حدیث پاک میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے تین امور کی تلقین فرمائی ہے۔ (1) تقویٰ جو کہ دین کی اساس ہے (2) اللہ تعالیٰ کی خشیت کو (اس سے ڈرنے کو) دانائی کا سرچشمہ قرار دیا ہے (3) تیسری بات جس کی تلقین آپ خاتم النبیین ﷺ نے کی وہ لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا ہے۔

حدیث: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جس کے اخلاق سب سے زیادہ اچھے ہوں گے اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور مجھ سے دور وہ ہوگا جو بہت زیادہ باتیں کرتے ہیں اور زبان چبا چبا کر اور تکلف سے گفتگو کرتے ہیں اور متکبر ہیں''۔ (ترمذی)

کثرت کلام میں تصنع (بناوٹ) اور بے سوچے سمجھے گفتگو کرنا شامل ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ لوگ قیامت کے دن نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے دور ہوں گے۔ اسلام میں اخلاق کی اہمیت بنیادی اور اساسی نوعیت کی ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو بلند ترین اوصاف کا حامل دیکھنا چاہتا ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے اخلاق حسنہ کی تکمیل کو اپنی آمد کا مقصد قرار دیا ہے۔ اسلام لانے کے بعد ایمان کی حیثیت ایک بیج کی سی ہے اور انسان کے اخلاق اس کا ثمر اور مظہر ہیں۔ جس طرح ایک درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح ایک انسان اپنے اخلاق سے پہچانا جاتا ہے یعنی انسان کے ایمان کی کیفیت معلوم کرنے کے لیے اس کے اخلاقی معیار کو جانچا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ'' **اخلاق انسانی کردار اور رویئے کے مستقل اور ناقابل تبدیل اوصاف کے مجموعے کا نام ہے'' اخلاق کی تعریف علما کرام نے اس طرح فرمائی ہے۔'' وہ عادات واوصاف جو انسان سے بے ساختہ اور بے تکلف ظاہر ہوں، اخلاق کہلاتی ہیں۔''**

اس لیے اگر کسی انسان کے دل میں ایمان اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ جاگزیں ہے تو لامحالہ اس کے اخلاق بھی اچھے ہوں گے اور اس کی عادات وحرکات اور اخلاق دوسروں کو متاثر کریں گے۔ تکلف، بناوٹ، اور مصنوعی رویے اخلاق کی تعریف میں نہیں آتے۔ اس لیے اگر کوئی شخص اپنے ایمان کی کیفیت اور حالات معلوم کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنے اخلاق کا جائزہ لیا کرے اور اپنے گھر سے۔ اسلامی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے لیے اسلام نے جامع ضابطہء اخلاق دیا ہے۔ اگر انسان کا تعلق اور معاملہ اپنے رب کے ساتھ ٹھیک ہو تو اس صورت میں وہ مرتبہ احسان پر فائز ہوا ہے۔ مرتبہ احسان یہ ہے کہ'' تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے''، یعنی یہ دو صورتیں ہوں ایک یہ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہوئے اعمال کرے یہ ایک عظیم مرتبہ ہے جو عام لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ صرف خواص ہی اس کے اہل ہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ بندے کو دیکھ رہا ہے۔ یہ کیفیت پختہ ہو۔ ویسے تو ہم سب کا ہی ایمان ہے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ لیکن واقعتا یہ کیفیت اگر بن جائے تو برائی ہم سے ہو ہی نہیں سکتی۔ ہر بری عادت ختم ہوجائے۔ نہ جھوٹ رہے، نہ غیبت، نہ بہتان، نہ چغلی۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' اپنے رب کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ نہیں ہوسکتا تو کم از کم یہ تصور کرلو کہ ہمارا رب ہمیں دیکھ رہا ہے''۔ آج مسلمان اسلامی تعلیمات کو اور خاص طور پر اسلام میں اخلاقی تعلیمات کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے دنیا میں اپنا وہ مقام کھو چکا ہے جو کبھی اس کو حاصل تھا۔ اگر ہم اپنی عظمت رفتہ کو بحال کرنا چاہتے ہیں اور دنیا کے اندر اپنی قدر ومنزلت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی اخلاقی حالت کی طرف خاص طور پر توجہ دینی ہوگی۔ کہ یہی ایمان کی جان یہی ایمان کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

****

کمال ایمان (اخلاقیات)

اخلاقی خوبیاں:۔ حدیث: رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے تا کہ اخلاقی اچھائیوں کو کمال تک پہنچاؤں۔یعنی نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی نبوت کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے اخلاق و معاملات کو درست کریں۔ان کی زندگی سے بُرے اخلاق کی جڑیں اکھاڑ دیں اور ان کی جگہ بہتر اخلاق پیدا کریں،حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اپنے قول وفعل وعمل سے تمام اچھے اخلاق کی فہرست مرتب کر دی، جو پوری زندگی پر اور زندگی کے تمام شعبوں پر نافذ ہے اور ہمیں ہر حالت میں ان کو اپنانے کی ہدایت ہے۔حسن اخلاق کیا ہے؟اس کی تفسیر عبداللہ بن مبارکؒ نے ان الفاظ میں کی ہے۔

ترجمہ:''حسن اخلاق نام ہے خوش روی کا، مال خرچ کرنے کا اور کسی کو تکلیف نہ دینے کا، جو ایمان کی سب سے بڑی خوبی ہے''۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں "رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نہ تو بے حیائی کی بات زبان سے نکالتے اور نہ بے حیائی کا کام کرتے اور نہ کسی کو برا بھلا کہتے۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ فرماتے کہ تم میں بہترین وہ ہیں جو اخلاق کے اچھے ہیں"۔(بخاری شریف)

بردباری وحلیمی:۔ حدیث: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے قبیلہ عبدالقیس کے وفد کے لیڈر کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا" تمہارے اندر دو ایسی خوبیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور وہ ہیں بردباری وقار اور سنجیدگی"۔(مسلم)

سادگی:۔ حدیث: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" سادہ زندگی گزارنا ایمان ہے"۔(ابوداؤد)

سلیقہ وصفائی:۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ہمارے ہاں ملاقات کی غرض سے تشریف لائے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ جو گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا اور اس کے بال بکھرے ہوئے تھے،آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" کیا اس آدمی کے پاس کنگھا نہیں ہے جس سے یہ اپنے بالوں کو درست کر لیتا"؟اسی طرح ایک مرتبہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک اور آدمی کو دیکھا جس نے میلے کپڑے پہن رکھے تھے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" کیا اس آدمی کے پاس وہ چیز نہیں ہے(صابون وغیرہ) جس سے یہ اپنے کپڑے دھولیتا"۔(مشکوٰۃ)

دولت اور پراگندہ حالی:۔ ابوالاحوصؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے کہا" میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت میرے جسم پر معمولی اور گھٹیا کپڑے تھے،آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا" کیا تمہارے پاس مال ہے"؟ میں نے کہا''ہاں'' تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا،" کس طرح کا مال ہے"؟ میں نے کہا" ہر طرح کا مال اللہ تعالیٰ نے مجھے دے رکھا ہے۔اونٹ بھی ہیں، گائے بھی ہیں، بکریاں بھی ہیں گھوڑے بھی ہیں اور غلام بھی ہیں"،آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دے رکھا ہے تو اس کے فضل اور احسان کا اثر و نشان تمہارے جسم پر ظاہر ہونا چاہیے"۔(مشکوٰۃ)

بہترین اسلام:۔ حدیث: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے ایک آدمی نے سوال کیا،" یا رسول اللہ بہترین اسلام کیا ہے"؟،یعنی اسلام کا کونسا کام بہتر ہے؟۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" غریبوں اور مساکین کو کھانا کھلانا اور ہر مسلمان کو سلام کرنا، چاہے تو اسے پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو"۔(بخاری ومسلم)

محبت کا گُر سلام کرنا:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" تم لوگ جنت میں نہیں جا سکتے جب تک مومن نہیں بنتے اور تم مومن نہیں بن سکتے جب تک باہم محبت نہ کرو۔کیا میں تمہیں وہ تدبیر نہ بتاؤں کہ جسے اگر اختیار کرو تو آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو؟'' آپس میں سلام کو پھیلاؤ''(مسلم)

زبان اور شرم گاہ کی حفاظت:۔ حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" بندہ ایک بات اپنی زبان سے نکالتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہوتی ہے اور وہ اس کا خیال نہیں کرتا(یعنی وہ اس کی اہمیت کو نہیں جانتا) لیکن اللہ تعالیٰ اس کی بدولت اس کے درجات بلند کرتا ہے۔اور بندہ ایک بات اپنے منہ سے اللہ کی ناراضگی کی نکالتا ہے اور وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا(یعنی اسے معلوم نہیں ہوتا کہ کس قدر ناراضگی کا سبب ہو سکتی ہے)اور یہ اسے جہنم میں گرا دیتی ہے۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے اس ارشاد کا منشا یہ ہے کہ آدمی اپنی زبان کو بے لگام نہ چھوڑے اور جو کچھ منہ سے نکالے سوچ سمجھ کر نکالے۔

اخلاقی برائیاں:۔ اخلاقی برائیاں بہت سی ہیں مثلاً

(1)تکبر وخود پسندی (2) ظلم (3)غصہ (4)جھوٹ (5)دورخا پن(منافقت) (6)غیبت
(7)بے جا حمایت (8)جھوٹی گواہی (9)عیب چینی (10)چغلی (11)حسد (12)بدنگاہی۔

1۔تکبر وخود پسندی:۔ تکبر اپنے آپ کو بڑا اور دوسرے کو حقیر جاننا ہے، جب کہ خود پسندی یا عُجب دوسرے کو حقیر جاننا نہیں لیکن اپنے آپ کو برتر سمجھنا ہے۔

حدیث: حضرت حارثہ بن وہبؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" متکبر آدمی جنت میں داخل نہ ہوگا اور نہ ہی وہ شخص جو جھوٹی شیخی بگھارتا ہے(ابو داؤد)۔خود پسندی خود بینی ہے،خود بین بندہ خدا بین نہیں ہوا کرتا"۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے"جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو بشرطیکہ تمہارے اندر گھمنڈ اور اسراف نہ ہو"-(بخاری)

ظلم:- حدیث: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" ظلم قیامت کے دن ظالم کے لیے سخت اندھیرا بنے گا"-(متفق علیہ)

ظالم سے تعاون اسلام سے بغاوت ہے۔حضرت اوس بن شرجیلؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا"جو شخص کسی ظالم کا ساتھ دے کر اسے قوت پہنچائے گا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا"-(مشکوٰۃ)

حقیقی مفلس:- حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے سوال کیا" جانتے ہو حقیقی مفلس کون ہے"؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہمارے نزدیک تو مفلس وہ ہے جس کے پاس دینار و درہم کچھ نہ ہوں اور نہ کوئی سامان ہو"،آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" میری امت کا مفلس وہ شخص ہوگا جو قیامت کے دن اپنی نماز،روزے اور زکوٰۃ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی،کسی کا مال ناحق کھایا ہوگا،کسی کو ناحق مارا ہوگا،کسی کو قتل کیا ہوگا،تو ان تمام مظلوموں میں اس کی نیکیاں بانٹ دی جائیں گی،پھر اگر اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں اور مظلوموں کے حقوق باقی رہے تو ان کے گناہ اس کے حساب میں ڈال دیئے جائیں گے۔پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا"-(مسلم)

مظلوم کی فریاد:- حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" مظلوم کی پکار سے بچو(بدعا سے) اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی صاحب حق کو اس کے حق سے محروم نہیں کرتا"-(مشکوٰۃ)

غصہ(غصے پر قابو):- حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا،" طاقت ور وہ شخص نہیں ہے جو کشتی میں دوسروں کو پچھاڑ دے،جبکہ طاقت ور تو درحقیقت وہ ہے جو غصہ کے موقعہ پر اپنے اوپر قابو رکھتا ہے"۔(صحیح مسلم)

غصے کا علاج:- حدیث: حضرت عطیہ سعدیؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" غصہ شیطانی اثر کا نتیجہ ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ صرف پانی سے بجھتی ہے،تو جس کسی کو غصہ آئے اسے چاہیے کہ وضو کرے"-(ابوداؤد)

حدیث: حضرت ابوذر غفاریؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جب تم میں سے کسی کا غصہ چلا جائے تو بہتر ورنہ لیٹ جائے"-(مشکوٰۃ)

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا اے میرے رب آپ کے نزدیک آپ کے بندوں میں سب سے پیارا کون ہے"؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" وہ جو انتقامی کارروائی کی قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دے"۔(مشکوٰۃ)

موسیٰ (علیہ السلام) نے یہ عرض کی اے بارِ خدا!
مقبول تیرا کون ہے بندوں میں سوا۔
ارشاد ہوا بندہ ہمارا وہ ہے
جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلہ۔

حدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جو(خلاف حق بولنے سے) اپنی زبان کی حفاظت کرے،اللہ تعالیٰ اس کے عیب پر پردہ ڈالے گا اور جو اپنے غصے کو روکے گا،اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عذاب کو اس سے ہٹالے گا او جو شخص اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے گا،اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے گا"-(مشکوٰۃ)

مومنوں کے اخلاق:- حدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" تین چیزیں مومنانہ اخلاق میں سے ہیں،ایک یہ کہ جب کسی کو غصہ آئے اور اس کا غصہ اس سے ناجائز کام نہ کروائے،دوسرے یہ کہ جب وہ خوش ہو تو اس کی خوشی اسے حق کے دائرے سے باہر نہ نکالے،تیسرے یہ کہ قدرت رکھنے کے باوجود دوسرے کی چیز نہ ہتھیائے جس کے لینے کا اسے حق نہیں"۔(مشکوٰۃ)

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے" ایک آدمی نے(جو غالباً مزاج کا تیز تھا) رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے"،آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''غصہ نہ کیا کرو''۔اس آدمی نے بار بار کہا،مجھے کوئی وصیت فرمائیے،آپ خاتم النبیین ﷺ نے بار بار یہی جواب دیا''غصہ نہ کیا کرو''۔(بخاری)

حدیث: حضرت واثلہؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" تو اپنے بھائی کی مصیبت پرخوشی کا اظہار مت کرورنہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا اور (مصیبت ہٹادے گا) اور تجھے مصیبت میں مبتلا کردے گا"۔(ترمذی)

سب سے بڑا جھوٹ:۔حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ آدمی اپنی دونوں آنکھوں کو وہ چیز دکھائے جو ان دونوں آنکھوں نے نہیں دیکھی ہے"۔(یعنی جھوٹا خواب بیان کرے)۔(بخاری)

عظیم خیانت:۔سفیان بن اسید خضریؓ نے کہا کہ میں نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا" سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات کہو اور وہ تمہاری بات کو سچ سمجھے، حالانکہ تم نے جو بات اس سے کہی ہے وہ جھوٹی تھی"۔(ابوداؤد)

بچوں سے جھوٹ بولنا:۔ حضرت عبداللہ بن عامرؓ فرماتے ہیں"ایک دن حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ہمارے گھر میں تشریف لائے میری والدہ نے مجھے بلایا اور کہا" یہاں آمیں تجھے ایک چیز دوں"، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" تم اسے کیا دینا چاہتی ہو"؟ والدہ نے کہا" میں اسے کھجور دینا چاہتی ہوں"، آپ خاتم النبیین ﷺ نے میری والدہ سے فرمایا" اگر تو دینے کے لیے بلاتی اور نہ دیتی تو تیرے نامہ اعمال میں یہ جھوٹ لکھ دیا جاتا"۔(ابوداؤد)

مذاق میں جھوٹ:۔حضرت بہز بن حکیمؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" خرابی اور نامرادی ہے اس شخص کے لیے جو جھوٹی باتیں اس لیے کہتا ہے کہ اس سے لوگوں کو ہنسائے، خرابی ہے اس کے لیے"۔(ترمذی)

فحش گوئی اور بدزبانی:۔حضرت ابودرداؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" سب سے زیادہ وزنی چیز جو قیامت کے دن مومن کے میزان میں رکھی جائے گی وہ اس کا حسن اخلاق ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس شخص سے بغض رکھتا ہے جو زبان سے بے حیائی کی باتیں نکالتا ہے، اور بدزبانی کرتا ہے"۔(ترمذی)

حسن اخلاق کی تفسیر فرماتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ:

ترجمہ:"اچھا اخلاق یہ ہے کہ آدمی جب کسی سے ملے تو ہنستے ہوئے چہرے سے ملے اور اللہ تعالیٰ کے محتاج بندوں پر مال خرچ کرے اور کسی کو تکلیف نہ دے"

دورخاپن (منافقت)

بدترین عادت: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے" تم قیامت کے دن بدترین آدمی اس شخص کو پاؤ گے جو دنیا میں دو چہرے رکھتا تھا، کچھ لوگوں سے ایک چہرے کے ساتھ ملتا تھا اور کچھ لوگوں سے دوسرے چہرے کے ساتھ"۔(متفق علیہ)

دو آدمیوں یا دو گروہوں میں اگر کوئی رنجش ہو جائے تو کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو دونوں کے پاس جاتے ہیں اور دونوں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور ان کی دشمنی کو اور ہوا دیتے ہیں۔اس طرح کچھ لوگ کسی کے آنے پر بڑے گہرے تعلق کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان کے جانے کے بعد باتیں بناتے ہیں۔اسی طرح کبھی کوئی اچھے کپڑے پہن لے تو سامنے تو بہت تعریف کرتے ہیں اور جانے کے بعد کہہ دیا"بوڑھی گھوڑی لال لگام"، یہ تمام باتیں دورخے پن ہی کی ہیں۔

آگ کی دو زبانیں: حضرت عمارہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جو شخص دنیا میں دورخاپن اختیار کرے گا تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی"(ابوداؤد)۔قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں اس لیے ہوں گی کہ دنیا میں اس کے منہ سے جو آگ نکلتی تھی وہ دو آدمیوں کے باہمی تعلقات کو ختم کردیتی تھی (جلادیتی تھی)

غیبت:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا" تمہیں معلوم ہے کہ غیبت کیا ہے"؟ لوگوں نے کہا" اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ زیادہ واقف ہیں"، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ذکر کرے ایسے ڈھنگ سے کہ جسے وہ ناپسند کرتا ہے"، پھر آپ خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا گیا" بتایئے اگر وہ بات جو میں کہہ رہا ہوں، میرے ساتھی کے اندر پائی جاتی ہے جب بھی یہ غیبت ہوگی"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" اگر وہ بات جو تو کہتا ہے اس کے اندر موجود ہو تو یہ غیبت ہوئی اور اگر اس کے متعلق وہ بات کہی ہے جو اس میں نہیں ہے تو پھر تو نے اس پر بہتان لگایا"۔(مشکوۃ)

غیبت زنا سے بدتر ہے۔۔۔حضرت ابوسعید جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" غیبت زنا سے سخت تر گناہ ہے"۔لوگوں نے کہا" اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ غیبت زنا سے سخت کیسے ہے"؟ فرمایا" آدمی زنا کرتا ہے اور پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے، لیکن غیبت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ معاف

نہیں کرے گا جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی تھی"۔(مشکوٰۃ)

بے جا حمایت اور طرفداری:- بے جا حمایت ہلاکت ہے

راوی ابوفسلہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا" کیا اپنے لوگوں سے محبت کرنا عصبیت ہے"؟ (بے جا حمایت) آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" نہیں بلکہ عصبیت یہ ہے کہ آدمی ظلم کے معاملے میں اپنی قوم کا ساتھ دے"-(مشکوٰۃ)

جھوٹی گواہی:- حضرت خریم بن فاتکؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی اور جب لوگوں کی طرف رخ پھیرا تو بیٹھے رہنے کے بجائے آپ خاتم النبیین ﷺ سیدھے کھڑے ہو گئے اور تین بار فرمایا،" جھوٹی گواہی دینا اور شرک کرنا دونوں برابر کے گناہ ہیں"-(ابوداؤد)

بلا تحقیق بات کو پھیلانا:- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ شیطان آدمی کے بھیس میں کام کرتا ہے۔ وہ لوگوں کے پاس آ کر جھوٹی باتیں بیان کرتا ہے، پھر لوگ جدا ہو جاتے ہیں (یعنی مجلس ختم ہو جاتی ہے اور لوگ منتشر ہو جاتے ہیں) تو ان میں سے ایک آدمی کہتا ہے "میں نے یہ بات ایک آدمی سے سنی ہے جس کا چہرہ تو پہچانتا ہوں لیکن نام نہیں جانتا"۔ (صحیح مسلم) لہٰذا خبر دینے والے کے بارے میں خوب تحقیق کر لینی چاہیے کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے، اگر ثابت ہو جائے کہ وہ جھوٹا ہے تو اس کی خبر کو رد کر دو۔

عیب چینی:- حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں "میں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے (ایک موقعہ پر) کہا کہ صفیہؓ کا یہ عیب کہ وہ ایسی اور ایسی ہے کافی ہے"۔(یعنی کہ وہ پستہ قد ہیں) آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "عائشہؓ تم نے اتنا تلخ جملہ منہ سے نکالا ہے کہ اگر اسے سمندر میں گھول دیا جائے تو پورے سمندر کو تلخ کر دے"۔(مشکوٰۃ)

اس حدیث میں یہ پہلو قابل غور ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اپنی محبوب بیوی کی غلط بات پر بھی چپ نہیں رہے بلکہ مناسب انداز میں انہیں آگاہ کر دیا۔

چغلی کھانا:- حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" چغلی کھانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا"-(بخاری و مسلم)

حدیث: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں" حضور پاک خاتم النبیین ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے بتایا" ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ اور یہ عذاب کسی ایسی چیز کی وجہ سے نہیں ہے جسے وہ چھوڑ نہیں سکتے تھے بلاشبہ ان کا جرم بڑا ہے ان میں سے ایک چغلی کھایا کرتا تھا اور دوسرا اپنے پیشاب کی چھینٹوں سے بچتا نہیں تھا"-(بخاری)

حسد:- حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" اپنے آپ کو حسد سے بچاؤ، اس لیے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح بھسم کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو بھسم کر ڈالتی ہے"-(ابوداؤد)

بدنگاہی:- حضرت جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے اجنبی عورت پر اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں پوچھا، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" تم اپنی نگاہ پھیر لو"-(مسلم)

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا،" اے علیؓ کسی اجنبی عورت پر اچانک نظر پڑ جائے تو نظر پھیر لو، دوسری نگاہ اس پر نہ ڈالو، پہلی نگاہ تو تمہاری ہے اور دوسری نگاہ تمہاری نہیں ہے بلکہ شیطان کی ہے"-(ابوداؤد)

****

ایمان کی بنیاد(محبت رسول خاتم النبیین ﷺ)

بدعقیدہ کون ہے؟حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا میری امت کے 73 فرقے ہوں گے۔سارے ہی کلمہ پڑھیں گے۔نمازیں پڑھیں گے،روزہ رکھیں گے،حج کریں گے،زکوٰۃ دیں گے،لیکن پھر بھی ان میں سے 72 جہنمی ہوں گے ایک ناجی ہوگا(نجات یافتہ)صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نجات یافتہ فرقہ کی نشانی بتادیجئے فرمایا جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ ہوں گے‘‘۔قرآن پاک میں سورہ حشر آیت نمبر 20 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ:’’دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہیں‘‘۔

اب ہم کیسے اندازہ لگائیں کہ جنتی کون ہیں اور ان کے اعمال کیا ہیں؟کہ وہ جنت والے ہوئے۔دیکھئے عشرہ مبشرہ تو وہ دس صحابہ کرامؓ ہیں جن کو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے دنیا میں ہی جنت کی خوشخبری دے دی تھی۔اب ان جنت والوں میں سب سے پہلے درجے پر حضرت ابوبکر صدیقؓ آتے ہیں۔حضرت عائشہ صدیقہؓ جنتی ہیں،حضرت فاطمہ زہراؓ جنتی ہیں،۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ آرام فرمارہے ہیں۔حضرت فاطمہؓ آتیں ہیں،آپ خاتم النبیین ﷺ ان کو قریب بلاتے ہیں اور آپ کے کان میں کچھ کہتے ہیں وہ رونے لگتی ہیں۔تھوڑی دیر کے بعد کان میں کچھ کہتے ہیں تو وہ ہنسنے لگتی ہیں۔لوگوں کے پوچھنے پر حضرت فاطمہؓ نے بتایا کہ پہلے آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ میں اس بیماری میں وصال کر جاؤں گا۔میں رونے لگی،پھر دوبارہ فرمایا بیٹی سب سے پہلے تو مجھ سے ملے گی۔اب دیکھئے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو اپنا بھی معلوم ہے کہ کب جانا ہے اور اپنی بیٹی کا بھی معلوم ہے کہ اس نے کب جانا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو کیا خبر کہ موت کب آئے گی؟،کون کب مرے گا؟،یہ تو علم غیب ہے۔یہ کون جان سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عطا سے یہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ جانتے ہیں،۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ احد پہاڑ پر جلوہ افروز ہیں،حضرت ابوبکرؓ ساتھ ہیں،حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی ساتھ ہیں،پہاڑ کو جوش آگیا۔وجد طاری ہوگیا،پہاڑ ہلنے لگا،کانپنے لگا،زلزلہ سا آگیا،حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے پہاڑ کو ایک ٹھوکر ماری اور فرمایا رک جا،پہاڑ فوراً رک گیا،آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا’’اے پہاڑ رک جا تجھ پر ایک نبی ہے ایک صدیق اور دو شہید ہیں‘‘۔اس واقعے کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے جب وصال فرمایا اور جب حضرت ابوبکرؓ نے وصال فرمایا تو اس واقعہ کو 12 سال گزر چکے تھے۔حضرت عمرؓ اس واقعہ کے 25 سال بعد شہید ہوئے اور حضرت عثمانؓ 35 سال کے بعد شہید ہوئے۔

یہ کتنا بڑا علم غیب ہے۔اس کو حضرت ابوبکرؓ بھی مان رہے ہیں،حضرت عمرؓ بھی مان رہے ہیں اور حضرت عثمانؓ بھی مان رہے ہیں،ان میں سے کوئی اعتراض نہیں کر رہا کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ آپ کو کیا علم کہ ہم نے شہید ہونا ہے یا طبعی موت پانی ہے؟اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ جو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی زبان مبارک سے نکل رہا ہے،وہی ٹھیک ہے،ورنہ کلمہ تو سب پڑھ لیتے ہیں۔

بدر کی جنگ سے ایک روز پہلے عصر کے بعد حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے میدان جنگ کا معائنہ فرمایا اور فرمایا’’کل یہاں جنگ میں فلاں بندہ مرے گا‘‘۔یہاں فلاں بندہ مرے گا،یہاں فلاں بندہ مرے گا،ستر بندوں کا ذکر فرمایا۔حضرت عمر فاروقؓ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ’’حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے جہاں جہاں جس جس کافر کے گرنے کی جگہ بتائی تھی اسی جگہ پر وہ کافر دوسرے دن مرا پڑا تھا‘‘۔یہ تو وہ علم غیب ہے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون کب اور کہاں مرے گا؟اللہ تعالیٰ کی عطا سے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ بھی جانتے ہیں۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نور ہیں،آپ خاتم النبیین ﷺ کا شرح صدر بھی 4 مرتبہ ہوا،قرآن پاک خود فرماتا ہے کہ آپ سراج منیر ہیں،آپ باقی بہتر فرقوں کو دیکھیں،کہیں گے نور نہیں ہیں،بشر ہیں،خاکی ہیں،بندے ہیں،چلتے پھرتے ہیں،کھانا کھاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جنت کی چابیاں عطا فرمائیں اور پھر دوزخ کی چابیاں بھی عطا فرمائیں اور کہا اے محمد خاتم النبیین ﷺ آپ جنت اور دوزخ دونوں کے مالک ہو۔اب دیکھئے جنت کا حقیقی مالک تو اللہ خود ہے اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو عطائی طور پر جنت اور دوزخ کا مالک بنایا گیا،آپ خاتم النبیین ﷺ نے وہ چابیاں حضرت ابوبکرؓ کو عطا فرمادیں۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ’’نہیں ڈالا اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں کوئی علم کہ میں نے اسے ابوبکرؓ کے سینے میں ڈال دیا‘‘۔حضرت صدیق اکبرؓ کو دیکھیں کہ جب وصال کا وقت آیا تو وصیت کی اے لوگو میرے مرنے کے بعد غسل اور کفن دینے کے بعد میری میت کو در نبوی خاتم النبیین ﷺ پر لے جانا اور عرض کرنا یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ یہ غلام حاضر ہے،قبر کی

جگہ چاہیے، قبر کی جگہ کس سے مانگ رہے ہیں اور پیغام دینے والے کون لوگ ہیں، عشرہ مبشرہ میں سے باقی 9 اصحاب اور ان کے علاوہ تمام اصحاب رسول خاتم النبیین ﷺ ۔میت کو لے گئے، در نبوی خاتم النبیین ﷺ پر رکھ دیا اور عرض کیا یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ، غلام حاضر ہے۔ دروازہ بند ہے، صحابہ کرامؓ بھی عرض کرتے ہیں یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ، غلام حاضر ہے، دروازہ خود کھل گیا، آواز آتی ہے ''دوست کو دوست سے ملا دو''۔ یہ جنتی کی نشانی ہے۔ کس سے قبر کی جگہ مانگی؟ اور کس کے پاس مانگی؟ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے اور حضور پاک ﷺ کے پاس۔

ایک مرتبہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "یہ (کاپی) لسٹ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئی ہے اس میں 70 ہزار لوگوں کے نام ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے " - ایک صحابی نے عرض کیا " یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میرا نام بھی اس میں لکھ دیں "، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا " اچھا لکھ دیا " - عرض کیا " یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ یہ ستر ہزار ایک یہ تو بہت کم لوگ ہیں۔ اس میں اضافہ فرمائیں۔ یہ کون کہہ رہا ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عطا کرنے والے کون ہیں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے عطا کیا فرمارہے ہیں جنت۔ تو کہا " یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ یہ تو بہت تھوڑے ہیں ان میں اضافہ کیجیئے " - آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا " یہ جو ستر ہزار ایک ہیں ان میں سے ہر ایک بندہ اپنے ساتھ 70 ہزار لوگوں کو بغیر حساب کتاب کے لے کر جائے گا۔ یہ پانچ ارب بنتے ہیں " - اس وقت دنیا کی آبادی کے حساب سے یہ کل آبادی کے لوگ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا " یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ قیامت معلوم نہیں کب آئے گی اس وقت تک تو آپ خاتم النبیین ﷺ کے امتیوں کی تعداد بہت زیادہ ہو جائے گی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ ان میں اضافہ فرمائیے، کہیں بندے رہ نہ جائیں "، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا " چلو یہ جو پانچ عرب ہیں ان میں سے ہر بندہ اپنے ساتھ ستر ہزار اور لوگوں کو بغیر حساب کتاب لے کر جائے گا " - یہ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے، اضافہ کروانے والے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عطا کرنے والے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ - عرض کیا " یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ یہ بھی کم ہیں فرمایا " پھر گنتی کو چھوڑ دو گنتی پوری نہیں آئے گی میں ویسے ہی مٹھی بھر بھر جنت میں لوگوں کو ڈالتا ہوں "، آپ خاتم النبیین ﷺ نے پانچ مرتبہ ایسا کیا اور حضرت ابوبکرؓ مزید اضافہ کرواتے رہے، آخر میں حضرت عمرؓ نے فرمایا یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کافی ہو گئے ہیں، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ''رحمت کا دروازہ کھلا ہے، آپ خاتم النبیین ﷺ کی عظمت کا اظہار ہو رہا ہے، بغیر کسی عمل کے بخشش ہو رہی ہے، آپ کیوں روک رہے ہیں''؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا " میں روک نہیں رہا بلکہ میرا ایمان یہ ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی مٹھی میں ایک ہی بار ساری کائنات آسکتی ہے " - آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا " اے ابوبکرؓ عمرؓ ٹھیک کہہ رہے ہیں میری ایک مٹھی میں ایک ہی بار ساری کائنات آجاتی ہے " - اب جو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی مٹھی کی عظمت کا ماننے والا ہے وہ جنتی ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک مرتبہ میلاد مصطفی خاتم النبیین ﷺ کی خوشی میں 110 اونٹ قربان کئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس تین جو کی روٹیاں تھیں انہوں نے وہ بھی قربان کر دیں، اب یہ ہماری ہمت ہے اونٹ قربان کرنے کی ہمت ہے تو اونٹ قربان کر دیں اور روٹی دینے کی ہمت ہے تو روٹی قربان کر دیں۔ نیت اور خلوص دیکھا جائے گا - ذکر مصطفی خاتم النبیین ﷺ کی محفل کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پوری محفل کو بخشتا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں باری تعالیٰ ان میں کچھ لوگ محفل کے ارادے سے نہیں آئے تھے ان کی اپنی غرض تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے ذکر کی محفل ہو یا میرے محبوب کے ذکر کی یہ محفل ایسی ہوتی ہے کہ یہاں آنے والا اس محفل میں شرکت کرنے والا بھی محروم نہیں رہتا۔ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ ہر امتی کے دل میں جلوہ، افروز ہوتے ہیں، آپ خاتم النبیین ﷺ ہر گھر میں جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ درود وسلام کی محفل میں جلوہ افروز ہوتے ہیں یہ ہے ہماری عقیدت۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ذکر مصطفی خاتم النبیین ﷺ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے آنے سے آپ خاتم النبیین ﷺ کی تشریف آوری سے گھر میں اجالا ہو جاتا ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو لانے والی چیز کونسی ہے؟ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو لانے والی چیز درود پاک ہے۔ جب آپ خاتم النبیین ﷺ پر درود پاک پڑھا جاتا ہے تو آپ خاتم النبیین ﷺ کا ذکر مبارک ہوتا ہے۔ جب آپ خاتم النبیین ﷺ کا ذکر مبارک ہوتا ہے تو آپ خاتم النبیین ﷺ کو یاد کیا جا رہا ہوتا ہے اور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ جس کو آپ خاتم النبیین ﷺ کی یاد آئے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی یاد میں تڑپے اور زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھے آپ خاتم النبیین ﷺ اس کو نظر انداز کر دیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ ایسی مبارک جگہوں پر جہاں درود پاک کی محفل درود سلام کی محفل ہو ضرور آتے ہیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے آنے پر اندھیرے مٹ جاتے ہیں، اُجالا ہو جاتا ہے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے محبت کا دعویٰ سب کرتے ہیں لیکن اگر کسی کی زبان پر درود شریف ہے تو وہ دعویٰ میں سچا ہے۔ باقی سب جھوٹے ہیں۔ درود شریف ایسی عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ درود شریف ہر حال میں قبول ہوتا ہے بشرطیکہ پڑھنے والے کے دل میں آپ خاتم النبیین ﷺ کا ادب ہو۔ کیونکہ ادب ہی

ایمان کی بنیاد ہے۔ادب نہیں تو سنت نہیں۔سنت نہیں تو واجب نہیں۔واجب نہیں تو فرض نہیں اور فرض نہیں تو معرفت نہیں۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جو کوئی مجھ پر ایک بار درود شریف پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر 10 بار رحمتیں نازل فرمائے گا اور جو کوئی دس مرتبہ درود شریف پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر 100 رحمتیں نازل فرمائے گا۔ایک حدیث میں ہے کہ جو دس مرتبہ درود شریف پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے دس گناہ معاف کرے گا۔10 نیکیوں کا اضافہ کرے گا۔10 درجے بلند فرمائے گا"۔(سنن نسائی)

اب یہاں پر سوچنے کا عمل ہے کہ درود شریف پر یہ اجر کون مرحمت فرما رہا ہے خود باری تعالیٰ۔

تو درود شریف کی عبادت قابل اعتبار عبادت ہے باقی عبادت کا تو کوئی اعتبار ہی نہیں ہے۔کیونکہ ہمارا دل کہیں دھیان کہیں ہزار طرح کے وسوسے ہر وقت دھیان میں رہتے ہیں۔اس لیے درود شریف کا توشہ ضرور ساتھ رکھیں، کم از کم 500 مرتبہ درود شریف تو ہر ایک کو روزانہ پڑھنا چاہیے اور جمعہ والے دن خاص فرشتے درود شریف لینے آتے ہیں اس لیے جمعہ والے دن کم از کم ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھیں اور پھر دیکھیں انعام ربانی۔اگر کرم مصطفی خاتم النبیین ﷺ نہ ملا تو پھر کچھ بھی نہیں ملا۔

فرمان الٰہی ہے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" کوئی شخص اپنے کسی عمل سے جنت میں نہیں جائے گا۔سب اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں جائیں گے"۔(صحیح مسلم)

یا اللہ تو ہمیں بتا کہ تیرا فضل کیا ہے؟ فرمایا میرا فضل میری رحمت ہے اور میری رحمت میرے نبی ﷺ ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے''انا اعطینک الکوثر'' کوثر سے مراد صرف جنت کا حوض کوثر ہی نہیں ہے۔بلکہ کوثر سے مراد''خیر کثیر'' بھی ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے نبی پاک خاتم النبیین ﷺ کو خیر کثیر سے نوازا ہے۔اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز خیر کثیر ہے۔اب اللہ تو محمد خاتم النبیین ﷺ کا ہے ہی۔باقی تمام چیزیں بھی اللہ نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو دے دیں تو رضائے الٰہی بھی آپ خاتم النبیین ﷺ کو مل گئی۔اللہ تعالیٰ قرآن پاک سورۃ النسا آیت نمبر 64 میں فرماتے ہیں۔

ترجمہ:''اے محمد (خاتم النبیین ﷺ) اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور پھر تیرے پاس آجائیں اور تو ان کے لیے دعائے مغفرت کرے تو یہ مجھے معاف کرنے والا غفور و رحیم پائیں گے''۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم

خدا چاہتا ہے رضائے محمد

اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا دے دی پھر فرمایا (سورہ الضحیٰ آیت نمبر 4)

ترجمہ:''اے حبیب (خاتم النبیین ﷺ) تیری ہر آنے والی گھڑی پہلی گھڑی سے بہتر ہے۔''

سارے کا سارا قرآن نعت مصطفی خاتم النبیین ﷺ ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہر آیت کو نعت کا عنوان بنا رکھا ہے۔سورہ انعام آیت نمبر 59

ترجمہ:'' اور نہیں کوئی تر اور خشک کے اس کتاب میں لکھا ہوا نہ ہو''۔

قرآن اور حدیث میں سب کچھ لکھا ہوا ہے۔قرآن اور حدیث کا علم اصل علم ہے۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے سوال کیا"اے صدیقؓ تم مجھے کتنا جانتے ہو"؟ وہ عرض کرتے ہیں" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ مجھے فخر ہے کہ پہلا مسلمان ہوں میں ہر وقت آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ ہوں۔آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں ہوں۔آپ خاتم النبیین ﷺ سے رشتہ داری ہے۔مسجد میں ساتھ، باہر ساتھ۔غار ثور میں ساتھ، ہجرت میں ساتھ یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں آپ خاتم النبیین ﷺ کو جانتا ہوں"۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" خدا کی قسم تو مجھے بالکل نہیں جانتا۔میں ایک راز ہوں مجھے صرف اللہ ہی جانتا ہے اور یہ راز حشر کے دن فاش ہو گا"۔

تو جو تھوڑا سا علم ہمیں ذات مصطفی خاتم النبیین ﷺ کا دیا گیا ہے ہم اسی کو سیکھ اور سمجھ لیں۔اسی کو یاد کر لیں۔اس میں پاس ہو جائیں تو ہماری خوش قسمتی ہے۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ حاضر و ناظر ہیں، شاہد ہیں۔قرآن پاک سورہ فتح آیت نمبر 8 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ترجمہ:''بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سنانے والا"۔

آپ خاتم النبیین ﷺ علم غیب رکھتے ہیں۔حیات رکھتے ہیں، حاضر و ناظر ہیں، کوثر کے مالک ہیں۔مختار کل ہیں۔آپ خاتم النبیین ﷺ کو رضائے الٰہی حاصل ہے۔کسی نے کسی بزرگ سے پوچھا حضرت آپ اپنے اللہ کو کیسے راضی کرتے ہیں؟ فرمایا تم نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو راضی کر لو۔اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں گے۔جو کوئی نبی کریم

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی نہیں کرسکتا وہ اللہ کو بھی راضی نہیں کرسکتا۔خواہ وہ ساری عمر سجدہ کرتا رہے۔سجدے ہی میں پڑا رہے۔پڑھتا ہے سبحان ربی الاعلیٰ۔نوافل پڑھتا رہے، قربانیاں کرتا رہے، زکوٰۃ دیتا رہے۔طواف کرتا رہے لیکن جب تک نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی نہ کرے گا بات نہیں بنے گی۔اللہ اس سے کبھی راضی نہ ہوگا۔بلکہ ایمان ہی مکمل نہیں ہوگا۔کوئی رات دن کہے لا الہ الا اللہ بات نہیں بنے گی جب تک ساتھ یہ اقرار اس کی تصدیق نہ کرے گا کہ ''محمد رسول اللہ''۔تو نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی ہو جائیں گے اور نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راضی ہونے سے اللہ راضی ہوجائے گا۔پھر انہوں نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری کائنات کا مالک اور مختار بنا دیا ہے۔خالق کل نے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مالک کل بنا دیا ہے۔خیر کثیر جو عطا کر دی تو سب کچھ عطا کر دیا۔ہمارا تو عقیدہ یہی ہے۔اللہ تعالیٰ نے سب کو نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در پر لاکر رکھ دیا ہے۔کوئی آدمی بھی ولی کامل کی نگاہ سے چھپ نہیں سکتا۔آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑے ولی کامل ہیں۔ولی کامل جب توجہ فرماتے ہیں تو کوئی چیز اس کی نگاہ کے سامنے حائل نہیں ہوتی۔

حدیث پاک ہے کہ ''ڈرو مومن کی فراست سے کہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''۔(جامع ترمذی)

نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جیسا کوئی جاتا ہے اسے ویسا ہی بنا دیتے ہیں۔صدیق بن کر جاتا ہے تو صدیق اکبرؓ بن کر آتا ہے۔ابوجہل بن کر جاتا ہے تو ابوجہل ہی کا ٹھپہ لگ جاتا ہے۔جیسی کوئی نیت لے کر گیا ویسا ہی بن کر نکل آیا۔پرخلوص جاؤ گے تو وہاں سے بھی محبت لے کر لوٹو گے اور منافقت لے کر جاؤ گے۔تو اس سے بڑی منافقت لے کر واپس آؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کو صرف اور صرف بندے کا خلوص مطلوب ہوتا ہے اور خلوص عام نظر سے دیکھنے کی بات نہیں ہوتی یہ تو دل میں ہوتا ہے۔اس لیے اللہ اپنے بندے کو خاص طور پر خلوص والے بندے کو خوب پہچانتا ہے۔تو اللہ کے ہاں صرف اور صرف خلوص کی ضرورت ہوتی ہے۔اس منڈی میں صرف خلوص چلتا ہے اور خلوص ہی کی قیمت لگتی ہے۔

حضرت عائشہؓ نے پوچھا "یارسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی ایسا شخص ہے کہ جس کی نیکیاں ستاروں کے برابر ہوں"۔فرمایا "ہاں عمرؓ ہیں، عمرؓ کی نیکیاں ستاروں کے برابر ہیں"۔حضرت عائشہؓ نے پھر پوچھا "یارسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے بابا کی نیکیاں کتنی ہیں"؟ یعنی اگر عمرؓ کی نیکیوں کا شمار نہیں (کیونکہ ستارے تو بے شمار ہیں) تو میرے بابا کی نیکیاں کتنی ہیں؟ فرمایا "ابوبکرؓ کی ایک نیکی عمرؓ کی تمام نیکیوں سے بڑھ کر ہے۔اس کی تمام نیکیوں سے وزنی ہے"۔(وزن خلوص کا ہے) عرض کیا "یارسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کون سی نیکی اتنی وزنی ہے"؟ فرمایا "ابوبکرؓ کی غار ثور کی خدمت عمرؓ کی تمام نیکیوں سے وزنی ہے"۔حضرت ابوبکرؓ غار ثور کی طرف جاتے ہوئے کبھی آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں ہوتے، کبھی بائیں۔آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پوچھنے پر بتایا "جہاں سے خطرہ ہوتا ہے اس طرف ہو جاتا ہوں"، پھر کبھی آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کندھوں پر اٹھا کر اس طرح غار ثور گئے۔خود پہلے داخل ہوئے، غار کی صفائی کی اور کپڑے پھاڑ کر غار کے سوراخ بند کئے اور حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے آرام کا انتظام کیا۔یہی وہ اخلاص سے بھری ہوئی نیکی ہے کہ عمرؓ کی ستاروں کی تعداد کے برابر نیکیاں اتنا وزن نہیں رکھتیں جتنی ابوبکرؓ کی یہ نیکی۔تو صحابہ کرامؓ ھی ہر چیز کا مالک ومختار نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھتے تھے۔

اس لیے ہر چیز میں حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محتاج رہیں۔اللہ مہربانی فرمائے تو بیڑا پار ہو جائے گا۔

حیات ان پہ قربان ہوتی رہے گی
جو عشق محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مرتے رہیں گے

****

ایمان کی آزمائش

ایمان کیا ہے؟

ایمان اللہ کی وفاداری اور آخرت کی کامیابی کو اپنا مقصدِ زندگی بنالینے کا نام ہے۔

دین اسلام کی بنیاد ایمانیات پر ہے۔

1- **ایمانیات کا پہلا جز** اس بات کا ماننا ہے کہ اس دنیا میں انسان کا ایک خالق و مالک ہے۔جس نے ہر شے کو پیدا کیا ہے انسان کو تنہا اس معبود کی عبادت کرنی چاہیے اور اس کی پسند کی راہ پر چلنا چاہیے۔

2- **ایمان کا دوسرا جز** اس بات کو ماننا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چند کہ آج غیب میں ہے مگر ایک روز وہ انسانوں کے سامنے آجائے گا یہ وہ دن ہوگا جب تمام انسانوں کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور اس بات کو دیکھا جائے گا کہ انہوں نے گزری ہوئی زندگی میں کیسے اعمال کیے؟ اچھے اعمال والوں کو جنت کی پُرفضا وادی میں ہمیشہ کے لیے بسا دیا جائے گا اور بدکاروں کو جہنم کے عذاب میں چھوڑ دیا جائے گا۔

3- **ایمانیات کا تیسرا جز** یہ ہے کہ غیب کے اس زمانے میں بھی اللہ تعالیٰ انسانوں سے بے تعلق نہیں رہتا۔ بلکہ انسانوں کو اپنی مرضی سے آگاہ کرنے کے لیے انہی میں سے کچھ لوگوں کو اپنا پیغام پہنچانے کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔ یہ لوگ پیغمبر کہلاتے ہیں۔جن پر وہ ایک مخلوق فرشتوں کے ذریعے سے اپنا کلام اتارتا ہے۔ پھر یہ پیغمبر اس کلام کو کبھی اپنے الفاظ میں اور کبھی کتابوں کی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں تا کہ لوگ اپنے معبود کی مرضی جان سکیں۔ یہی وہ باتیں ہیں جنہیں توحید، آخرت، رسالت، فرشتے، اور کتابوں پر ایمان کہا جاتا ہے۔

یہ بظاہر تو چند الفاظ ہیں مگر درحقیقت یہ وہ بنیادیں ہیں جن کو ماننے کے بعد انسان کی زندگی بدل جاتی ہے۔ان کو ماننے والے لوگ ہر چیز سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے اور اسی سے ڈرتے ہیں لیکن یہ لوگ اس دنیا کی کامیابی کو اپنا مقصد نہیں بناتے بلکہ آخرت کی ابدی کامیابی کے لیے جیتے ہیں۔انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایک ایک عمل ان کے رب کی نگاہ میں ہے اور اس کے فرشتے اس کا ہر عمل ریکارڈ کر رہے ہیں جو ایک روز اِن کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ان کی نظر میں پیغمبروں سے زیادہ کوئی معتبر نہیں ہوتا۔ انسانوں سے تعلق اور اللہ کی عبادت کے حوالے سے انبیاء ہی ان کا آئیڈیل ہوتے ہیں۔

مسلمان ہونے کے ناطے ہمارے آئیڈیل نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہیں جس شخص کی زندگی ایمانیات کی بنا پر بدل جائے وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل مومن ہے اور جس کی زندگی نہ بدلے وہ اللہ کے غضب کا شکار ہوگا۔ چاہے وہ خود کو کتنا ہی مسلمان سمجھے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنے تک پہنچنے کا ایک نقشہ بھی عطا کر دیا ہے۔ یہی نقشہ پیغمبروں کی راہنمائی کے ذریعے سے انسانوں کو ملتا رہا اور آخری مرتبہ یہ نقشہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی وساطت سے قرآن پاک کی شکل میں تحریری طور پر محفوظ کر کے انسانوں کو دے دیا گیا۔اس نقشے میں علامات نہیں بلکہ الفاظ کی شکل میں بتا دیا گیا ہے کہ کون لوگ ہیں جو اُس خزانے تک (جنت) پہنچنے میں کامیاب رہتے ہیں؟ سیدھا راستہ کیا ہے؟ اس پر چلنے میں کیا کیا مشکلات آتی ہیں؟ اس راستے کا زادِراہ کیا ہے؟ راستہ بھٹک جائیں تو کیا کرنا چاہیے؟ یہ سب اس میں تفصیل کے ساتھ بتا دیا گیا ہے۔

مگر آج بدقسمتی سے انسان اس نقشے کو چھوڑ کر خواہشات کے صحرا اور ابلیس کے جنگل میں بھٹک رہا ہے۔انسان یہ بھول چکے ہیں کہ وہ عالم زیست (دنیا میں) ایک مہم پر بھیجے گئے ہیں۔اس مہم میں ان کا مقصد زندگی کے اس پار ایک اور دنیا میں موجود فردوس کے خزانے تک پہنچنا ہے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ دنیا کے اس جنگل سے وہ محتاط انداز میں گزریں کیونکہ یہاں قدم قدم پر گناہ کی دلدل ہے۔ابلیس کے چھوڑے ہوئے شکاری ہیں۔خزانے کے اس نقشے کو چھوڑ دینا ہر چند کے تمام انسانیت کی بدقسمتی ہے مگر سب سے بڑھ کر یہ ان لوگوں کی بدقسمتی ہے جن کے حوالے کر کے پیغمبر علیہ السلام دنیا سے گئے تھے۔اس لیے کہ دوسروں کو یہ سب کچھ سمجھانے کی ضرورت ہے مگر مسلمانوں کو تو اس بات پر یقین ہے کہ واقعتاً یہ قرآن جنت کے پوشیدہ خزانے کا نقشہ ہے۔ دنیا کے دوسرے لوگ تو کل قیامت کے دن یہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ ہمارے پاس خزانے کا یہ نقشہ نہ تھا مگر مسلمان قیامت کے دن کیا عذر پیش کریں گے؟

آج مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور محمد خاتم النبیین ﷺ کا دیا ہوا سب سے عظیم تحفہ ان کے پاس موجود ہے مگر توفیق نہیں کہ اس کو کھول کر پڑھ لیں۔جنہیں یہ توفیق ہوتی ہے وہ بے سوچے سمجھے اس کو پڑھ کر اور ادب سے کسی اونچی جگہ پر رکھ دیتے ہیں اس کو اس طرح پڑھنے کا بھی ثواب ہے۔کم از کم مالک کے کلام کو پڑھا تو سہی۔لیکن سمجھ کر پڑھنے والے ہی مقصد حیات کو پا سکتے ہیں اور اس چھپے ہوئے خزانے کو پا کر اس کی نشاندہی دوسروں کو بھی کرا سکتے ہیں۔آج اللہ اور انسانوں سے محبت کرنے

والے لوگوں کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ انسانوں کو اللہ کی اس کتاب کی طرف بلائیں۔ رسول خاتم النبیین ﷺ کے اس کلام کی طرف بلائیں۔ اس لیے کہ وقت تیزی سے ختم ہورہا ہے۔ یہ مہلت عمل ختم ہونے کو ہے اس لیے اس نقشے کی مدد سے اگر فردوس کو نہ پایا تو انجام حسرت، نامرادی اور پشیمانی ہوگا۔ اور پھر جہنم کی گہری کھائی ہوگی وہ کھائی جہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رونا اور چلانا ہوگا۔ قرآن پاک میں فرمان الٰہی ہے

ترجمہ: "بیشک راہ دکھا دینا ہمارا ذمہ ہے"۔ (سورۃ اللیل، آیت 12)

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسانوں کے لیے جو منصوبہ بنایا ہے اور اس حوالے سے جو مطالبات انسانوں سے مطلوب ہیں ان کی طرف انسانوں کی راہنمائی کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ یہ ہدایت ہر انسان کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہے اس فطری ہدایت کا مقصد یہ ہے کہ ہر انسان خالق اور مخلوق کے بنیادی حقوق جان لے اور ان کے معاملے میں درست رویہ اختیار کرے۔ قرآن پاک نے اس فطری ہدایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ توحید کا تصور روز ازل ہی سے انسانی فطرت میں رکھ دیا گیا ہے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" (اعراف 172:7)

اسی طرح ہر نفس انسانی میں یہ بات ودیعت کر دی گئی ہے کہ کن چیزوں کو خیر سمجھ کر اختیار کرنا ہے اور کن چیزوں کو شر ہونے کی بنیاد پر ترک کرنا ہے۔ (الشمس 8-7)

ترجمہ: "قسم ہے نفس کی اور اسے درست بنانے کی۔ پھر سمجھ دی اسکو بدکاری اور پرہیزگاری (بچ کر چلنے) کی"۔

اسی ہدایت کا نتیجہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان تمام تر انحرافات کے باوجود ایک برتر ہستی کا اعتراف کرتے اور کسی نہ کسی اخلاقیات کی پیروی ضرور کرتے ہیں۔ لیکن فطرت کی یہ پکار چونکہ خاموش ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے انسانوں کی ہدایت کے لیے ایک زیادہ محکم اور واضح اہتمام بھی کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بعض انسانوں کو منصب نبوت پر فائز کیا اور انسانیت تک اپنا پیغام پہنچایا اور پھر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے آخری درجہ میں اپنی ہدایت کے سچا ہونے کا ثبوت پیش کر دیا مگر چونکہ آپ خاتم النبیین ﷺ خاتم الانبیاء اور خاتم المرسلین بھی ہیں اس لیے آپ خاتم النبیین ﷺ کے ذریعے سے رونما ہونے والے تمام واقعات کو اپنی لائی ہوئی کتاب قرآن اور حدیث کے صفحات دونوں میں قیامت تک کے لیے رقم کر دیئے۔ ختم نبوت کے بعد اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم آپ خاتم النبیین ﷺ کی سچائی کے ثبوت کو دنیا کے سامنے پیش کریں اب یہی اجتماعی اور انفرادی طور پر ہم سب کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔

ہوا تمام مخلوقات کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک غیر معمولی نعمت ہے۔ مگر جب یہ ہوا تیزی سے چلنا شروع کر دے اور آندھی کی شکل اختیار کر لے تو ایک عظیم قدرتی آفت میں تبدیل ہو جاتی ہے اس کی طاقت کے آگے تمام مخلوقات بے بس ہو جاتی ہیں۔ یہ آندھی انسانوں کو پناہ گاہوں میں چھپنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ بڑے بڑے قد آور درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکتی ہے۔ سب سے بڑھ کر اس آندھی سے وہ پرندے متاثر ہوتے ہیں جو عام حالات میں ہوا کے دوش پر پر پھیلائے اڑتے پھرتے ہیں۔ مگر آندھی کے بعد یہی ہوا ان کے لیے وبال جان بن جاتی ہے جن لوگوں نے کبھی آندھی کو آتے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ کس طرح ہوا کی تیز وتند یلغار ان پرندوں کو بے کسی کی ساتھ گھسیٹتی ہوئی لے جاتی ہے اور آ کر کسی پتھریلی رکاوٹ سے ٹکرا دیتی ہے۔

تاہم پرندوں میں ایک پرندہ ایسا بھی ہے جسے یہ تیز وتند آندھی بے بس کرنے کے بجائے مزید بلند کرنے کا سبب بن جاتی ہے یہ پرندہ عقاب ہے۔ دیگر پرندوں کی طرح عقاب بھی اتنا طاقتور نہیں کہ آندھی جیسی عظیم قدرتی آفت کا مقابلہ کر سکے۔ مگر عقاب میں اللہ تعالیٰ کے طرف سے ایک صفت یہ ہے کہ یہ آندھی سے پہلے آنے والے سکوت کو محسوس کر لیتا ہے۔ یہ قدرت کا ایک قانون ہے کہ آندھی آنے سے پہلے ہوا بند ہو جاتی ہے اور ایک گھمبیر خاموشی چھا جاتی ہے۔ عقاب اس اشارے کو سمجھ کر بلندی کی طرف پرواز کر جاتا ہے۔ پھر ہوا کے تیز وتند جھکڑ چلنا شروع ہو جاتے ہیں مگر ان کا زور سطح زمین کی طرف زیادہ ہوتا ہے اور بلندی پر کم ہوتا ہے۔ عقاب اس نسبتاً کمزور ہوا میں اپنے پر پھیلا دیتا ہے اور پھر یہ ہوا اسے بلند تر کرتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بلندی کے اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں وہ تیز ہواؤں کی دسترس سے نکل جاتا ہے اور پھر اپنی مرضی کے مطابق اڑنا شروع کر دیتا ہے۔ عقاب اور دوسرے پرندوں میں یہ فرق نہیں کہ دیگر پرندے آندھی کی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور عقاب کر سکتا ہے اصل فرق یہ ہے کہ عقاب کو فطرت کی طرف سے پیش بینی کی وہ صلاحیت نصیب ہے جس کی بنا پر وہ تند و تیز آندھی کے آنے سے قبل ہی اس کی زد سے نکل جاتا ہے اور قابل برداشت ہوا کو استعمال کر کے بلند تر ہو جاتا ہے۔

انسان بھی مصائب اور حوادث کی آندھی کے مقابلے میں اتنا ہی کمزور ہوتا ہے کہ جتنا کہ ایک عام پرندہ۔ لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیش بینی کی ایک غیر معمولی صلاحیت دی ہے جس کے مدد سے انسان اگر چاہے تو اپنے کل کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس کے پاس مصائب سے بچنے کا نقشہ موجود ہے یعنی قرآن مجید۔ موت، بیماری، حادثات اپنی اور بچوں کی آنے والی ضروریات کو اور جوانی اور پھر آخرت کو کوئی بھی انسان زندگی سے نکال تو نہیں سکتا۔ مگر ان کا ایک عمومی اندازہ ضرور قائم کر سکتا ہے اور پھر اس بنا پر انسان کچھ نہ کچھ تیاری کر سکتا ہے۔ مثلاً انسان اپنی غذا کو بہتر بنا سکتا ہے تا کہ بیماریوں سے محفوظ رہے، بچوں کے مستقبل کے لیے بہتر تعلیم کا بندوبست کرتا ہے۔ حادثات و بیماری کے لیے رقم پس انداز کرتا ہے۔ نقشہ کی مدد سے آخرت کی بلندیوں کی نشاندہی کر سکتا ہے انسان کے لیے مصائب کی آندھی سے قبل اگر وہ راستہ درست ہے جو عقاب اختیار کرتا ہے تو اس آندھی

کے آجانے کے بعد بھی وہی راستہ درست ہے جو عقاب کا ہے۔یعنی ہوا کا مقابلہ کرنے کے بجائے اپنے پر پھیلا کر خود کو اس کے حوالے کر دینا۔

یعنی حالات جو رخ اختیار کریں ان میں ممکنہ حد تک کوشش کرنے کے ساتھ اپنے معاملات کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا اس عمل کے نتیجے میں انسان ہمیشہ پر سکون رہتا ہے۔اس کا نقصان کم ہوتا ہے۔اور پھر قدرت اپنے قانون کے تحت اس نقصان کی کسی نہ کسی طور پر تلافی کر دیتی ہے۔قرآن ہمیں مصائب میں ہمت اور صبر کی تلقین کرتا ہے جس کے برعکس پریشان ہونے کا راستہ انسان کو نہ تو کچھ کرنے دیتا ہے بلکہ مزید مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے۔پیش بینی اور صبر کے ساتھ اچھے حالات کا انتظار کرنا، انسان کی اعلیٰ ترین خصلت میں سے ہے۔یہ صفات نہ صرف زندگی کی مشکلات سے انسان کو بچاتی ہیں بلکہ مشکلات آنے پر بھی انسان کو ثابت قدم رکھتی ہیں۔ایک اچھا مومن حق کو سمجھنے کے بعد اسے فوراً دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے وہ بلا شبہ زبردستی دوسروں کے سر پر سوار نہیں ہوتا۔وہ ہر وقت انہیں بات سنانے کی کوشش نہیں کرتا۔وہ ان کی مصروفیات اور دلچسپی کی چیزوں میں مخل نہیں ہوتا۔وہ جا بجا لوگوں کے سامنے وعظ و تقریر نہیں کرتا لیکن وہ اپنا عملی نمونہ پیش کرتا ہے اور بات سنانے کا کوئی موقع خالی نہیں جانے دیتا۔وہ حکمت کے ساتھ ہمیشہ اپنی بات لوگوں تک پہنچانے کے لیے مستعد رہتا ہے۔یہی ایک سچے مومن کی پہچان ہے۔بہترین دعوت تبلیغ کرنے والا ہی بہترین داعی ہوتا ہے جو زندگی میں ہر موقع پر لوگوں کی مدد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔مثلاً کسی کا کام اپنا ذاتی کام سمجھ کر کر دیا۔کسی کی مالی مدد کر دی، کسی کو سواری پیش کر دی وغیرہ۔ایسے تمام مواقع پر لوگوں کے دل میں ان کے لیے ایک نرم گوشہ پیدا ہو جاتا ہے لوگ دل کی گہرائیوں سے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔یہ شکریہ سن کر وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ ''بھلائی جو میں نے آپ کے ساتھ کی ہے ایک قرض ہے یہ قرض اس وقت ادا ہوگا جب آپ کسی اور کے ساتھ ایسی ہی کوئی چھوٹی بڑی بھلائی کر دیں۔الحمد اللہ کہ مالک نے مجھے آپ کے ساتھ ہمدردی کے لیے بھیجا''۔بلا شبہ یہ عمل ایک بہترین داعی کی نشانی ہے کیونکہ کسی نارمل آدمی کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنے محسن کی نصیحت کو بھول جائے۔انسان کی یہ نفسیات ہے کہ وہ آسانی کے وقت سرکش اور غافل بنا رہتا ہے مگر مشکل میں وہ اپنے جامے میں آجاتا ہے اس موقع پر کی گئی کوئی نصیحت خاص کر وہ اپنے محسن کی طرف سے کی جا رہی ہو۔انسان کی یادداشت کا حصہ بن جاتی ہے۔پھر جب کوئی مصیبت زدہ یا ضرورت منداس کے سامنے آئے گا تو بحر حال اسے یاد آجائے گا کہ کبھی کسی مہربان نے اس پر احسان کر کے بدلہ چاہنے کی بجائے اسے دوسرے سے بھلائی کی نصیحت کی تھی۔پھر چراغ کو چراغ جلائے گا اور پھر ان کا اندھیرا دور ہونا شروع ہو جائے گا۔یہی عمل ایمان کی جان ہے یہی دعوت کی وہ حکمت ہے جس کی آج سب سے بڑھ کر ضرورت ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک سورۃ النساء آیت 125 میں اپنا دوست قرار دیا ہے۔ان کی جتنی تعریف کی اور کسی کی کم ہی کی گئی ہے۔غالباً یہی سبب ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ سے صحابہ کرام ؓ نے جب درود پاک کے الفاظ سیکھنا چاہے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے انہیں درود ابراہیمی تعلیم فرمایا جس میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر اس طرح رحمت اور برکت کی دعا مانگی گئی ہے جس طرح حضرت ابراہیم پر رحمت اور برکت کی دعا کی گئی ہے۔قرآن پاک سورہ ھود آیت 75 میں ان کے متعلق یہ کہتا ہے کہ ''وہ بڑے نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے''۔یہ وہ موقع تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کی تھی۔یہ بدبخت قوم بدترین فحاشی میں مبتلا تھی اور اپنی بری عادات، اپنی بدبختی اور اپنے گھناؤنے جرم کی وجہ سے رحم و کرم کے ہر دروازے کو بند کر چکی تھی۔فرشتے اس قوم کو سزا دینے سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے اور انہیں حضرت اسحاق ؑ اور حضرت یعقوب ؑ کی خوشخبری دی تھی۔پھر قوم لوط کے عذاب کے فیصلے کے بارے میں بتایا۔اس وقت حضرت ابراہیم ؑ اس قوم کے لیے معافی کے درخواست گزار ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے اس قوم کے لیے معافی کی درخواست بڑے ہی اصرار سے بہت ہی موثر انداز میں کی۔بائبل میں اس اصرار کی تفصیل آئی ہے۔بائبل کے مطابق اس موقع پر آپ نے عرض کیا ''اے رب اگر قوم میں پچاس نیک لوگ ہیں تو ان کی وجہ سے قوم کو معاف کر دے، جواب ملتا ہے اس قوم میں پچاس نیکو کار بھی نہیں ہیں۔پھر وہ کہتے ہیں کہ ''اگر پینتالیس راست باز ہیں تو قوم کو معاف کر دے'' مگر جواب ملتا ہے کہ ''پینتالیس بھی نہیں ہیں''۔پھر وہ گنتی کم کرتے ہوئے دس آدمیوں تک آجاتے ہیں مگر ہر دفعہ ایک ہی جواب آتا ہے کہ اتنے لوگ بھی نہیں ہیں۔اس گفتگو میں جو چیز سب سے زیادہ پُر اثر ہے وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا انداز گفتگو ہے جو وہ پروردگار عالم کی بارگاہ میں اختیار کرتے ہیں ان کے الفاظ بائبل میں یوں نقل ہوتے ہیں۔

''میں نے خداوند سے بات کرنے کی جرات کی، اگرچہ میں راکھ اور خاک ہوں'' (پیدائش 20:18)

حضرت ابرہیم علیہ السلام کے یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گفتگو کرنے کا ادب کیا ہوتا ہے۔

ایمان جتنا قوی ہوگا ادب اتنا زیادہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ اس کائنات کے خالق اور مالک ہیں۔ان کی عظمت کا عالم یہ ہے کہ ان کی بادشاہی میں یہ ختم نہ ہونے والی کائنات ایک ذرے کی حیثیت نہیں رکھتی۔ان کی مرضی اور حکم کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں گر سکتا۔اُن کی ہیبت سے بڑے بڑے فرشتے لرزتے اور کانپتے ہیں۔وہ اگر اشارہ کر دیں تو ساری مخلوقات لمحہ بھر میں ختم ہو جائے۔ان کا کرم نہ ہو تو انسانیت بغیر ہوا اور پانی کے ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے۔آسمان و زمین کی ہر شے ہر لمحہ اُس کی حمد، تسبیح اور تعریف کرتی اور اُس

کی عظمت کے ترانے پڑھتی ہے۔آج ہر چند کہ اُس نے اپنے جلال پر غیب کا پردہ ڈال رکھا ہے مگر روزِ قیامت جب وہ یہ نقاب اتارے گا تو اس کے جلال کی تاب نہ لا کر یہ پہاڑ، سمندر، آسمان سب تباہ برباد ہو جائیں گے۔ایسی ہستی کے حضور گفتگو کا ادب وہی ہونا چاہیئے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار کیا۔یہی سارے انبیاء (ایمان والوں) کا طریقہ ہے۔اسی کا اظہار حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی دعاؤں سے ہوتا ہے۔جو مختلف کتب احادیث میں ملتی ہیں۔

تاہم حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ بہت بلند، بہت عظیم صاحب قدرت اور صاحب جلال ہے۔مگر اس کے ساتھ ہی وہ بے حد محبت کرنے والا بے حد رحم دل اور بے حد کریم بھی ہے۔وہ جس طرح مجرموں کو سزا دینے میں سخت ہے اسی طرح وہ اپنے محبت کرنے والوں اور اپنے فرمانبرداروں پر بے حد مہربان بھی ہے۔اس محبت اور مہربانی کا اندازہ اس تبصرے سے ہوتا ہے جو قرآن پاک نے قوم لوط پر عذاب کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی اوپر بیان کردہ گفتگو کے بارے میں کیا۔عدل کے تقاضوں کے مطابق قوم لوط کو معاف نہیں کیا جا سکتا تھا۔اس لیے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا۔مگر اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیمؑ کا ادب ایسا پسند آیا کہ حضرت ابراہیمؑ کے اصرار کو قرآن پاک سورہ ھود آیت نمبر 74 اور 75 میں یوں بیان کیا:

ترجمہ: ''ابراہیم ہم سے قوم کے بارے میں جھگڑنے لگا، وہ بڑا نرم دل اور رجوع کرنے والا تھا''۔

اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرنے کے پیرایہ بیان سے ابراہیمؑ کے لیے اللہ تعالیٰ کی جو محبت ٹپکتی ہے اس کا اندازہ کوئی صاحب دل ہی کر سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا یہ تبصرہ بتاتا ہے کہ جو شخص خود کو مٹا دے اللہ تعالیٰ اسے اٹھا کر عظمت کی آخری بلندیوں تک لے جاتا ہے۔وہ تو اللہ کے مقابلے میں خود کو راکھ کہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی اس عاجزی کی وجہ سے اسے اٹھا کر اس مقام پر لے جاتا ہے جہاں وہ اللہ کا دوست بن کر اس سے جھگڑا کرنے والا بن جاتا ہے۔وہ تو خود کو خاک کہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے وہ رحمتیں اور برکتیں عطا کرتا ہے جس کی خواہش درود ابراہیمی کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔یعنی جس کی تعلیم خود حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ہمیں دی ہے۔جس کی تفصیل قرآن پاک میں موجود ہے۔اب دیکھنا ہے کہ آج کے انسان کا مسئلہ کیا ہے؟

اس مسئلے کو اگر ایک جملے میں بیان کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ آج کے انسان نے ایمان کی قدر نہ جانی اور صراط مستقیم کھو دی ہے۔یہ مقصد زندگی اور ایمان کا مفہوم بھول گیا ہے۔اس طرح یہ زندگی کی شاہراہ پر بے مقصد گھوم رہا ہے۔اس نے قرآن پاک کے نقشے کو نظر انداز کر دیا ہے۔وہ گھوم رہا ہے اس آوارہ گرد کی طرح جس کی کوئی منزل نہیں ہوتی، جس کا کوئی گھر نہیں ہوتا، جس کا کوئی مقصد نہیں، انسان ایسا کیوں ہو گیا ہے؟ وہ ایمان کو فراموش کر بیٹھا ہے۔وہ بھول گیا ہے کہ میں نے اللہ سے کیا عہد کیا تھا؟۔اس نے اقرار کیا تھا کہ صرف اللہ ہی اس کا معبود ہے لیکن پھر اس نے اپنی زندگی کی کہانی کے آغاز اور انجام دونوں کو ہی فراموش کر دیا۔وہ اس کہانی کے صرف اس حصہ سے واقف ہے جو آج اس کے سامنے موجود ہے۔آج کے انسان کے سامنے صرف اور صرف یہ دنیا ہے۔اسی دنیا کی خوشیاں، اسی دنیا کے غم، اسی کی لذتیں، اسی کی تلخیاں، اسی کی آسائشیں، اسی کے مسائل، اس کی نعمتیں، اسی کی محرومیاں، اسی کا پانا اور اسی کا کھونا۔

سنی حکایت ہستی تو درمیان سے سنی
نہ ابتداء کی خبر ہے، نہ انتہا معلوم

قرآن پاک کو بھلا کر ایمان کو فراموش کر کے، اس کے نقشہ کو نظر انداز کر کے اور اس صراط مستقیم سے بھٹک کر انسان نہ دنیا میں بھیجنے والے رب کو یاد رکھتا ہے اور نہ ہی اس آخرت کو جس کی طرف اس نے ہر حال میں لوٹ کر جانا ہے۔آج دنیا پرستی کے فتنہ نے ہمیشہ سے بڑھ کر انسان کو اپنی منزل مقصود اور اس تک پہنچانے والی صراط مستقیم سے غافل کیا ہے۔حتیٰ کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو صراط مستقیم کا امین کہتے ہیں خود دنیا پرستی کے فتنہ کا شکار ہیں۔''مجھے پیسہ کمانا ہے تا کہ اچھا سا گھر بنا سکوں۔مجھے پیسہ کمانا ہے تا کہ اچھی جگہ میری شادی ہو جائے اور میرے بچے اچھی تعلیم حاصل کر سکیں۔تا کہ معاشرے میں مجھے باوقار مقام مل جائے، تا کہ میری اولاد کا مستقبل سنور جائے''۔یہ باتیں ہی آج ہمارے معاشرے کے ہر فرد کا نصب العین ہیں۔ان تمام چیزوں کے حصول کے لیے وہ ہر حد کو توڑ دیتا ہے۔ہر اصول کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ہر قدر کو پامال کر دیتا ہے۔اسے یہ یاد ہی نہیں ہوتا کہ ایک روز اسے مرنا ہے۔اس کی قبر اس کی منتظر ہے۔اسے حشر کے روز اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہے۔اسے اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔اور پھر زندگی میں کیئے گئے نیک و بد کا حساب دینا ہے جس کی جزا ابدی جنت ہو گی یا پھر خدانخواستہ جہنم۔**یاد رہے اس دنیا میں ہم ڈاکٹر ہیں، انجینئر ہیں، سائنس دان ہیں لیکن اگلی دنیا میں یا تو ہم جیتنے والے ہیں یا ہارنے والے۔** دنیا میں اپنی ضروریات، سہولیات اور آسائشوں کے لیے جدوجہد کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔جرم یہ ہے کہ انسان دنیا کے لیے کوشش کرتے وقت اپنی آخرت کو بھول جائے۔وہ اس کلام کو نظر انداز کر دے جو ہمیں ہمارا مقصد حیات واضح کرتا ہے اس کے مطابق صراط مستقیم کیا ہے؟۔ہم نے ایمان کا اقرار کن الفاظ میں کیا تھا؟ کیا ہم اپنے ایمان پر قائم ہیں؟ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ صراط مستقیم وہ راستہ ہے جس پر چل کر بندہ اپنے رب کی رضا اور جنت حاصل کر لیتا ہے۔اس سے مراد لغوی معنوں میں کوئی سیدھا راستہ

نہیں ہے۔ہم میں سے ہر شخص روزانہ باہر نکلتا ہے۔آفس، سکول، بازار اس نکلنے میں یہ نہیں ہوتا کہ ہم گھر سے نکلے اور ناک کی سیدھ میں مقرر جگہ پر پہنچ گئے۔ہمیں کئی موڑ مڑنے پڑتے ہیں۔نشیب وفراز عبور کرنے ہوتے ہیں۔بار ہا ہموار سڑک چھوڑ کرنا ہموار راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔اس لیے کہ ہر اچھا اور ہموار راستہ ہماری منزل کی طرف نہیں جاتا۔ جنت کے مسافر بھی اپنے صراط مستقیم پر ایسے سفر کرتے ہیں جب حلال وحرام کا کوئی موڑ آئے تو حرام کی تمام تر آسانی کے باوجود اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔خواہش وعریانی کی شاہراہ خواہ کتنی ہی حسین کیوں نہ ہو وہ اسے چھوڑ کر پرہیز گاری کی مشکل چڑھائی چڑھتے ہیں۔جنت کے مسافر راستے کی رنگینیوں میں الجھ کر کبھی اپنی منزل کھو یا نہیں کرتے۔وہ اپنے پاس رکھے ہوئے نقشہ کی پوری طرح پیروی کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ **''صراط مستقیم اپنے نفس کو پاکیزہ کرنے کا نام ہے''**۔نفس کی یہ پاکیزگی کسی کو غار میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔شاہراہ زندگی کو چھوڑ کر مسائل زندگی سے فرار اختیار کر کے یہ پاکیزگی حاصل نہیں ہوتی۔**یہ پاکیزگی زندگی میں پیش آنے والے اچھے برے حالات میں تقویٰ اختیار کرنے سے ملتی ہے۔**قرآن پاک ہی ہمیں بتاتا ہے کہ یہ پاکیزگی ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے جڑے رہنے سے ملتی ہے۔**پرہیز گاری ایمان پر قائم رہنے سے ملتی ہے۔**جب غصہ آتا ہو، جب حرص کا زور ہو، جب طمع کی بھٹی دہکے، جب ہوس کا غلبہ ہو، جب خواہش ناگ بن کر پھنکارے، جب شیطان اپنے لشکر سمیت دوڑ چڑھے تو جان لینا چاہئے کہ زندگی کے راستے پر کوئی موڑ آ گیا ہے۔اب فیصلہ کرنے کا وقت آ گیا ہے کہ جذبات کی پیروی کرنی ہے یا قرآن پاک کی بتائی ہوئی راہ کی؟۔ہوسکتا ہے یہ راہ مشکل ہو لیکن یہ بہت عارضی سی مشکل ہوگی۔پہلی صورت میں صراط مستقیم سے بھٹک جائیں گے اور دوسری صورت میں ہماری ابدی منزل اللہ کی جنت اور اللہ کی ذات ہمارے قریب آ جائے گی (ان شاءاللہ) **اس طرح صراط مستقیم جنت کے راستے کا نام ہے جنت سے قریب کر دینے والی ہر شے صراط مستقیم ہے۔زندگی کی ہر آزمائش میں جسے یہ بات یاد رہے کہ وہ مومن (ایمان والا) ہے وہ صراط مستقیم پر ہے** جسے یہ یاد نہ رہے وہ صراط مستقیم سے دور ہے۔اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کہ ایمان کی آزمائش کیسے ہوگی؟

قرآن پاک میں بار بار یہ بات بیان کی گئی ہے کہ ''جنت ایمان اور عمل صالح کا بدلہ ہے''۔

جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ کرام ؓ تک دین کی یہ دعوت پہنچائی تو اس کے جواب میں وہ ایمان لے آئے اور اپنی زندگی کو عمل صالح کے مطابق ڈھالنے لگے۔ آج بھی اگر کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرتا ہے تو ایمان اور عمل صالح کی شرط پوری کرنا اس کے لیے لازم ہوتا ہے۔لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوتے ہیں وہ ایمان کی شرط سے ہمیشہ خود کو مستثنیٰ (بالا) سمجھتے ہیں۔ان کے نزدیک ان کے ایمان کا مسئلہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مسلمان کے گھر میں پیدا کر کے خود ہی طے کر دیا۔

قرآن پاک کہتا ہے کہ **ایمان اللہ تعالیٰ کو اپنی عبادت، وفاداری دکھانے اور آخرت کی کامیابی کو اپنا مقصدِ زندگی بنا لینے کا نام ہے۔ان دونوں مقاصد کے حصول کے لیے صرف اور صرف حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے راستہ کو درست سمجھنا ایمان کا دوسرا بنیادی جز ہے۔**مگر بدقسمتی سے ہمارے ہاں کلمہ طیبہ کا زبانی ورد (زبان سے اقرار) ہی ایمان کا ہم معنی سمجھ لیا جاتا ہے یا بہت ہوا تو سابقہ اعمال سے توبہ کے بعد تجدید ایمان کا ایک تصور کہیں مل جاتا ہے۔ظاہر ہے یہ دونوں چیزیں ایمان سے متعلق تو ہیں لیکن اصل ایمان نہیں ہیں۔

اصل ایمان کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ صحابہ کرام ؓ کو سامنے رکھا جائے۔صحابہ کرام ؓ ایک ایسی سوسائٹی کے فرد تھے جہاں مذہب کے نام پر ایک عقیدہ موجود تھا۔ اس عقیدہ سے وابستہ مذہبی لوگ کوئی اور نہیں حرم پاک کے متولی اور اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے تھے۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے تیرہ برس تک ان لوگوں کے سامنے ایمان کی دعوت رکھی۔دلائل کی بنیاد پر ثابت کیا کہ ان کی عبادت، محبت اور وفاداری کا تنہا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے میرے طریقے کی پیروی کریں گے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے حق دار ہوں گے۔صحابہ کرام ؓ نے اس دعوت کو قبول کیا اور پھر ہر طرح کی قربانی دے کر اسلام کو اختیار کیا۔صحابہ کرام ؓ کی یہ مثال بتاتی ہے کہ **ایمان اصل میں ایک فکری دریافت ہے۔یہ خدا کی بڑائی میں جینے کا نام ہے۔یہ پیغمبروں کو اپنا راہ نما سمجھنے کا نام ہے۔عمل صالح اگر عمل کی آزمائش ہے تو ایمان فکر کی آزمائش ہے۔جنت اگر عمل صالح کے بغیر نہیں مل سکتی تو ایمان بھی خدا کی بڑائی میں جینے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے بغیر ناممکن ہے۔**اس میں کامیابی کا طریقہ بھی وہی ہے جو صحابہ کرام ؓ کا تھا۔یعنی اپنی ہر وفاداری کا رخ اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی طرف کر لیا جائے۔مسلمان اہل علم کو اپنا راہنما سمجھا جائے۔یہی وہ طریقہ ہے جو قیامت کے دن ہمارے ایمان کا سب سے بڑا ثبوت بن جائے گا۔یہی وہ ایمان ہے جو ہمارے معمولی اعمال کو بھی اللہ کی نظر میں بہت قیمتی کر دے گا۔**کلمہ پڑھ لینا حقیقی ایمان نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے احساس کا وجود پر طاری ہو جانا، اصل ایمان ہے اور حقیقی ایمان اللہ تعالیٰ کی حضوری میں ہر وقت جینے کا نام ہے۔**اور ایسے ہی اللہ کی یاد میں جینے والے مومنین ہیں جنہیں عنقریب اللہ کے پڑوس میں بسا دیا جائے گا۔

جنت کا حقیقی مستحق وہ ہے جو قربانی کے درجے میں اس کا طلب گار بنے۔افسوس آج کا مسلمان تو خواہش کے درجے میں بھی اس کا طلب گار نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی ایمان سے بہرہ ور کر دے۔(آمین ثمہ آمین)

شعبہ الایمان

حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں کہ ’’ایمان کے کچھ اوپر ستر شعبے اور شاخیں ہیں جن میں سے اعلیٰ ترین شعبہ لا الہ الا اللہ کہنا اور پڑھنا اور ادنیٰ شعبہ راستے سے ایذادہ چیزوں کا ہٹادینا، تکلیف دہ چیزوں کو دور کردینا ہے تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو اور فرمایا حیاء ایمان کا ایک بہت بڑا شعبہ ہے‘‘۔(بخاری شریف)

یہ حدیث کا تقریباً لفظی ترجمہ ہے۔ اس میں ایمان کے شعبے اور اس کی شاخیں بیان کی گئی ہیں پہلے اس کی ضرورت ہے کہ خود ایمان کی حقیقت سامنے آئے تاکہ اس کے شعبوں کو اور اس کی شاخوں کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔

ایمان کی دو بنیادیں

ایمان کی دو بنیادیں ہیں:

(1) اللہ کے اوامر (حکم) اور اس کے قانون کی عظمت وتعظیم کرنا (2) اس کی مخلوق پر شفقت کرنا اور ان کی خدمت کرنا

یہ ایمان کے اجزاء یا اس کے بنیادی شعبے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی اپنے پروردگار کی طرف دوڑے، اسی کی طرف جانے کی کوشش کرے۔ اس کی عظمت وتعظیم کے حقوق بجالائے۔ دوسرے کا حاصل یہ ہے کہ اس کی مخلوق کی خدمت کا حق بجالائے۔ اگر ایک شخص اللہ کی طرف دوڑتا ہے لیکن مخلوق کو ستاتا اور ایذارسانی کرتا ہے اس شخص کو ضعیف الایمان کہا جائے گا اس کا ایمان کمزور ہوتا ہے۔ ایک طرف دوسرا شخص ہے جو دن رات قومی خدمات میں لگا ہوا ہے، ہروقت اس کا اوڑھنا اور بچھونا قوم کی خدمت ہے لیکن اللہ کی طرف رجوع نہیں ہے، نہ عبادت ہے، نہ اطاعت ہے ایسا شخص ناقص الایمان ہے۔

کامل الایمان والا وہی شخص سمجھا جائے گا کہ ایک طرف اللہ کی طرف جھکا ہوا اور دوسری جانب مخلوق کی طرف رجوع کیے ہوئے ہو جیسا کہ انبیاء کرام علیہ السلام کی شان ہے کہ ہمہ وقت رجوع الی اللہ بھی ہے اور ہمہ وقت خدمت خلق اللہ بھی ہے۔ نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ کی شان مبارک فرمائی گئی کہ **کان یذکر اللہ علی کل احیانہ** ’’حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ کا کوئی لمحہ ذکر اللہ اور یاد خداوندی سے فارغ نہیں تھا۔ اٹھتے بیٹھتے ہوئے جاگتے، چلتے پھرتے حتیٰ کہ گھر میں رہتے ہوئے بیویوں کے پاس جاتے ہوئے بھی کوئی لمحہ فارغ نہیں تھا کہ ذکر اللہ آپ خاتم النبیین ﷺ سے صادر نہ ہوتا ہو۔ زبان مبارک، قلب مبارک اور عمل مبارک سے غرض یاد خداوندی ہر وقت ہر لمحے ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ مخلوق کی تربیت وتعلیم ان کی راہنمائی اور ہدایت سے کوئی لمحہ فارغ نہیں تھا۔ تو آپ خاتم النبیین ﷺ کی پوری عمر شریف رجوع الیٰ اللہ کیے ہوئے ہے لیکن اللہ کی طرف رجوع کرنا مخلوق کی خدمت سے غافل نہیں بناتا۔ اسی طرح ہر آن مخلوق کی خدمت میں منہمک ہیں اور یہ خدمت رجوع الیٰ اللہ سے غافل نہیں کرسکتی یہی دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی تھیں۔

اللہ نے اپنے قانون کو حجت وبرہان اور بصیرت سے منوایا ہے۔

اللہ کے اوامر کی تعظیم کرنا یہ ایمان کا جز اول تھا مگر یہ قدرتی بات ہے کہ کسی قانون کی عظمت تب ہوتی ہے جب قانون ساز کی عظمت دل میں ہو۔ اگر قانون بنانے والا یا قانون چلانے والا اس کی دل میں کوئی عظمت نہ ہو۔ بلکہ اس کی حقارت دل میں بیٹھی ہوئی ہو تو قانون کی عظمت بھی دل میں نہیں ہوسکتی اگر قانون بنانے والے کی عظمت دل میں نہ ہو تو پھر قانون دباؤ اور مجبوری کا رہ جاتا ہے۔ دلی شغف کے بغیر آدمی قانون پر نہیں چل سکتا۔ شریعت اسلام کے قانون کو اللہ نے اس طرح نہیں بھیجا کہ دباؤ ڈال کر منوایا ہو۔ پہلے مالک سے محبت پیدا کی گئی ہے۔ اس محبت کے ذیل میں قانون سے خود بخود محبت پیدا ہوجاتی ہے۔ آدمی قانون شریعت پر اپنے دل کی محبت، رضا اور شغف سے چلتا ہے، دباؤ سے نہیں چلتا۔ یہ نہیں ہوا کہ تلوار کا دباؤ ڈالا اور مجبور ومقہور کردیا ہو بلکہ حجتیں پیش کیں کہ دلائل سے سمجھو، بصیرت سے سمجھو، جب شرح صدر ہوجائے قبول کرو، ورنہ چھوڑ دو، صحابہ کرامؓ کی شان فرمائی گئی۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ (سورۃ الفرقان۔ آیت نمبر 73)

ترجمہ: ’’جب اللہ کی آیتیں ان کے سامنے پیش کی جاتی تھیں، تو وہ اندھوں اور بہروں کی طرح نہیں گرتے تھے" بلکہ بینا وشنوا ہو کر سوچ سمجھ کر بصیرت کے ساتھ قبول کرتے تھے۔

اسی طرح نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی شان فرمائی گئی:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (سورۃ یوسف۔ آیت نمبر 108)

ترجمہ:'' آپ (ﷺ) کہہ دیجئے یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں اور میرا اتباع کرنے والے اس دین پر بصیرت اور شرح صدر کے ساتھ قائم ہیں اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں نہیں" کسی دباؤ یا مجبوری سے نہیں بلکہ دل کی لگن سے قائم ہیں تو شریعت اسلام نے بصیرت پیدا کرنی چاہی ہے۔قرآن کریم نے جہاں جہاں اللہ کا وجود اس کی توحید اس کی صفات منوائی ہیں۔ وہاں دلائل دیئے ہیں انفسی دلائل بھی، آفاقی دلائل بھی کہ اپنے نفسوں میں غور کرو تو تمہیں اللہ کے وجود کی حجتیں ملیں گیں۔ کائنات میں غور کرو تو اس کے وجود اور اس کی یکتائی کے دلائل ملیں گے کہیں پہاڑوں کو، کہیں دریاؤں کو، کہیں ہواؤں کے لوٹ پھیر کو پیش کیا کہیں سورج کی حرکت کو پیش کیا کہ ان تمام تغیرات کو دیکھو۔ سورج کتنا بڑا عظیم کرہ ہے۔آجکل کے فلاسفر کا یہ دعویٰ ہے کہ زمین سے سورج گیارہ کروڑ گنا بڑا ہے، گویا سورج میں سے گیارہ کروڑ زمینیں بن سکتی ہیں۔اتنا بڑا سیارہ اور چوبیس گھنٹے میں لاکھوں میل کی حرکت کرتا ہے تو اتنا بڑا کرہ اور غلاموں کی طرح سے چکر کھا رہا ہے۔اس کے اوپر کوئی بڑی طاقت ہے۔اس نے اسے چکر میں ڈال رکھا ہے۔اس لیے سورج کو دیکھ کر رب تعالیٰ کی ذات عالی کو پہچانو۔اگر زمین حرکت کر رہی ہے جیسا کہ آج کے فلاسفر (سائنس) کا دعویٰ ہے تو یہ عظیم کرہ جس میں عربوں کھربوں مخلوق آباد ہے۔اس کو کس نے چکر میں ڈال رکھا ہے؟ کس نے گھمار کھا ہے؟

لَا الشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَهَاۤ اَنۡ تُدۡرِكَ الۡقَمَرَ وَ لَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ (سورۃ یاسین آیت نمبر 40)

ترجمہ: ''سورج کی یہ مجال نہیں کہ چاند کو جا پکڑے، رات کی یہ مجال نہیں ہے کہ دن کو نہ آنے دے، خود چھا جائے''۔

اپنے وقت پر دن، اپنے وقت پر رات آتی رہی ہے۔ یہ محکم نظام کسی انجان کا قائم کیا ہوا نہیں بلکہ دانا اور بینا کا قائم کیا ہوا ہے۔ایسے دانا اور حکمت والے کا قائم کیا ہوا ہے۔جس کی حکمت لامحدود ہے جس کے کمالات لامحدود ہیں۔موسم اپنے اپنے وقت پر آرہے ہیں۔گرمی اپنے وقت پر آتی ہے۔ایک سیکنڈ نہیں رک سکتی، سردی، برسات اپنے اپنے وقت پر آتی ہے۔سبزیوں کا جو نظام بنا دیا ہے۔اپنے وقت پر بیج زمین سے اپنا سر نکالتا ہے۔تناور درخت بنتا ہے، درخت کی جو بنیاد اور عمر ہے وہ مقررہ اور لکھی ہوئی ہے اتنا پاکیزہ اور اعلیٰ ترین محکم نظام بغیر کسی حکمت والے کے ممکن نہیں ہے۔غرض قرآن کریم نے جہاں بھی اللہ کے وجود اور یکتائی کو منوایا وہاں یہ نہیں کہا کہ تم مجبور ہو، ماننا پڑے گا ورنہ جہنم میں جاؤ گے بلکہ دلائل وحجتیں پیش کیں کہ ان کو سوچو اور سمجھو۔

عقل وبصیرت کے ساتھ کئے ہوئے عمل سے ہی درجات بلند ہوتے ہیں

عقل کی فضیلتیں الگ بیان کیں، حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ! دو شخص یکساں قسم کا عمل کریں، اتنی ہی نمازیں وہ پڑھتا ہے اتنی ہی یہ، اتنا ہی ذکر وہ کر رہا ہے، اتنا ہی یہ۔لیکن روز قیامت ایک کے درجات زیادہ بلند ہوں گے، ایک نیچے رہ جائے گا حالانکہ عمل کی تعداد دونوں کی برابر ہے۔فرق کی وجہ کیا ہے؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"فرق کی وجہ عقل ہے جو عقل اور بصیرت سے عمل کرتا ہے اس کے مدارج بلند ہوتے ہیں۔ جو بے بصیرتی سے عمل کرتا ہے وہ نجات پالے گا لیکن اس کے لیے درجات کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوگا" تو عقل کو (بلندی درجات کیلئے) معیار قرار دیا۔اسی کو فرمایا۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۚ (سورۃ العمران آیت نمبر 190)

ترجمہ:" آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں، رات اور دن کے لوٹنے پھیرنے میں قدرت کی نشانیاں ہیں عقل والوں کیلئے" جو تدبر کے ساتھ غور وفکر کرتے ہیں جو صرف پیشانی کی آنکھ سے دیکھنے کے عادی ہیں ان کیلئے کوئی نشانی نہیں ہے۔ جو پیشانی کی آنکھ سے دیکھنے کے بعد دل کی آنکھ سے بھی دیکھیں اور تدبر کریں، ان کے سامنے اللہ کی قدرت کی نشانیاں کھلیں گی۔

شریعت اسلامی کی نظر میں عقلمند کون ہیں؟ اور عقل مند کون ہیں؟ آگے ان کی تفصیل فرمائی:

اَلَّذِیۡنَ یَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَ یَتَفَكَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ (سورۃ العمران آیت نمبر 191)

ترجمہ:''عقل مند وہ ہے جو اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اللہ کے **ذکر** میں منہمک ہیں اور ہر وقت آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں **فکر** کرتے رہتے ہیں" تو جن کے دل میں ذکر اور فکر دونوں ہوں وہ عقلمند ہیں۔فقط ذاکر کو بھی عقل مند نہیں کہا گیا''۔

فقط متفکر کو بھی عقلمند نہیں کہا گیا۔اگر محض فکر ہی فکر ہے ذکر اللہ نہیں تو وہ فلسفی ہے اور اگر محض ذکر ہی ہے فکر نہیں ہے تو وہ زاہد ہے۔دونوں چیزیں جمع ہوں کہ ذاکر بھی اور متفکر بھی تو اس کو شریعت کی اصطلاح میں عقلمند کہا گیا ہے۔اسی پر اللہ کی قدرت کی نشانیاں کھلتی ہیں۔قرآن کریم نے کوئی دباؤ ڈال کر نہیں منوایا۔ چونکہ اللہ کا حکم ہے لہٰذا مانو! حالانکہ یہ فرمانے کا حق تھا کہ اللہ کا حکم آگیا ہے تو ماننا پڑے گا لیکن وہ کہتے ہیں کہ تم اللہ کے وجود کو دلائل سے سمجھو اس کے قانون کو بھی بصیرت سے سمجھو، سوچ سمجھ کر قبول کرو۔اندھوں بہروں کی طرح سے

قبول نہ کرو۔عقل کو آزاد چھوڑا ہے کہ وہ فکر کرے۔شریعت اسلام نے جمود نہیں بتلایا۔حاصل اس کا یہ نکلا کہ کوئی دباؤ ڈالنا مقصود نہیں ہے بلکہ ذکر اور فکر کرانا مقصود ہے۔

مدارِ نجات اللہ کا فضل ہے

اور زیادہ ذکر کون کرتا ہے؟ ''من احب شیأ اکثر ذکرہ'' ''جس شخص کو جس سے محبت ہوتی ہے اس چیز کو کثرت سے یاد کرتا ہے'' اللہ سے جب محبت ہوگی اس کی یاد بھی بڑھے گی اس کا فکر بھی بڑھے گا، رات دن غور بھی کرے گا تو اصل چیز محبت بھی ہوگی ان کے قوانین کی عظمت بھی ہوگی اور التعظیم امر اللہ ''اللہ کے حکم کی تعظیم'' جو ایمان کا ایک بڑا اجز ہے وہ ثابت ہو جائے گا تو پہلی بات یہ ہے کہ اللہ کے اوامر کی (احکامات) تعظیم ہو اور اوامر (حکم) کی عظمت اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک دل میں اللہ کی عظمت نہ بھری ہوئی ہو۔

بڑائی اور عظمت خداوندی وہ ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے اگر اتفاقاً گناہ بھی سرزد ہو جائے، فرماتے ہیں ''پرواہ مت کرو سچی توبہ کرلو اور اگر خدانخواستہ توبہ بھی نہ ہوئی، اس کے لئے فرماتے ہیں ان الحسنت یذھبن السیت ''نیکیاں خود بدیوں کو مٹا دیں گی، عمل صالح اور نیکی کے اندر لگے رہو تو عمل صالح میں لگا یا گیا تا کہ بدیاں بھی مٹ جائیں اور اگر اس کے باوجود بھی بدیاں سرزد ہوں تو دل کے اندر حق تعالیٰ کی عظمت ضرور رکھو۔اس کا یہ مطلب نہ سمجھو کہ آج سے آدمی بدیوں پر جرات کرنے لگے کہ بس میں دل کے اندر اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت رکھتا ہوں لہٰذا اب میں آزاد ہوں، میں جو چاہوں کروں، جو بدی کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے قلب کے اندر محبت کی کمی ہے پوری محبت ہے ہی نہیں جس کے قلب میں محبت رچی ہوئی ہوگی وہ بدی سے خود بخود بچے گا یہ ایسا ہی ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''کچھ لوگ ان گناہوں کی وجہ سے جو انہوں نے کیے ہوں گے بطورِ سزا آگ انہیں جھلس دے گی، پھر اللہ اپنے فضل و رحمت سے انہیں جنت میں داخل فرمائے گا، انہیں جہنمی کہا جائے گا۔'' (مشکوۃ المصابیح)

اس پر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا و لا انت یا رسول اللہ؟

ترجمہ: ''یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ! کیا آپ کی نجات بھی اللہ ہی کے فضل سے ہوگی؟'' فرمایا ''میری نجات بھی اللہ ہی کہ فضل سے ہوگی'' اگر فضل متوجہ نہ ہو تو میری بھی نجات کی کوئی صورت نہیں ہے۔جب تک اللہ ہی اپنی رحمت اور فضل نہ کرے اس کے بغیر نجات کی کوئی صورت نہیں ہے"۔

عمل بھی ضروری ہے یہ بھی ہمیں نہیں سمجھنا چاہیے کہ بس فضل کے اوپر آدمی بیٹھا رہے اور یوں کہے کہ فضل ہوگا، نجات ہو جائے گی۔پھر عمل کرنے کی کیا ضرورت؟ عمل کرنا، اس کی دلیل ہے کہ فضل متوجہ ہو چکا ہے۔اگر عمل نہیں کر رہا تو اس کے معنی ہیں کہ اس کے اوپر فضل نہیں ہو رہا۔تو عمل، فضل کی علامت ہے کوئی بیکار چیز نہیں ہے۔بہرحال عمل کروانا اور عمل قبول کرلینا یہ بھی فضل کی دلیل ہے۔اس عمل سے نجات کا ثمرہ مرتب کرنا یہ بھی فضل کی دلیل ہے۔اوّل سے آخر تک فضل خداوندی سے کام چلے گا۔محض ہمارے اعمال کہ ہم ان پر فخر کریں یہ اس درجے کے نہیں ہیں جو ہمیں نجات دلاسکیں لیکن جب تک کہ اللہ کا فضل متوجہ نہ ہو۔

اسلام میں اعتراف عجز، روح عبادت ہے

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی عمل کتنا ہی کرے۔اللہ کا حق ادا نہیں کرسکتا۔اس واسطے کے انعامات لامحدود ہیں اور ہمارا عمل محدود ہوگا ہم خود، ہماری طاقت، ہمارا دماغ، عقل و قوت بھی محدود ہے عمل جتنا کریں گے وہ ایک حد کے اندر ہوگا اور اللہ کی رحمتوں کی کوئی حد نہیں ہے۔بارش کی طرح سے رحمتیں برس رہی ہیں۔ان رحمتوں کا حق ادا کرنا حقیقت میں ہمارے بس کی بات ہے بھی نہیں، ناممکن ہے۔بس یہی صورت ہے کہ عمل کرکے آدمی یوں کہے۔حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔اور عاجزی سے کہے ''اے اللہ مجھ سے کچھ نہیں بن پڑا''، یہ اپنے عجز کا اعتراف کرلینا یہی حق کی ادائیگی ہے ورنہ حقیقی معنی میں اللہ کے حق کو کون ادا کرسکتا ہے؟

حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمایا گیا: ''اے داؤد! شکر ادا کرو''۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے کلام کو سب سے زیادہ سمجھنے والے حضرات انبیاء علیم السلام ہی ہوتے ہیں۔داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ جب شکر کرنے کا آپ کا حکم ہے تو میرا فرض ہے کہ میں شکر ادا کروں گا مگر حیران ہوں کہ ادا کروں تو کس طرح کروں؟ اس لیے کہ جب شکر ادا کرنے بیٹھوں گا، اس شکر کی توفیق بھی تو آپ ہی دیں گے تو یہ توفیق خود ایک نعمت ہوگی۔اس پر مجھے شکر ادا کرنا چاہیے اور جب اس پر شکر ادا کروں گا اس شکر کی توفیق بھی آپ ہی دیں گے۔تو پھر یہ ایک نعمت اور آگئی تو پھر اس پر شکر ادا کرنا چاہیے گویا ہر شکر سے پہلے ایک شکر نکلتا ہے تو میں شکر کی ابتداء کیسے کروں؟ شکر کو انجام کیسے دوں؟ سوائے اس کے کہ اپنے عجز کا اعتراف کروں کہ میں آپ کا شکر ادا کرنے سے عاجز ہوں''۔حق تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا:

''اے داؤد! تم نے اگر یہ سمجھ لیا کہ تم ہمارے شکرادا کرنے سے عاجز ہو یہی ہمارے شکر کی ادائیگی ہے۔اپنی ہار مان لو اور اپنے عجز کو تسلیم کرو۔یہ تمہاری طرف سے ادائیگی شکر ہوگا۔''

جناب رسول خاتم النبیین ﷺ جو سید الشاکرین ہیں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ سے بڑھ کر اللہ کا کوئی بندہ شکر گزار نہیں ہے-آپ خاتم النبیین ﷺ خود فرماتے ہیں کہ **اللھم لا احصی ثنائً علیک** '' اے اللہ میرے بس میں نہیں ہے کہ تیری ثناء اور صفت بیان کرسکوں اور تیرا شکر ادا کرسکوں'' - (ابوداؤد حدیث 1823)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: **انت کما اثنیت علی نفسک ترجمہ:** ''بس اس سے سوا کیا کہوں تو ویسا ہی ہے جیسے تو نے خود تعریف کی ہے'' (ابوداؤد، مسلم ترمذی) یعنی میری تعریف سے تو بالاتر ہے۔میرے قبضے میں نہیں ہے کہ تیری تعریف کرسکوں۔اس عجز کے اعتراف کو بھی حق تعالیٰ نے شکر قرار دیا ہے کہ یہی میرا شکر ہے اس لیے کہ حق ادا کرنا بندے کے بس میں نہیں ہے تو اعمال بھی ہمارے ناقص اور نکمے، شکر کی ادائیگی سے بھی ہم عاجز، پھر سوائے اعتراف عجز کے اور کیا صورت ہے؟ اس کا نام اللہ نے شکر اور عبادت رکھ دیا کہ کرو اور کرنے کے بعد کہو کہ ہم سے کچھ نہ ہوسکا۔ملائکہ علیہم السلام جو ہزار ہا ہزار برس سے عبادت میں لگے ہوئے ہیں کہ ان میں اربوں کھربوں ملائکہ ایسے ہیں کہ جب سے پیدا ہوئے وہ سجدے ہی میں ہیں، کچھ رکوع ہی میں ہیں اور بعض تسبیح وتہلیل میں مصروف ہیں۔حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ:

''ساتویں آسمان پر ملائکہ کا قبلہ ہے جس کو بیت المعمور کہتے ہیں۔روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں اور فرمایا جو ستر ہزار آج طواف کریں گے، اب ابدالآباد تک انہیں پھر نوبت نہیں آئے گی اگلے دن پھر نئے ستر ہزار اور پھر نئے تو کروڑوں، کھربوں ملائکہ ہیں جو طواف میں مشغول ہیں۔اسی طرح اربوں کھربوں جو صف بندی کیے ہوئے تسبیح تہلیل میں ہیں اتنی لاکھوں برس کی عبادت کے بعد ملائکہ قیامت کے دن عرض کریں گے۔

ما عبدناک حق عبادت و ما عرفناک حق معرفتک

ترجمہ: اے اللہ! ہم نہ تیری عبادت کا حق ادا کرسکے، نہ ہم تیری معرفت پوری کرسکے تو ہماری عبادتوں سے بالاتر ہے''-(بیہقی، شعب الایمان)

یہ ان کا اعتراف عجز یہی حقیقت میں ان کی عبادت ہے تو عبادت گزار کا کام یہ ہے کہ اپنے عجز کا اعتراف کرے کہ مجھ سے کچھ نہیں بن سکا۔یہ تواضع وانکسار اور یہ کسر نفس یہی اسلام میں عبادت کی روح ہے اسی سے انسان کی مقبولیت بڑھتی ہے۔المختصر یہ کہ:۔

قانون خداوندی کی عظمت نہیں ہوسکتی جب تک اللہ کی عظمت دل کے اندر نہ ہو اور اس عظمت کا تقاضا یہی ہوگا کہ ہمہ وقت زبان سے، قلب سے، دماغ سے اور اعضاء وجوارح سے بھی اطاعت وعبادت میں مشغول رہیں۔ہر اعتبار سے ہم شکر گزار بنے رہیں۔اور شکر گزاری یا عظمت کا اعتراف فقط زبان سے نہیں ہوتا دل سے بھی ہوتا ہے۔روح سے بھی اور عمل سے بھی ہوتا ہے جتنا اطاعت کا عمل بڑھے گا تو عملی شکر بڑھے گا۔جتنا زبان سے الحمداللہ کہیں گے یہ اظہار عظمت کا شکر ہوگا۔جتنا دماغ میں سوچیں گے کہ اللہ سب سے بڑی ذات ہے یہ اس کی عظمت کا دماغ اعتراف کررہا ہے۔عقل سے جتنے دلائل اس کی عظمت کے قائم کریں گے یہ عقل کا اعتراف عظمت ہے کہ وہ بھی مانتی ہے کہ عظمت والی ذات وہ ہے جتنی آپ کے وجدان اور ضمیر میں عظمت بیٹھے گی یہ قلب کا اظہار ہے کہ وہ عظمت کو ظاہر کررہا ہے تو رگ وپے سے عظمت کا اعتراف ہونا چاہیے۔وجدان، ارکان، زبان ولسان الغرض ہر اعتبار سے اس کی عظمتوں کا اعتراف چاہیے، جتنا شکر ادا کیا جائے گا اتنی عظمت نمایاں ہوگی اور پھر بھی یہ کہہ دینا چاہیے کہ ہم حق ادا نہیں کرسکے۔

بہر حال اس عظمت کے بعد اب فرماتے ہیں کہ'' جب تم اس مقام پر آجاؤ گے اگر تم سے گناہ بھی سرزد ہوں گے تو پرواہ مت کرو میں اتنی بڑی بخشش لے کر تم سے ملاقات کروں گا'' اس لیے اگر عظمت ہے تو بندہ خطاونسیان سے مرکب ہے یہ غلطی کرے گا آخر بشریت ہے۔معصوم صرف انبیاء علیہم السلام بنائے گئے ہیں اور محفوظ اولیاء اللہ ہی بنائے گئے ہیں۔ہم اور آپ تو رات دن گناہوں میں غرقاب ہیں اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ فضل خداوندی متوجہ ہو اور وہ بغیر عظمت کے متوجہ نہیں ہوتا۔اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔اس لیے عظمت کا اعتراف دل میں ہوگا تو قانون خداوندی کی عظمت بھی دل میں ہوگی اور جب اس کے قانون کی عظمت دل میں بیٹھے گی تو عمل درآمد دل کے لگاؤ سے ہو گا خواہ وہ دینیات ہو یا عبادات ہوں۔خواہ وہ معاشرت ہو، انفرادی وجماعتی زندگی ہو، شہری زندگی ہو جب قانون کی عظمت ہوگی تو آدمی بغیر قانون کسی طرح نہیں چلے گا؟

عظمت ومحبت خداوندی ہی ایمان کی بنیاد ہے۔

عظمت ومحبت خداوندی ہی ایمان کی بنیاد ہے اور یہ ایمان کا پہلا رکن ہے۔اگر عظمت نہیں ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ قلب کے اندر ایمان نہیں ہے پھر عظمت کے بھی درجات ہیں ایک درجہ عظمت کا وہ ہے جو عوام مومنین کے دل میں ہوتا ہے اور ایک وہ ہے جو اولیاء عظام اور علماء کے دل میں ہوتا ہے اور ایک وہ ہے جو ائمہ کرام کے دلوں میں ہوتا ہے ایک وہ ہے جو صحابہ کرامؓ کے قلوب میں تھا ایک وہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں تھا۔اسی طرح ایمانوں میں بھی فرق ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا ایمان سب سے عظیم ترین ایمان ہے۔صحابہ کرام ؓ کا ایمان اس کے بعد تابعین کا اس کے بعد ہم جیسے عوام کا ایمان سب سے آخر کا درجہ ہے تو جیسے درجات

عظمت کے ہیں ویسے ہی درجات ایمان کے ہیں بہر حال جب نفس عظمت میں شرکت ہوگی تو ظاہر بات ہے کہ قانون کی عظمت بھی ہوگی جب عظمت ہوگی ، پھر محبت بھی ہوگی تو آدمی کے دل میں قانون پر عمل درآمد کرنے کی لگن پیدا ہوجائے گی ۔

یہی محبت تھی جس نے صحابہ کرام ؓ کو مجبور کیا کہ گھر بار انہوں نے چھوڑا ، جائیدادیں انہوں نے ترک کیں ، وطن چھوڑ کر بے وطن ہوئے ۔ اپنی لذتیں ترک کیں ، اپنا آرام وآسائش ترک کیا ، کس لیے ؟ محض محبت نبوی خاتم النبیین ﷺ اور عظمت خداوندی کی وجہ سے جب محبت دل میں بیٹھ گئی تو ہر چیز اس کے سامنے ہیچ بن گئی تو ہجرت کر کے وطن چھوڑ کے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ آگئے ۔ جانیں الگ قربان کیں ۔ مال الگ چھوڑا ، اولاد کو ، عزیزوں کو ، رشتہ داروں کو الگ چھوڑا ، اگر محبت وعظمت نہ ہوتی ، یہ اتنے بڑے بڑے کام ان سے سرزد نہیں ہو سکتے تھے ۔ سیدنا صدیق اکبر ؓ کے بارے میں روایات میں فرمایا گیا ہے کہ جب غزوہ بدر ہوا تو حضرت صدیق اکبر ؓ کے چھوٹے صاحبزادے اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے وہ کفار کے لشکر میں مسلمانوں کے مدمقابل تھے ، غزوہ بدر کے بعد ایمان کی توفیق ہوئی اور ایمان لانے کے بعد ایک دفعہ اپنے والد صدیق اکبر ؓ سے کہنے لگے کہ ’’ اے میرے والد ! جنگ بدر کے اندر کئی دفعہ ایسا موقع آیا کہ آپ میری زد کے نیچے تھے اگر میں تیر چلاتا یا تلوار سے آگے بڑھ کر مقابلہ کرتا ، میں آپ کو ختم کر سکتا تھا مگر میں نے یہ خیال کیا کہ یہ میرے باپ ہیں ، میرے لیے زیبا نہیں ہے کہ یہ میرے ہاتھ سے قتل ہوں ، اس لیے میں باپ ہونے کی عظمت کی وجہ سے رک جاتا تھا ‘‘

صدیق اکبر ؓ نے فرمایا ’’ اے میرے بیٹے اگر تو میری زد پر آجاتا تو میں سب سے پہلے تجھے قتل کرتا پھر میں دوسروں کی طرف بڑھتا اس لیے کہ جب دل میں اللہ کی محبت آ گئی تو پھر کسی دوسرے کی محبت کی سمائی کا دل میں کیا سوال ، پھر کہاں رشتہ اور کہاں اولاد ؟ جب میں اللہ کیلئے کھڑا ہوا تو میں پہلے اس کو دیکھتا جو دشمن خدا ہے اور میرا عزیز بھی ہے ، تاکہ میں اپنی عزیز داری کو حق تعالیٰ کی دشمنی سے پاک کر دوں میں پہلے تجھے قتل کرتا ‘‘ ۔

اسی کو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں : (بخاری و مسلم)

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولو و الناس اجمعین

ترجمہ : ’’ کوئی بھی تم میں سے اس وقت تک کامل الایمان مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ میرے ساتھ اتنی محبت نہ ہو کہ اتنی محبت اپنی اولاد ، ماں باپ سے نہ ہو ‘‘ ۔

جب تک اتنی محبت غالب نہیں آجائے گی اس وقت تک مت سمجھو کہ تم میں کمال ایمان پیدا ہوگیا ۔ ظاہر بات ہے کہ ایمان کی بنیاد محبت نکل آتی ہے یہ نہ ہو تو ایمان ہو ہی نہیں سکتا ۔ ایک محبت تو طبعی ہے جو اولاد کے ساتھ ہوتی ہے اور اولاد کو اپنے ماں باپ کے ساتھ ہوتی ہے اور ایک محبت عقلی ہے ۔ ایمان عقلی محبت کا نام ہے ، طبعی محبت کا نام نہیں ہے ۔ طبعی طور پر آدمی اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے لیکن عقلاً یہ سمجھتا ہے کہ زیادہ محبوب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہیں ۔ ان سے کہیں زیادہ محبوب حقیقی حق تعالیٰ شانہ ہیں اس واسطے جب اللہ کے حکم اور اولاد کا مقابلہ پڑتا ہے وہ اولاد کو دھکا دے دیتا ہے اور حکم خداوندی کو آگے رکھتا ہے یہ عقلی محبت ہے ۔ محض طبعی جذبہ نہیں ہے تو ایمان عقلی محبت وعظمت کا نام ہے یہ پہلا رکن ہے ۔

ایمان کا ادنیٰ ترین درجہ

دوسرا رکن یہ ہے کہ ’’ الشفقتہ علی خلق اللہ ‘‘ جتنا آدمی اللہ کی طرف جھکے اتنا ہی اس کی مخلوق کی خدمت کی طرف متوجہ ہو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ :

الخلق عیال اللہ ، فاحب الخلق الی اللہ من یحسن الی عیالہ (شعب الایمان ، طبرانی) 65/6

’’ ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے (اس میں مسلم اور غیر مسلم کی بھی قید نہیں ہے) جتنے بندگان خدا ہیں وہ سب خدا کے کنبہ ہیں اس کی پیدا کی ہوئی چہیتی مخلوق ہے ۔ ‘‘

اللہ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ احسان وسلوک کے ساتھ پیش آئے ۔ وہی اللہ کا سب سے زیادہ چہیتا ہے ، بہر حال جیسے اللہ کی محبت لازمی ہے اسی طرح سے فرمایا گیا مخلوق کی شفقت کو لازمی سمجھو ۔ اگر مخلوق ستم رسیدہ ہے ، مظلوم و بے کس ہے ، ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کی مدد کرے اگر کوئی غیر مسلم بھی مصائب میں پھنس جائے اور مسلم دیکھ رہا ہے کہ وہ مصیبت زدہ ہے تو مسلم کا کام یہ ہے کہ اس کو بھی مصیبت سے نجات دلائے جتنا بھی اس کے بس میں ہے اس کو بھی ظلم وستم اور پریشانی سے چھڑائے بہر حال مخلوق کی خدمت یہ شفقت کے لئے ضروری ہے جب تک مخلوق کی خدمت نہ ہو شفقت نہیں پائی جا سکتی ۔

خدمت کے پھر دو درجے ہیں ایک درجہ نفع رسانی کا ہے ایک درجہ ضرر رسانی سے بچانے کا ۔ تکلیف نہ پہنچاؤ ، نفع چاہے پہنچا سکو یا نہ پہنچا سکو ۔ تو ایک درجہ یہ ہے کہ اپنی ایذا رسانی کو روک دو ۔ اذیت مت پہنچاؤ اور ایک یہ کہ اس سے آگے بڑھ کر اس کی مخلوق کو نفع اور راحت پہنچاؤ اولین درجہ یہ ہے کہ تم سے کسی مخلوق کو ضرر و اذیت نہ پہنچے ۔ اگر

یہ بھی نہ ہو تو سمجھو کہ ایمان نہیں ہے اگر آدمی کسی دوسرے کو تکلیف میں مبتلا دیکھے یا ایسے سامان ہوں کہ یہ اس سے تکلیف میں مبتلا ہو جائے گا۔ تو آدمی کا فرض ہے کہ اسے متنبہ کر دے، اگر متنبہ بھی نہ کرے آنکھ بند کر کے گزر جائے تو سمجھ لو کہ قلب کے اندر ایمان نہیں ہے ورنہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ دوسرے کو متنبہ کر دے کہ یہ تکلیف کا راستہ ہے اس پر مت جاؤ، اسی واسطے فرمایا گیا، ادنھا اماطتہ الاذی عن الطریق

ترجمہ: ''ایمان کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ راستوں سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹائے'' جس سے کسی کو تکلیف پہنچے، کانچ کے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں انہیں اٹھا کر راستے کو صاف کر دے۔ اینٹیں پڑی ہوئی ہیں جن سے لوگوں کو ٹھوکریں لگیں گی اٹھا دے تا کہ مخلوق کو اذیت نہ پہنچے یہ ایمان کا ادنیٰ ترین درجہ ہے اگر یہ بھی نہ ہو تو فرماتے ہیں کہ قلب کے اندر ایمان نہیں ہے۔

حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ'' تین قسم کے آدمی ہیں جن پر حق تعالیٰ لعنت کرتے ہیں ایک وہ جو سڑک کے اوپر ایذ دہ چیزیں ڈال دے، ایک وہ کہ ایسی جگہ پر جہاں لوگ بیٹھتے ہوں، راحت اٹھاتے ہوں، وہاں بول و براز کر کے جگہ کو پراگندہ کرے''۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

جیسے کوئی درخت کا سایہ ہے لوگوں کے بیٹھنے اٹھنے کی جگہ ہے وہاں پر آدمی نجاست ڈال دے یا بول براز کرے۔

کمال ایمان کیسے نصیب ہو سکتا ہے؟

بہر حال کسی ایسی ہیبت سے اشارہ کرنا یا جیسے کسی زمانے میں آنگوٹھا دکھلا دینے کا دستور تھا۔ جس سے دوسرا چڑ جائے وہ ایسا ہی ہے جیسا زمانہ جاہلیت میں شہادت کی انگلی دکھا کر چڑا دینا سمجھا جاتا تھا۔ ان تمام چیزوں سے روکا گیا تا کہ ایک مسلم دوسرے مسلم کیلئے ایذا رسانی کا باعث نہ بنے۔ مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں نہ زبان سے ایذا پہنچائے نہ ہاتھ سے کہیں فرمایا گیا۔

''مومن کون ہے؟ جس سے لوگ اپنی جان، مال، آبرو کے بارے میں امن میں ہوں اور مطمئن ہو جائیں، لوگ یوں سمجھیں کہ ہماری جانیں بھی محفوظ ہیں اس لیے کہ یہ مومن ہے یہ جان کے اندر خیانت نہیں کرے گا ہماری آبرو بھی محفوظ ہے اس لیے کہ یہ مومن ہے خائن نہیں ہے اور یہاں پر لفظ'' امنہ الناس'' ہے اس میں یہ بھی قید نہیں کہ مسلمان ہی مطمئن ہوں بلکہ غیر مسلم بھی مطمئن ہو جائیں کہ یہ موذی نہیں ہے۔ یہ ایمان دار ہے تو ایمان کی علامت یہ بتلائی گئی کہ ہر کس و ناکس اس کے معاملات کو دیکھ کر یہ سمجھ لے کہ یہ مومن ہے اس سے مال، جان، آبرو میں کوئی خطرہ نہیں اس لیے کہ یہ کسی میں بھی خیانت نہیں کرے گا۔

بہر حال مومن کی شان یہ ہوئی کہ اس کے اندر خدمت خلق کا جذبہ بھرا ہوا ہو اور بلا استثناء ہر مخلوق کی درجہ بدرجہ خدمت کرے جس کے دل میں محبت خداوندی ہو گی اس کے دل میں اس کی مخلوق کی محبت ہو گی اور جب مخلوق کی بھی محبت ہو گی تو اسے چین نہیں آئے گا کہ کوئی شخص اذیت و تکلیف کے اندر ہے وہ سعی کرے گا کہ اس کی تکلیف رفع کروں کم سے کم اس کی اذیت و تکلیف کا ذریعہ نہ بنوں اور اس کی جان و مال محفوظ رہنا چاہیے۔ اگر خدانخواستہ مومن ایسا ہو جائے کہ لوگ اس سے دور ہٹنے لگیں کہ بھائی کہیں چھری نہ دے، کہیں جیب نہ کتر لے، کہیں گالی نہ دے دے تو وہ مومن کیا؟ وہ تو اچھا خاصا بیل ہے۔ بیل جب چلتا ہے تو لوگ پہلو بچا کر چلتے ہیں کہ بیل ہے کہیں لات نہ مار دے، کہیں دم نہ مار دے، کہیں پیشاب نہ کر دے، چھینٹا نہ پڑ جائے۔ اگر مومن سے بھی یہ کھٹک پیدا ہو گئی کہ کہیں چھری نہ مار دے، جیب نہ کترے وہ بھی پھر بیل ہوا۔ مومن نہ ہوا۔

مومن وہ ہے جس سے لوگ مطمئن ہو جائیں کہ یہ نہ ہمارے لیے جان لیوا ہے نہ آبرو گرانے والا ہے، نہ مال میں خیانت کرنے والا، غائبانہ بھی خیانت نہ کرے بلکہ حفاظت کرے۔ اب ظاہر ہے کہ ایسا آدمی جو خدمت خلق کے اندر راسخ القدم ہو گا۔ وہ ایک طرف اللہ کا ذاکر ہو گا اور ایک طرف مخلوق کا خادم ہو گا۔ ایک طرف عبادت رب ادا کرے گا ایک طرف خدمت خلق ادا کرے گا اور ایک چیز اسے دوسری طرف سے غافل نہیں بنا سکتی۔ جو انبیاء علیہم السلام کی شان ہے اور انبیاء علیہم اسلام کے نقش قدم پر چل کر آدمی ولایت کے اونچے اونچے مراتب پر پہنچتا ہے اس مرتبہ کا حاصل یہی ہے کہ ذکر اللہ اس کے رگ و پے میں راسخ ہو جائے۔ وہ کرسی پر بیٹھے جب بھی ذکر اللہ اس کے اندر سرایت کئے ہوئے ہو۔ اور فرش، زمین پر بیٹھے جب بھی ذاکر ہو وہ بہترین فاخرہ لباس پہن لے جب بھی وہ ذاکر ہو، پھٹے پرانے کپڑے پہن رہا ہے جب بھی اس کا قلب ذاکر ہے۔ کوئی چیز اس کو ذکر اللہ سے روکنے والی نہیں ہے بلکہ وہ لباس اس کیلئے یاددہانی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

حضرات صحابہ ؓ میں بزرگی کی دوشانیں

حضرت ابن عباس ؓ جلیل القدر صحابی ہیں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں آپ خاتم النبیین ﷺ نے انہیں دعا دی ہے کہ:

ترجمہ: ''اے اللہ! ابن عباس ؓ کو کتاب اللہ کا عالم بنا دے اور اس کو حکمت سکھلا دے'' (البانی 6 / 173) تو بڑے زبردست مفسرین بلکہ تفسیر قرآن کے اندر صحابہ ؓ میں یکتا ہیں لیکن لباس کس شان کا پہنتے تھے۔؟ ان کے لباس کا کپڑا اس زمانے کا بہترین کپڑا اور قیمتی ہوتا تھا بڑا فاخرہ لباس ہوتا اور جس مجلس میں بیٹھتے تھے تو عجیب عطر ہوتا مجلس

اس سے مہک جاتی تھی۔اور ایک طرف ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں کہ ان کا مذہب یہ تھا کہ ایک جوڑے کے سوا دوسرا کپڑا رکھنا جائز نہیں ان کی یہ شان تھی۔جب ملک شام فتح ہوا تو شام میں تمدن تھا۔حضرت امیر معاویہ ؓ کی حکومت تھی۔حضرت عثمان غنی ؓ کا زمانہ تھا۔حضرت ابوذر غفاری ؓ شام میں پہنچے، وہاں تمدن، کھانے پینے کی افراط اور سب کے بہترین مکانات تھے۔ابوذر غفاری ؓ پر زہد وقناعت کا غلبہ،جس گھر میں جاتے اور دیکھتے کہ دستر خوان پر بہترین کھانے جمع ہیں بس لاٹھی لے کر شروع ہو جاتے کہ اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ کے دستر خوان پر کب دو کھانے جمع ہوئے ہیں جو تم نے جمع کر رکھے ہیں؟۔

تو یہ نہیں کہ امر بالمعروف کر دیں، لاٹھی لے کے مار پٹائی کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔لوگ عزت کرتے تھے کہ جلیل القدر صحابی ؓ ہیں۔دستر خوان اٹھ جاتا لیکن لوگ تنگ آ گئے اسی طرح کسی کا بہترین لباس دیکھا، بس لاٹھی لے کر پہنچ گئے کہ حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ نے ایسا لباس کب پہنا؟ کسی کے گھر میں صندوق میں دو چار جوڑے جمع ہیں، لاٹھی لے کر پہنچ گئے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ نے کب چار جوڑے رکھے تھے جو تم رکھ رہے ہو؟ اور مرنے مارنے کو تیار۔آخر کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ واقعات حضرت عثمان غنی ؓ کو لکھے کہ ''یہ لوگوں کی زندگی اجیرن کر دیں گے اب لوگ اس کامل زہد وقناعت پر کیسے آ جائیں جو اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ کا زہد وقناعت تھا۔امت میں تو ہر طبقے کے لوگ ہوتے ہیں انہیں حکم دیا جائے کہ یہ شہر میں نہ رہیں۔ان کی کسی سے نہ نبھے گی''۔

چونکہ امیر المومنین کا حکم تھا اور وہ واجب لاطاعت تھا، سر جھکا دیا اور پھر ہمیشہ کیلئے شہر چھوڑ کر جنگل میں قیام کیا۔اسی جنگل میں رہنے لگے-وفات کا جب وقت آیا تو گھر میں خود تھے اور ان کی بیوی تھی۔تیسرا کوئی نہیں تھا، بیوی رونے لگی اس لیے کہ ہاتھ پلے کچھ نہیں تھا اس لیے کہ ان کا مذہب یہ تھا کہ صبح کا جو کھانا کھایا، تو رات کا کھانا رکھنا جائز ہی نہیں، توکل کے خلاف ہے، جو بدن پر کپڑا پہنے ہوئے تھے اس کے سوا اور کوئی کپڑا نہیں تھا۔آپ ؓ نے فرمایا رومت، تھوڑی دیر میں تمہیں ایک قافلہ آتا ہوا نظر پڑے گا ان سے کہنا کہ رسول خاتم النبیین ﷺ کے ایک صحابی ؓ کی وفات ہوگئی ہے لوگو (سواریوں سے) اتر جاؤ اور ان کے کفن دفن کا انتظام کر دو۔بیوی بیٹھ گئی تو واقعی تھوڑی دیر بعد گرد داڑی اور اونٹوں پر پانچ، چھ آدمیوں کا ایک قافلہ آتا ہوا نظر پڑا۔جب وہ ان کے قریب پہنچا۔بیوی نے کہا ''اے لوگو، اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ کے ایک صحابی ابو ذر غفاری ؓ ہیں ان کی وفات کا وقت ہے۔آپ لوگ اتر جائیں ان کے کفن دفن کا انتظام کر دیں اور نماز جنازہ پڑھا دیں تو ان سواروں میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔جلیل القدر صحابی ؓ ہیں یہ سن کر کہ ابوذر غفاری ؓ ہیں تو اس زور سے چلا پڑے کہ ''صدق صدق رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ'' اللہ کے رسول نے سچ فرمایا تھا کہ:

رحم اللہ ذر یمشی وعدہ و یموت وعدہ و یبعث وعدہ

ترجمہ:''اے ابوذر ؓ! افسوس ہے کہ تنہائی میں زندگی گزارو گے اور تنہائی میں تمہاری موت بھی آئے گی''۔

اس کے بعد اندر آئے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ خوش ہوئے۔فرمایا ''یہ میرا آخری وقت ہے میرے کفن دفن کا انتظام کر دو'' اور یہ فرمایا '' کہ میرے پاس کفن کا کوئی سامان نہیں بس یہ کرتہ اور لنگی جو باندھے ہوئے ہوں اس کے سوا کوئی کپڑا نہیں۔'' تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور دوسرے حضرات سے خطاب کر کے کہا کہ ''کوئی شخص مجھے ایک چادر دے دے تا کہ اس چادر میں لپیٹ کر دفن کر دیا جاؤں'' (کفن سنت تو تین کپڑے ہیں۔ازار، لنگی اور ایک قمیص ہے اور کفن کفایت یہ ہے کہ ایک ہی کپڑے میں پوری لاش دفن کر دی جائے) تو فرمایا کم سے کم کفن میسر آ جائے، ورنہ میرے پاس تو اتنا بھی نہیں۔اور زہد وقناعت کا یہ عالم کہ فرمایا ''تم میں سے کوئی مجھے ایک چادر دے دو، مگر وہ شخص دے جو حکومت کا ملازم، محصول اور زکوۃ وصول کرنے والا نہ ہو'' فرمایا ''جو لوگ مالیات کے وصول کرنے کے اوپر مقرر ہیں وہ بے احتیاطی سے کام لیتے ہیں یا بہت اعلیٰ مال وصول کر لاتے ہیں تو رعایا تنگ ہوتی ہے یا رعایت ومروت کرتے ہیں تو ادنیٰ درجے کی چیزیں لے آتے ہیں اس سے حکومت کو نقصان پہنچتا ہے۔اعتدال سے کام نہیں لیتے اس واسطے اس شخص کی چادر میں قبول نہیں کروں گا جو مالیاتی تحقیق کے اوپر ملازم ہے'' حالانکہ وہ خلافت راشدہ کا دور ہے یہ صحابہ ؓ ہیں جن کا تقویٰ اور تقدس دنیا کے لیے نمونہ اور معیار ہے مگر حضرت ابوذر غفاری ؓ کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ اسے بھی خلاف تقویٰ سمجھتے ہیں کہ ایسے ملازم کا ہدیہ بھی قبول کریں۔

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میرے پاس دو چادریں ہیں اور وہ میری ماں کے ہاتھ کا کاتا ہوا سوت ہے اور گھر ہی کا بنا ہوا ہے۔فرمایا ''ہاں بس وہ کافی ہے، ایک چادر مجھے دے دو'' چنانچہ وفات ہوئی اور اسی چادر میں لپیٹ کر دفن کر دیئے گئے۔ان پانچ، چھ حضرات نے جنازہ کی نماز ادا کر دی تو ایک طرف ابن عباس ؓ ہیں جو پانچ سو روپے کا جبہ پہنے ہوئے بیٹھے ہیں ایک طرف ابوذر غفاری ؓ ہیں کہ پھٹے پرانے کپڑوں کے سوا ان کے پاس کوئی جوڑا بھی موجود نہیں لیکن بزرگی میں کوئی کلام نہیں ہے وہ بھی اعلیٰ ترین بزرگ ہیں یہ بھی اعلیٰ ترین بزرگ ہیں، دونوں صحابی ؓ اور صحابہ ؓ کے بارے میں اہلسنت والجماعت کا اجماع ہے کہ **الصحابہ کلھم عدول رضی اللہ عنھم و رضوا عنہٗ**

ترجمہ: سارے صحابہ ؓ متقی، پارسا اور پاکباز ہیں، اولیا کاملین ہیں''۔

امت میں کوئی بڑے سے بڑا قطب اور ولی گزرے، لیکن صحابیت کے رتبے کو کوئی نہیں پہنچ سکتا بلکہ صحابیت کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔صحابہ کرام ؓ میں بھی دونوں شانیں

موجود ہیں تو بزرگی کا تعلق لباس کے فاخرہ ہونے اور لباس کے کمتر ہونے سے نہیں ہے وہ قلوب سے متعلق ہے۔ فاخرہ لباس پہننے میں بھی ان کی نیتیں اچھی ہوتی ہیں اور پھٹا پرانا لباس پہننے میں بھی اچھی نیت ہوتی ہے بزرگی دونوں کا ہی قدر مشترک ہے۔

انبیاء علیہم السلام میں بزرگی کی دو شانیں

اور انبیاء علیہم السلام سے زیادہ کون بزرگ ہے ان کی جوتیوں کے صدقے سے تو دنیا میں بزرگ بنتے ہیں۔ انبیاء آتے ہی بزرگی بانٹنے کے لیے ہیں ان کے گھر سے بزرگی تقسیم ہوتی ہے۔ انبیاء میں بھی دونوں شانیں ہیں۔

حضرت یوسفؑ مصر کے بادشاہ اور تخت سلطنت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ کے شاہی محلات کھڑے ہوئے، ان کے نیچے نہریں اور دریا بہہ رہے ہیں اور ایک طرف حضرت عیسیٰؑ ہیں کہ جو چیز بدن کے اوپر ہے اس کے سوا کوئی چیز ان کی ملک ہی نہیں ہے اور اس میں بھی یہ کیفیت ہے کہ کل سامان ان کے پاس کیا تھا؟ ایک لکڑی کا پیالہ تھا، کھانے کا وقت آتا تو وہ کھانے کا برتن تھا، وضو کا وقت آتا تو وہ پانی کا ظرف تھا، اسی میں پانی لے لیتے اسی میں پی لیتے اور اسی میں کھا لیتے۔ زندگی کا سامان ایک لکڑی کا پیالہ تھا۔ چمڑے کا تکیہ تھا کہ جہاں نیند آئی سر کے نیچے رکھا اور سو گئے چاہے زمین ہی پر ہو۔ یہ کل مال و دولت تھا۔

ایک دن تشریف لے جا رہے تھے تو دیکھا کہ ایک شخص دریا کے کنارے پر کھڑا چلو سے پانی پی رہا ہے۔ فرمایا ''اللہ اکبر اتنی دنیا ہم نے اپنے پاس رکھ رکھی ہے کہ جس کے بغیر بھی گزر ہو سکتا تھا، یہ بنا پیالے کے پانی پی رہا ہے وہ پیالہ بھی پھینک کے چلے گئے کہ یہ بھی میرے پاس زائد تھا۔ صرف تکیہ باقی رہ گیا تو دیکھا ایک شخص کہنی سر کے نیچے رکھے ہوئے سو رہا ہے فرمایا ''اللہ اکبر، یہ تکیہ دنیا کا ایک مستقل سامان ہے جو میں نے رکھ رکھا ہے اس کے بغیر بھی گزر بسر ہو سکتا ہے کہنی رکھ کے بھی سو سکتے ہیں۔ اس دن سے وہ تکیہ بھی چھوڑ دیا اب اس کے بعد سوائے ستر ڈھانپنے کے کوئی چیز باقی نہ رہی۔ یہ بھی اللہ کے جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ سلیمان علیہ السلام بھی جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ یہاں شاہی ٹھاٹھ ہے وہاں انتہائی درویشی ہے اور ان دونوں میں بزرگی اور نبوت مشترک ہے۔ تو لباس سے کسی کو پرکھنا یہ ٹھیک نہیں ہے ہاں یہ کہ خلاف شرع لباس ہو۔ اگر وہ پہنے ہوئے ہو تو ہر مسلمان کو تنقید کا حق ہے کہ یہ جائز نہیں۔ پاجامہ پہنے اور وہ ٹخنوں سے نیچے ہے ہمیں نصیحت کرنے کا حق حاصل ہے یہ جائز نہیں ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن تین شخص ہوں گے جن کی طرف حق تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائیں گے۔ ان میں سے ایک شخص وہ ہوگا جس کے کپڑے اتنے لمبے ہوں جو ٹخنوں سے اتنے نیچے ہوں کہ گھسٹتے جا رہے ہوں"۔ (مشکوۃ شریف)

یہ تکبر کی علامت ہے اور متکبر پر رحمت کی نظر نہیں ڈالی جائیگی۔ مردوں کیلئے خالص ریشم جائز نہیں سوائے اس کے کہ چار انگشت کے اندر اندر ریشم ہو کوئی پھول بوٹے یا دھاری بنی ہوئی ہو۔ یہ تو جائز ہے لیکن خالص ریشم کا لباس یہ جائز نہیں ہے۔ لیکن مطلقاً کوئی شخص قیمتی لباس پہنے ہوئے ہو اور ہم اس سے دلیل پکڑیں کہ اس کے قلب میں بزرگی نہیں ہے یہ غلط ہے۔ کیا ہم آپ اس کے قلب میں گھس کر دیکھ آئے ہیں'' کہ اس کے قلب میں بزرگی نہیں ہے لباس سے بزرگی پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ مکان کے اچھے ہونے سے بزرگی کی قلت یا بزرگی سے معدوم نہیں مانا جا سکتا تو انبیاء میں دونوں شانیں موجود، اولیاؒ میں بھی موجود، صحابہؓ میں بھی موجود۔ ہر طبقے کے لوگ ہوتے تھے۔ دیکھنا اصل یہ ہے کہ قلوب کس درجے کے ہیں؟۔

تواضع بزرگی کی سب سے بڑی علامت ہے

قلب وہ ہے جس کے اندر بزرگی ہو۔ لباس کیسا بھی ہو۔ بزرگی کی سب سے بڑی علامت یہی ہے کہ اپنے نفس کی حقارت دل میں جمی ہوئی ہو اور دوسرے کی بزرگی جمی ہوئی ہو۔ اگر ایک شخص دوسرے کی تحقیر کرتا ہے اور وہ مدعی ہے کہ میں بہت زیادہ بڑا ہوں یہ دعویٰ ہی علامت ہے کہ بزرگی نشان کو بھی اس میں موجود نہیں ہے۔ بزرگی میں نہ دعویٰ ہوتا ہے نہ شیخی ہوتی ہے۔ ترک دعویٰ اور ترک شیخی کا نام بزرگی ہے جب یہ پیدا ہو، کہا جائے گا بزرگی ہے۔

عظمت و کبریائی صرف اللہ کی شان ہے

تکبر اللہ کی شان ہے۔ خدا کے سوا کسی کیلئے تکبر زیبا نہیں، وہی فرما سکتے ہیں: (سورۃ الجاثیہ، آیت نمبر 37)

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ

ترجمہ: ''زمین اور آسمان کے اندر سب بڑائیاں اُس کے لیے ہیں"۔ اُسی کا نام المتکبر ہے وہی تکبر کر سکتا ہے۔

ایک حدیث قدسی میں حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا:

''تکبر میری چادر ہے، عظمت اور بزرگی میری لنگی ہے، جو اس میں کھینچا تانی کرے گا میں یقیناً اس کی گردن توڑ دوں گا اور اسے نیچا دکھاؤں گا''۔(صحیح مسلم)

تو جو بھی بڑا بول بولتا ہے ہاتھ کے ہاتھ اسی مجلس میں اسے سزا مل جاتی ہے۔ چار آدمی کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کی تذلیل کے درپے ہو جاتے ہیں اور جو چھوٹا بول بولتا ہے کہ میں ہیچ ہوں، میں حقیر ہوں، دوسرے تعریفیں کرتے ہیں کہ نہیں آپ بڑے ہیں، آپ بزرگ ہیں، آپ ایسے ہیں اور ایسے ہیں تو بڑائی کا بول بولنا، دعویٰ کرنا تذلیل کی علامت ہے۔ دوسرے یقیناً ذلیل سمجھیں گے۔ چھوٹا بنے گا تو دوسرے بڑا سمجھیں گے۔ بڑائی حاصل کرنے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ دعویٰ کرے بلکہ دعویٰ ترک کر دے۔ خود بخود بڑائی آ جائے گی تو تمہیں اگر بزرگی لینی ہے تو اس کا راستہ تواضع ہے تکبر اور کبریائی نہیں ہے۔ جیسے کسی پہاڑ پر چڑھتے ہیں، جب چڑھیں گے تو جھک کر چڑھنا پڑے گا اور جب اتریں، تو جب تک اکڑیں گے نہیں اترنا مشکل ہوگا یہ اس کی علامت ہے کہ اونچائی پر جب پہنچ سکتے ہو جب جھک کے چلو، جب اکڑو گے تو نیچے کی طرف جاؤ گے۔ اوپر نہیں جا سکتے۔ آدمی جتنا اکڑے گا زمین میں دھنسے گا جتنا جھکے گا اتنا بلندی کے اوپر پہنچے گا۔

اگر کوئی بندہ دعویٰ کر کے یوں کہتا ہے کہ اے اللہ میں نے نماز پڑھی، میں نے حج کیا، میں نے اتنی نیکیاں کیں، اللہ تعالیٰ فوراً فرماتے ہیں'' نامعقول تو نے کیا کیا؟ توفیق میں نے دی، عقل تیرے اندر میں نے پیدا کی، ارادہ میں نے پیدا کیا، تو نے کیا کیا؟'' اور اگر کوئی یوں کہتا ہے کہ اے اللہ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا کہا اگر میں نے نماز پڑھی تو تو نے مجھے توفیق دی تھی، تو نے ہی راستہ مہیا کیا تھا، تو نے ہی مجھے ہمت دی تھی، ساری بات خوبیوں کی تیری طرف ہے۔ مجھ سے کچھ نہیں ہو سکا۔ اس کو فرماتے ہیں کہ'' نہیں چل کے تو ہی گیا تھا، مسجد تک تو ہی گیا تھا، حج کا ارادہ تو نے کیا تھا''۔ اس کو سراہتے ہیں اور اونچا اٹھاتے ہیں تو جو جھکتا ہے اسے اونچا کرتے ہیں جو خود اونچا بننا چاہتا ہے اسے جھکا دیتے ہیں اس لیے عزت پانے کا راستہ جھکاؤ ہے۔ عزت یوں نہیں آیا کرتی کہ آپ ڈنڈا لے کر کھڑے ہو جائیں کہ کرو میری عزت نہیں تو ماردوں گا۔ یہ عزت کا طریقہ نہیں۔ عزت کا طریقہ یہ ہے کہ دوسرے کی عزت کریں وہ ہماری عزت کرے گا۔

تواضع علامت آدمیت ہے

انسان کے اندر جب تک کہ تواضع، خدمت اور خدمت گزاری نہ ہو اس وقت تک صحیح معنوں میں آدمی کے اندر بندگی نہیں پیدا ہوتی مخلوق کی تذلیل وتحقیر سے آدمی خود اپنی ذلت کے راستے ہموار کرتا ہے تو ایک طرف تو عظمت خداوندی دل میں ہو اور ایک طرف خدمت خلق ہو۔ اور خادم خلق نہیں بن سکتا جب تک کہ متواضع منکسر المزاج نہ ہو جب تک یہ نہ سمجھے کہ میں ان سے کم رتبہ ہوں۔ میرا فرض یہ ہے کہ میں ان کی خدمت کروں اب راستے میں کانٹے یا کانچ کے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں، ایک متکبر کانٹے کو اٹھانے کیلئے کبھی نہیں جھکے گا سمجھے گا میری شان کے خلاف ہے، میری حیثیت بہت بلند ہے، لوگ کیا کہیں گے؟ لیکن اگر متواضع ہے، تو وہ جھک کر کانچ کے ٹکڑے اپنے ہاتھ سے اٹھا پھینکے گا تا کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچ جائے۔ یہ خدمت وہ سرانجام دے گا جس کے قلب کے اندر تواضع اور انکساری موجود ہوگی۔ کبر اور ریاکاری جس کے اندر ہوگی وہ کبھی یہ خدمت سرانجام نہیں دے سکے گا۔

بہر حال خدمت خلق کا جذبہ تب موجود ہوگا جب دل میں تواضع کا جذبہ موجود ہو۔ منکسر المزاج ہو۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے آدم علیہ السلام کا بیٹا ہو تو ضرور تواضع کرے گا اور اگر اپنا نسب نامہ شیطان سے ملا لے گا تو کبھی تواضع نہیں کرے گا۔ اس واسطے کہ دونوں سے لغزشیں ہوئیں۔ آدم علیہ السلام سے بھی ہوئی اور ابلیس سے بھی ہوئی۔ آدم علیہ السلام نیت کے پاک تھے مگر بھول کر ایک لغزش ہوگئی حکم دیا گیا تھا کہ پھل مت کھاؤ، بھول کر کھا لیا حالانکہ وہ نافرمانی نہیں تھی، نافرمانی کہتے ہیں جان بوجھ کر حکم کی خلاف ورزی کرنا یہ نہیں ہوا تھا، جانتے تھے کہ اللہ نے روکا ہے، مگر مشکل کیا پیش آئی؟ ایک تو کم بخت شیطان نے آ کے قسم کھائی: (سورۃ الاعراف آیت 21)

وَقَاسَمَهُمَا اِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ

ترجمہ: ''قسم کھا کے کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں'' آدمؑ کا سچا قلب آپ کسی فریب سے واقف نہیں، مقام جنت میں ہے، جو کریم مقام ہے یہ شبہ بھی نہیں گزر سکتا تھا کہ اللہ کا نام لے کر کوئی جھوٹ بولے، جب دل میں ایمان ہوتا ہے تو حسن ظن دل میں ہوتا ہے، دوسرے کو بھی آدمی یہی سمجھتا ہے کہ یہ بھی اچھا ہے۔ یہ خدا کا نام لے کر قسم کھا رہا ہے، بھلا خدا کا نام لے کر جھوٹ بولنے کی جرات کیسے ہو سکتی ہے؟ آدمؑ نے نافرمانی کی حقیقت میں آدمؑ جلیل القدر پیغمبر بھی ہیں، مگر ہیں تو اللہ کی بارگاہ کے بندے ہی اور مقرب بندے ،مقربین سے اگر ذراسی لغزش ہوتی ہے تو ان پر شدت تعلق کی بناء پر زیادہ سختی کی جاتی ہے، اگر کوئی دشمن آپ کو گالی دے، آپ برا نہیں مانیں گے کہ دشمن کا کام یہی ہے لیکن اگر آپ کا بیٹا ذرا ترچھی نگاہ سے بھی دیکھ لے فوراً مارنے کو تیار ہو جائیں گے کہ اپنا ہو کر یہ کام کرتا ہے۔ تو شدت تعلق کی بناء پر تھوڑی سی بات بھی بڑی محسوس ہوتی ہے۔ آدم علیہ السلام مقربان بارگاہ حق میں سے ہیں، پیغمبر ہیں انہوں نے لغزش کر کے درخت کا پھل کھا لیا تو سختی سے خطاب کر کے فرمایا گیا کہ تم نافرمانی کر رہے ہو یعنی اتنے مقرب ہو کر کیوں تم سے

لغزش سرزد ہوئی؟ تمہارے حق میں یہ لغزش بھی عصیان کا نام پائے گی۔ مگر حقیقتاً وہ عصیان نہیں تھا، خطاء فکری اور خطاء اجتہادی تھی۔ تو ایک طرف ابلیس سے خطاء سرزد ہوئی فرمایا گیا تھا کہ تو آدم علیہ السلام کو سجدہ کر اس نے نہیں کیا اور آدم علیہ السلام سے بھی خطا ہوئی، مگر فرق کیا تھا؟ آدم علیہ السلام نے خطا کے بعد کہا سورۃ الاعراف آیت 23 میں کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ''اے اللہ! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا'' وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ''اگر آپ میری مغفرت نہیں کریں گے اور مجھ پر رحم نہیں کریں گے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔ تو اعتراف خطا کیا تو خلافت کا تاج سر پر رکھ دیا گیا۔ ابدالآباد کیلئے مقبول بنائے گئے۔ ان کی اولاد میں لاکھوں کروڑوں بندگان مقبول الٰہی ہوئے اور ان سے جنت آباد ہوگئی۔

شیطان نے گناہ کر کے یہ نہیں کہا کہ مجھ سے غلطی ہوئی بلکہ اللہ کے حکم میں اور نکتہ چینی کی۔ سورہ الاعراف، آیت نمبر 12 میں ارشاد خداوندی ہے:

ترجمہ: ''فرمایا کس چیز نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے تجھے حکم دیا تھا؟ بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا''۔

ابلیس نے نہ صرف نافرمانی کی بلکہ نافرمانی کی مزید مہلت مانگی۔ سورہ الاعراف، آیت نمبر 18-13 میں مزید فرمایا:

ترجمہ: ''فرمایا تو یہاں سے اُتر جا تجھے نہیں پہنچتا کہ یہاں رہ کر غرور کرے نکل تو ہے ذلت والوں میں۔ بولا مجھے فرصت دے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں، فرمایا تجھے مہلت ہے۔ بولا تو قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور تیرے سیدھے راستہ پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا۔ پھر ضرور میں ان کے پاس آؤں گا ان کے آگے اور ان کے پیچھے اور ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔ فرمایا یہاں سے نکل جا ردکیا گیا راندہ ہوا، ضرور جو اُن میں سے تیرے کہے پر چلا میں تم سب سے جہنم بھر دوں گا''۔

گویا پورا مقابلہ ٹھانا تو ابدالآباد کیلئے ملعون بنا دیا گیا۔ تو آدم علیہ السلام نے غلطی کا اعتراف کیا، تواضع و انکساری سے پیش آئے تو خلافت مل گئی، شیطان کبر وریاء سے پیش آیا۔ ابدالآباد کیلئے ملعون بن گیا۔

حیادار آدمی ہی عبادت وخدمت کرسکتا ہے

مگر یہ کون کرسکتا ہے؟ جس کے اندر اللہ سے حیا موجود ہو جو حیادار ہو، کوئی بے حیا و بے غیرت ہو جائے، وہ نہ عبادت کی طرف متوجہ ہوگا نہ خدمت کی طرف متوجہ ہو گا۔ تو عظیم چیز حیاء ہے اور حیاء کی حقیقت وہی انکسار نفس کہ نفس میں انکسار ہو، نفس ٹوٹ رہا ہو اور اپنے کو دوسرے کی عظمت کے سامنے ہیچ سمجھ رہا ہو۔ تو ایمان اس زمین پر آتا ہے جس زمین میں حیاء موجود ہو، اس قلب میں گھر کرتا ہے جس قلب کے اندر حیا موجود ہو۔ اس کو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''ستر سے کچھ اوپر ایمان کی شاخیں اور شعبے ہیں اوپر کی شاخ لا الہ الا اللہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں کہ دل میں اللہ کی اتنی عظمت بیٹھ چکی ہے کہ اس کے سوا کسی کو معبود بنانے کو تیار نہیں ہے اور ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے یعنی راستے سے ایذا دہ چیزوں کو اٹھا کر پھینک دینا، تاکہ مخلوق کو تکلیف نہ پہنچے۔ (بخاری ومسلم)

تو ایک ایمان کا اوپر کا سرا بتلایا گیا جو اللہ سے ملا ہوا ہے اور ایک نیچے کا سرا بتلایا گیا جو مخلوق سے ملا ہوا ہے اور دونوں کا منشاء بتلا دیا۔ یہ دونوں شعبے وہ برتے گا جس میں حیاء اور انکسار نفس موجود ہو اور جس میں حیاء نہیں تو جب آدمی سے حیاء جاتی رہتی ہے تو پھر جو چاہے کرے، پھر قلب کے اندر زندگی باقی نہیں رہتی بس جو کرتا ہے کرتا رہتا ہے۔ تو اس حدیث میں مومن کامل بننے کی ہدایت دی گئی اور اس کے لیے ایک طرف عبادات خداوندی ہے۔ اس کا اعلیٰ قول ہے کہ زبان سے لا الہ الا اللہ پڑھے اور جب زبان سے پڑھنے کا عادی ہوگا تو یقینا قلب میں بھی توحید جمے گی اور جب قلب پر جم جائے گی تو ہر فعل سے توحید سرزد ہوگی۔ ہر فعل میں توحید رچ جائے گی، پھر ہر موقع پر ذکر اس کے اندر ہوگا چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے وہ ذاکر بن جائے گا۔ دوسری چیز فرمائی ''خدمت خلق اللہ'' اس کا بھی تعلق حیاء سے ہوگا۔ جتنا حیادار ہوگا اتنا مخلوق سے شفقت سے پیش آئے گا اور اس کی خدمت کی طرف متوجہ ہوگا۔ حدیث نبوی خاتم النبیین ﷺ ہے: ''جب تم حیا نہ کرو تو جو جی چاہے کرو''۔

حق تعالیٰ ہمیں آپ سب کو کمال ایمان کی اور حیاء کی توفیق فرمائے ''آمین''۔

****

ایمان کی استقامت (حدیث قدسی)

حدیث قدسی ہے "لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو اس کے اندر داخل ہو گیا میرے عذاب سے محفوظ ہو جائے گا"۔(ابن عساکر۔ شیخ صدوق، التوحید، 1389ق، ص25)

حضرت شیخ صدرالدین عارفؒ نے اس حدیث قدسی کی تشریح اس طرح فرمائی ہے۔

قلعے کی تین قسمیں ہیں

(1) ظاہر　　(2) باطن　　(3) حقیقت

1۔قلعہ ظاہر:

قلعہ ظاہر یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے خوف زدہ نہ ہو اور کسی سے کوئی امید نہ رکھے۔ اگر تمام دنیا کے لوگ بھی اس کے دشمن ہو جائیں۔تو اس بات سے خائف نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ حق تعالیٰ کے حکم کے بغیر نفع وضرر اور خیر وشر کا ظہور نہیں ہوتا۔

2۔قلعہ باطن:

قلعہ باطن یہ ہے کہ بندے کو یقین ہونا چاہیے کہ موت سے پہلے جو کچھ پیش آتا ہے۔ وہ بالکل عارضی اور فانی ہے۔ دنیا کی کسی بھی شے کو ثبات نہیں ہے۔اس لیے اس کے وجود کی ہستی یا نیستی قابل التفات نہیں۔

3۔قلعہ حقیقت:

قلعہ حقیقت یہ ہے کہ دل میں نہ بہشت کی آرزو ہو اور نہ ہی دوزخ کا خوف، صرف اللہ ہی اللہ ہو۔ جب دل میں یہ سچائی راسخ ہو جاتی ہے تو بہشت خود بخود پیچھے چلی آتی ہے۔

جب بندہ اس کلمے پر ایمان لائے تو اس ایمان پر آخری سانس تک قائم رہے اور شک وشبہ کے بجائے رغبت، محبت اور معرفت کے ساتھ دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا اور اپنی صفات میں یگانہ ہے۔ وہ تمام صفات کمالیہ کا حامل ہے وہ اپنے اسمائے صفات اور افعال کے لحاظ سے قدیم ہے۔ وہ اوہام اور افہام کے ادراک سے بالاتر ہے۔اس کی ذات اور صفات میں چوں چراں کرنا جائز نہیں۔ نہ وہ خود کسی سے مشابہ ہے اور نہ کوئی اس سے تمام پیغمبر اسی کے بھیجے ہوئے ہیں۔اور حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ تمام انبیاء کرام علیہ السلام کے سردار ہیں اور افضل ہیں۔ جو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ٹھیک خواہ یہ باتیں ہماری عقل میں آئیں یا نہ آئیں۔ کیونکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ہر ہر حکم کو مانا۔اس کی کیفیت اور اسباب معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔

ایمان کی صحت کی علامت ہے کہ اگر بندہ کوئی نیک عمل کرے تو اسے خوشی محسوس ہو اور اگر کوئی برا کام کرے تو اسے رنج ہو۔ بندے کے ایمان کی استقامت یہ ہے کہ وہ علم کے بجائے ذوق حال کی بنا پر اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے"۔(ترمذی)

نیز فرمایا کہ

ترجمہ: ''جس شخص نے پورے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا"۔(طبرانی)

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا؟
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستاں وجود
ہوتی ہے بندہ مومن کی آذاں سے پیدا

****

ایمان کاایک شعبہ(حیاء)

حیاء کی حقیقت:

حیاءوہ خلق ہے جوانسان کوناپسندیدہ چیزترک کرنے کی ترغیب دے۔

حیاء کے معنی:

حیاء کے معنی لغت میں اِس طرح ہیں۔

حیاءایک تغیر حال اور شکستگی طبیعت ہے جوانسان کوکسی ایسے کام کے خوف سے پیش آتی ہے۔جس کے کرنے کی وجہ سے اُسے عیب لگایا جائے۔

1۔بعض علمانے حیاء کی یہ تعریف کی ہے:

i۔کسی مکروہ فعل کے ارتکاب کے خوف سے نفس میں جوانقباض پیدا ہوتا ہے وہ حیاء ہے۔

ii۔بُرے فعل سے طبیعت میں جوشرمندگی پیدا ہوتی ہے وہ حیاء ہے۔

2۔بعض عارفین نے حیاء کے یہ معنی بیان کئے ہیں:

i۔کہ تیراآقا تجھے وہاں نہ دیکھے جہاں سے اُس نے تجھے روک دیا ہے۔اوروہ کام یاوہ بات کرتے ہوئے نہ پائے۔جس سے اُس نے تجھے منع کیا ہے۔

ii۔حیاء یہ ہے کہ بندے کا اخلاق اس کوحقدار کے حق میں کمی کرنے سے روکے۔

iii۔حیاءایک ایساوصف ہے جومحسن کی معرفت ویقین کا مبداء بنتا ہے۔

3۔**حضرت جنید بغدادی** نے حیاء کی تعریف اِس طرح کی ہے کہ:

حیاء کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں کوتصور میں لائے۔اوراپنی کوتاہوں کا بھی تصور کرے۔ان دونوں تصورات کے درمیان ایک کیفیت جنم لے گی اُس کا نام حیاء ہے۔

حدیث:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"ایمان کے ستر سے کچھ زیادہ یا ساٹھ سے کچھ زیادہ شعبے ہیں۔افضل شعبہ(کلمہ طیبہ) **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ** ہے۔ادنیٰ شعبہ راستے سے تکلیف دینے والی چیزکوہٹا دینا ہےاور حیاء بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے"۔ (بخاری ومسلم)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:"الحیاء شعبۃ الایمان"۔"حیاءایمان کا ایک شعبہ ہے"۔

حدیث:

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ انصار میں سے ایک شخص کے پاس گزرے جو اپنے بھائی کو حیاء کی تلقین کر رہا تھا۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"اسے چھوڑدوحیاءتوایمان کا حصّہ ہے"۔ (بخاری ومسلم)

حدیث:

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"حیاء خیر ہی خیر ہے-"(بخاری ومسلم)

اگرکسی کوکامل حیاءحاصل ہوتووہ ایسی چیزوں سے پرہیز کرے گا۔جس سے اُسے روکا گیا ہے۔پھر یہی حیاءاُسے مکمل طاعات بجالانے کی دعوت دیتی ہے۔اِس لیئے جوشخص اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہےتووہ ہربات میں یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ اُسے دیکھ رہا ہےاور پھراس طرح وہ گناہ اورنافرمانی سے رک جاتا ہے۔ایک انسان کواللہ تعالیٰ نے جو

نعمتیں دی ہیں بندہ اُن نعمتوں کا شمار نہیں کرسکتا۔ حیاء ایک ایسا وصف ہے جو محسن کی پہچان کا ذریعہ بنتا ہے اور پھر اُس کا شکر بجالانے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لیئے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

حدیث: اَلحَیَاء خَیر کُلُہ۔" حَیا پوری کی پوری خیر ہے"۔

حدیث: حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: "حیاء نہیں لاتی مگر بھلائی"　　　(بخاری ومسلم)

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ "حیاء ساری کی ساری بھلائی ہے"۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ "نبی کریم خاتم النبیین ﷺ پردہ نشین لڑکی سے بھی زیادہ حیاء دار تھے۔ جب آپ خاتم النبیین ﷺ کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھتے تو ہم اس ناپسندیدگی کے آثار آپ خاتم النبیین ﷺ کے چہرے پر دیکھ لیتے تھے"۔

حدیث: نبی کریم خاتم النبیین ﷺ حضرت عثمان غنیؓ کی حیاء کی تعریف کیا کرتے تھے۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: "حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے"۔　　　(بخاری ومسلم)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر آدمی اور خصوصاً عورتوں کے حق میں حیاء کی عادت وہ انمول زیور ہے جو عورت کی عفت، پاکدامنی کا دارومدار اور نسوانیت کے حسن و جمال کی جان ہے۔ جس مرد یا عورت میں حیاء کا جوہر ہوگا۔ وہ تمام عیب لگانے والے اور بُرے کاموں سے فطری طور پر رک جائے گا۔ اور تمام رذائل سے پاک وصاف رہ کر اچھے اچھے کاموں اور اچھے فضائل ومحاسن کے زیورات سے آراستہ ہوجائے گا۔

اِس لیئے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

حدیث: اِذَالَمۡ تَستَحیِ فَاصنَع مَاشِئتَ

ترجمہ: "اگر تو حیاء نہ کرے تو پھر جو جی چاہے کر"۔ (بخاری ومسلم)

****

مُصَنِّفہ کی تمام کُتُب

خاتم النبیین ﷺ مِحبُوبِ ربُّ العٰلمین	خاتم النبیین ﷺ مُحسنِ اِنسانیت (۲،۱)	مقصدِ حیات	عبدیّت کا سفر ابدیّت کے حصُول تک
تعلُّق مع اللہ	مُختصراً قُرآنِ پاک کے علُوم	راہِ نجات	فلاح
اہلِ بیت اور خاندانِ بنُو اُمَیّہ	ثواب و عتاب	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۱)	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۲)
مُختصرِتذکرئہ انبیاءکرامؑ، صحابہ کرامؓ و آئمہ کرامؒ	اولیاءکرامؒ	کتاب الصلوٰۃ وَ اوقاتُ الصّلوٰۃ	عشرہ مُبشرہؓ اور آئمہ اربعہؒ
حیاتِ طیّبہ	آگہی	اِسلام عالمگیر دِین	عقائد واِیمان
دِینِ اِسلام (بچّوں کےلئے)	کتابِ آگاہی (تصحیح العقائد)	تصوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۱)	تصوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۲)

www.jamaat-aysha.com